مرتبہ کتاب ہذا خاکپائے زمن سید ظہور الحسن سوی مؤلف تاریخ دربار دہلی

یادگار خاندان سید السادات حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی!

شجرۂ خاندانی - سید ظہور الحسن موسوی - قومی پریس دھلی چھتہ لال میاں

نمبر	نام
۱	حضرت فخر البشر سرور کائنات سید المرسلین شافع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم
۲	بنت خاتون کبریٰ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا زوجہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
۳	ابن سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
۴	ابن حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ
۵	ابن حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ
۶	ابن حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
۷	ابن حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ
۸	ابن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ
۹	ابن حضرت سید محمد اکبر موسوی رضی اللہ عنہ
۱۰	ابن حضرت سید جعفری موسوی رح
۱۱	ابن حضرت سید محمد عزیز موسوی رح
۱۲	ابن حضرت سید احمد موسوی رح
۱۳	ابن حضرت سید محمد ابراہیم رضا شہید رح
۱۴	ابن حضرت سید عبد اللہ الملقب بہ مظلوم رح
۱۵	ابن حضرت سید موسیٰ المشتہر بہ امیر موسیٰ رح
۱۶	ابن حضرت سید امیر حسین الملقب بہ نور ظہور رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۷	ابن حضرت امیر ابو القاسم موسوی الملقب بہ دلنواز رحمۃ اللہ علیہ
۱۸	ابن حضرت امیر عزیز موسوی الملقب بہ جان باز رحمۃ اللہ علیہ
۱۹	ابن حضرت امیر حمزہ موسوی الملقب بہ کن فیکون رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۰	ابن حضرت سید امیر کلان معروف بہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۱	ابن حضرت امیر سلطان الملقب بہ امیر بزرگ رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۲	ابن حضرت سید امیر موسوی المشتہر بہ سید امیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۳	ابن حضرت امیر علی شاہ موسوی المعروف بہ حضرت ایشان رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۴	ابن حضرت امیر کلان شاہ المعروف بہ بابا شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۵	ابن حضرت امیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۶	ابن حضرت حاجی امیر احمد شاہ رح
۲۷	ابن حضرت امیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۸	ابن حضرت حاجی الحرمین سید میرک شاہ رح
۲۹	ابن حضرت سید عرب شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔
۳۰	ابن سید حسن شاہ مرحوم مصنف فسانۂ نگین عرف لشتر۔
۳۱	ابن سید مختار احسن موسوی رحمۃ اللہ علیہ۔
۳۲	ابن سید ظہور الحسن موسوی طول بقا مؤلف، تاریخ دربار دہلی و قومی پریس دہلی۔
۳۳	ابن حافظ سید ابو الحسن آدر سیر طول بقا۔

دستک درِ سلطانی پر

یہ کاغذی ہاتھ جن کی انگلیوں میں خدا تعالی کی اُس مخلوق کے احوالی نوشتے ہیں جنھوں نے نوعِ انسان کے مکمل کرنے میں حصہ لیا اور اپنی علمی ذہانت و قابلیت سے طبقہ نسواں کی مفروضہ ظلمت میں چار چاند لگا کر دکھائے۔ اُس حرمِ اعلیٰ کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ اُس سراپردہ ہمایوں کے دامنِ عاطفت کو تلاش کرتا ہے جو اس زمانے میں علم نوازوں کی دنیا میں نیرِ درخشاں ہے یعنے ظلِ سبحانی ہر ہائینس حضور علیہ حضرت بیگم صاحبہ اقلیم لازوال بھوپال۔

توقع ہے کہ سلطانی دروازے پر یہ دستک مقبول ہوگی اور دستِ فیض پرور اس علمی یادگار کو اپنی حمایت میں منسوب ہونے کی عزت مرحمت فرمائیے گا +

امیدوار قبولیت
احقر الزمن سید ظہور الحسن مؤلف تاریخ دربارِ دہلی

مقام
صوبہ دہلی

فہرست مضامین مخدرات تیموریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امۃ الحبیب یا حمیدہ بانو بیگم

یہ عفت پناہ اور پاکدامن خاتون سلطان یزدانی کی عزیز اور پیاری بیٹی تھی جو خلیفہ بایزید کا ایک بہادر جرنل افواج تھا۔ یزدانی کے سلسلۂ نسب کے متعلق اگرچہ مورخوں نے کوئی یقینی اور کافی اطمینان کے قابل رائے قائم نہیں کی ہے۔ بعض نے تو اسے کاؤسی بتا کر سلسلۂ نسب کیخسرو شاہ کی نسل میں ملایا ہے۔ اور بعض نے کچھ اور لکھا ہے لیکن پھر بھی ایک محقق اور انصاف پسند مورخ صرف یزدانی کے چال چلن اور اطوار و عادات یا اسکے طبعی حالات مقامی تعلقات معاشرتی معاملات اور افعال کی طرف غور کر کے پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یزدانی گو کاؤسی تھا اس کا نسب کیخسرو سے نہ ملتا تھا مگر شرفاء ایران سے ضرور تھا۔ وہ نہ صرف ایرانی شرفاء میں عزت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ کاؤسی خاندان کے معزز اور شریف لوگ اس کی حد سے زیادہ عظمت کرتے اور اسکی شرافت اور جبروت کو دل سے تسلیم کرتے تھے۔ اس معنی کر امۃ الحبیب ایک معزز اور شریف خاندان کی عورت تھی۔ اور تعجب نہیں کہ اسکی پیدائش خاندان کیخسرو میں ہوئی ہو جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے۔ امۃ الحبیب کا باپ یزدانی اگرچہ اصل میں آتش پرست تھا اور بظاہر زرتشتی مذہب نیز دساتیر کا پابند تھا لیکن آخر میں نہ کسی کی تلقین و وعظ سے بلکہ صرف عقل خداداد اور فطرت سلیمہ کے مفید کرشموں سے مسلمان ہو گیا۔

جب خلیفہ دوم جناب فاروق اعظم ملک ایران پر حملہ آور ہوئے ہیں تو اسوقت سے اکثر ایرانی خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور زرتشتی مذہب کی بنیاد نہایت کمزور اور سست پڑ گئی تھی چنانچہ امۃ الحبیب کے خاندان کے بھی کثیر التعداد لوگ مسلمان ہو گذرے تھے یزدانی بیشک کسی کے تلقین سے مسلمان نہیں ہوا۔ بلکہ لڑکپن کے ہی زمانے میں ہوش سنبھالتے ہی زرتشتی مذہب اور آتش پرستی کا طریقہ اسکے نزدیک مشتبہ تھا۔ وہ آتش پرستوں کے مذہبی اصول پر بڑی سرگرمی سے نکتہ چین تھا اور اس مذہب کے پیروؤں کو بڑی حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا اکثر اوقات غیر اقوام سے مذہبی مباحثے کیا کرتا تھا اور مذہب حقانی اور شریعت آسمانی کی تلاش میں مختلف مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا کبھی موسوی شریعت کو ٹٹولتا۔ انجام کار رفتہ رفتہ ان مباحثوں

اور مشغلوں کی یہانتک نوبت پہنچی اور اس تحقیق کا نتیجہ نکلا کہ وہ بلا تامل اسلامی دنیا میں آگیا۔
امۃ الحبیب کی ماں نے جب دیکھا کہ شوہر مسلمان ہو گیا تو وہ اُسکے ساتھ ہی بطیب خاطر مسلمان ہو گئی
اُس وقت امۃ الحبیب کی عمر تقریباً گیارہ سال کی تھی۔ گو ابھی بچہ ہی تھی اور عام طور پر دیکھا جاتا ہے
کہ گیارہ برس کے بچے کسی بات کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف نہیں ہوتے مگر امۃ الحبیب کی
خلقت اور فطرت اُسکے بالکل متغائر تھی یعنی خداداد عقل اور ذہن رسا تھا کہ بے سوچے سمجھے
کبھی کوئی بات ہی نہ کرتی اور ہمیشہ فطرت کی اصلیت اور اشیاء کے حدوثی اسباب میں سوچنے اور بات
کی تہہ تک پہنچنے کی نہایت سرگرمی کیساتھ کوشش کرتی اور اپنے غور کے نتیجے سے عمدہ نتائج نکال لیتی
تھی امۃ الحبیب نے جب دیکھا کہ میرے ماں باپ مسلمان ہو گئے تو سخت پریشان ہوئی اور متواتر چند
روز تک دریائے فکر میں غوطہ زن رہی اور ہر بات کے اصلی پہلوؤں پر غائر نظر ڈالتی اور نتیجے کو
کرید کرید کر نکالتی تھی لیکن جونہی یزدانی اور اسکی بیوی نے اپنی ہونہار اور ذی شعور لڑکی کو
پریشان دیکھا تو نہایت ہی شفقت کے لہجہ میں کہا کہ پیاری امۃ الحبیب تم ہرگز کسی بات کا
خیال نہ کرو ہم کبھی تم پر زور نہ ڈالیں گے کہ مسلمان ہو جاؤ بلکہ تم اپنی طبیعت کی مختار ہو چاہو زرتشتی مذہب
پر چلو اور چاہو ہمارے ایمان کو دیکھ کر مسلمان ہو جاؤ غرضکہ ہم تمہیں تمہارے خیالات میں کبھی پابند کرنا
نہیں چاہتے۔ اور کسی بات میں کبھی تمہیں مجبور نہیں کر سکتے۔ امۃ الحبیب نے والدین کی یہ مشفقانہ
اور مسرت انگیز تقریر سنکر بہت خوش ہوئی اور اب وہ بڑی آزادی کے ساتھ زرتشتی اور اسلامی مذہب
کے اصول محققانہ طور سے دریافت کرنے لگی اُسنے پورے دو سال اسی مذہبی تحقیق میں صرف کئے
جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی انجام کار تیرہ برس کی عمر میں مسلمان ہو گئی۔

امۃ الحبیب کے والدین اُسکے مسلمان ہونے سے بہت خوش تھے کیونکہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا
تھا کہ کسی کے جبر یا کسی طرح کی امید و طمع کے خیال سے مسلمان نہیں ہوئی ہے بلکہ خود سوچ سمجھکر
اسلام قبول کیا ہے۔ امۃ الحبیب کا کوئی بھائی نہ تھا اسلئے یزدانی کو کمال اشتیاق اور شوق تھا کہ وہ اپنی
تمام دلی آرزوؤں اور ارمانوں کو اسی سے پورا کرے یہی وجہ تھی کہ وہ اُسے مردانہ لباس پہنایا کرتا
تھا اور لڑکوں کی طرح ہر قسم کی علمی اور سپاہیانہ تعلیم دلوایا کرتا تھا۔ اول گھوڑے پر چڑھنا سکھایا پھر تیراندازی
کی تعلیم دلوائی غرضکہ جسقدر علوم و فنون سپہگری کے تھے وہ سب امۃ الحبیب نے اپنے مہربان باپ کی
کوشش سے حاصل کر لئے اور اب اسمیں پوری جوانمردی اور فوجی افسر بننے کی قابلیت آگئی۔

اُس وقت امۃ الحبیب کو علماء و فضلا کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ملتا تھا اُسکے اخلاقی خیالات ایسے

اچھے تھے کہ ہر شخص اُس سے بہ محبت پیش آتا اور تمام مسلمان رئیس اُسکی ذاتی قابلیتوں کی وجہ سے اُسکی
صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے مگر یہ اپنے عزیز اور بیش قیمت وقت کو کرد خلیفہ کی اولاد میں صرف کرنا پسند کرتا
تھا اور وہ بھی اسکی نیک نیتی و فیوض کے باعث اُسے دل سے چاہتے تھے خلیفہ کے بچے اور امتہ الحبیب اس طرح
باہم شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کرتے تھے جیسے ایک شریف گھر کے سگے بھائی بہن رہتے ہیں -

امتہ الحبیب کو تعلیمی ترقی میں کوشش کرنیکا زیادہ موقع نہیں ملا لیکن اُس نے پھر بھی صرف خلیفہ
کے بچوں کی صحبت میں تحصیل علم میں وہ حیرت انگیز اور نمایاں ترقی کی کہ اگر گھر میں تعلیم دیجاتی تو
کبھی اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکتی - ازاں بعد امتہ الحبیب مدرسہ سلطانیہ حربیہ میں بھرتی ہوئی
اور یہاں اُسنے اپنی فطری لیاقت اور جودت ذہن کی بدولت بہت تھوڑے عرصہ یعنی صرف
سوا مہینے میں جنگ کے تمام اصول سیکھ لئے اور اپنے ہمعصر فوجی نوجوانوں میں بنظر وقعت دیکھی
جانے لگی اسی اثنا میں مختلف شہزادوں نے نکاح کے پیام اُسکے پاس بھیجے مگر اُسنے فوراً انکار کر دیا
کیونکہ اُسے مختلف صحبتوں میں رہنے - نیز اُسکے ذاتی تجربے نے معلوم کرا دیا تھا کہ عورت اپنی
شادی کر کے بالکل قیدی جانور کی طرح سمجھی جاتی ہے اُسکے تمام انسانی حقوق تلف کر دیے جاتے ہیں اور
اُسے پھر کبھی آزادی نصیب نہیں ہوتی - نیز اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُن بیویوں کو سخت جگر خراش مصائب اور
جانگداز تکالیف کی برداشت کرنی پڑتی ہے جنکے خاوند بد اخلاق اور بد سرشت نکلتے ہیں -

یزدانی کے پاس بھی اس قسم کے بہت سے پیغام آئے لیکن اُس نے اپنی پیاری بیٹی کی ناپسند
طبیعت کا اندازہ کر کے ہر ایک شخص کو صاف جواب دیدیا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا بلحاظ
اصول اسلام وہ اپنی شادی کرنیکی آپ مختار ہے اسلئے میں ہرگز بھی جبر نہیں کر سکتا اُسے اختیار ہے جہاں
چاہے اپنی شادی کرے اور اسی میں میں بھی خوش ہوں جب امتہ الحبیب کی عمر ۱۹ برس کی تھی تو یہ اتفاقی بایزید
کی فوج میں بھرتی ہو گیا تھا اور چند ہی روز میں اپنی ذاتی کوششوں اور ہوشیاری و عقلمندی کی وجہ سے
اُسے بایزید کے یہاں وہ اقتدار و عروج حاصل ہو گیا تھا کہ ایک ایرانی النسل شخص ترکی افواج کا جنرل قرار
دیدیا گیا - امتہ الحبیب بھی اپنے باپ کے ساتھ ہی بایزید کے یہاں فوج میں ملازم ہو گئی تھی - اگرچہ بایزید
اول اول امتہ الحبیب جیسی نوجوان نوخیز اور نہایت حسینہ و جمیلہ لڑکی کو مردانہ لباس میں دیکھ کر ہچکچاتا
تھا لیکن پھر اُسکی بیدار مغزی اور ذاتی لیاقت نیز اُسکی پُر مغز عاقلانہ تقریر نے بایزید کے تمام خیالات
کو مٹا دیا اور اب بایزید نے نہایت آزادی اور خوشی کے ساتھ اُسے لفٹنٹی کا عہدہ دیدیا ہے
یہ امر سخت حیرت انگیز ہے کہ نوجوان امتہ الحبیب ۲۲ سال کی عمر تک جو عین شباب و غلبۂ جذبات

اور پُر جوش ولولوں کا عالم ہے اپنے ہمعصر فوجی نوجوانوں میں بالکل ویسی ہی ہے جیسے ایک سگے بہن بھائیوں میں بہن ہے اُسکی پاک اور بے لوث طبیعت میں کبھی نامبارک جوش اور نفرت انگیز ولولے کبھی نہیں اُٹھے گو وہ ایک نہایت حسین نوجوان نوخیز عورت تھی -

جب بایزید کی فوج کو کسی مہم پر جانے کا اتفاق پڑتا وہ اپنے فوجی افسروں کے امتحان کی غرض سے مصنوعی جنگ کا حکم دیدیتا تو شیردل امۃ الحبیب فوجی کام میں اگر مردوں سے اول نہ رہتی تو اُنسے کسی کام میں کم بھی نہ رہتی - بایزید اُسکی بہادری اور جرأت کی بیحد تعریف کرتا اور اپنی اولاد کی طرح اس سے محبت کرتا اور اس کی فوجی مشق دیکھکر کثیر التعداد رقمیں بطور انعام عطا کیا کرتا تھا - دفعتہً اسی اثنا میں بایزید کا تیمور سے مقابلہ ہوا اور چند خونخوار جنگوں اور خونریزیوں کے بعد بایزید کو شکست ہوئی اور امۃ الحبیب اپنے بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار کر لی گئی -

میں شہنشاہ تیمور اور بایزید کی اس خونخوار جنگ کے پورے واقعات لکھکر اپنے بیان کو زیادہ طول نہ دونگا البتہ وہ دلچسپ اور حیرتناک کارنامے ضرور قلمبند کرونگا جو امۃ الحبیب کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں اور جنسے ناظرین پر یہ بات بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے کہ یہ آزادی پسند خاتون اپنے تئیں تیمور جیسے قہرناک سلطان کے نکاح میں دینے کو کیونکر راضی ہو گئی اور اس نے ایک ایسے خونخوار اور وحشیانہ مزاج بادشاہ کی محکوم بنکر کس طرح اپنی زندگی بسر کی اُس نے اُس زمانہ میں جبکہ وہ ایک اولوالعزم شہنشاہ کی بیگم کہلائی جانے لگی تھی کیا کیا اور اُسوقت اُسکی کیفیت کیا تھی

الغرض اس فتح کے دوسرے ہی روز شہنشاہ تیمور نے حکم دیا کہ بایزید کی فوج کے جس قدر لوگ گرفتار ہو کر آئے ہیں سب قتل کر دیئے جائیں اس تیموری حکم کے نافذ ہوتے ہی امۃ الحبیب نے تیمور جیسے خونخوار اور ضدی بادشاہ کے سامنے آکر بڑی دلیری سے کہا کہ بادشاہ! مجھے حضور سے کچھ عرض کرنا ہے ہر چند کہ اسکا یہ معمولی اور سادہ فقرہ کچھ ایسا موثر نہ تھا اور تیمور جیسے قہار سلطان کے آگے اس قدر وقعت نہ رکھتا تھا کہ اُسکی توجہ اُسپر مبذول ہوتی لیکن پھر بھی چند ندیموں اور ارکان سلطنت کی سفارش کرنے سے اُس نے اس دلیر و جری خاتون کو جو مردانہ لباس میں بادشاہ کے سامنے کھڑی تھی پاس بلایا اور کہا کیا کہتا ہے -

امۃ الحبیب شہنشاہ کا یہ امید دلانے والا فقرہ سنکر آگے بڑھی اور نہایت متانت کے ساتھ کہا کہ اے امیر اسوقت جو کچھ میں عرض کرونگا اسپر صداقت اور آزادی پر مبنی ہو گا نہ میں کسی کی مصنوعی اور بناوٹی تعریف کرونگا نہ کسی کی نسبت جھوٹے الفاظ میری زبان سے نکلیں گے میری التجا ہے کہ تا وقتیکہ میں اپنے مافی الضمیر کا اچھی طرح اظہار نہ کرلوں تقریر کرنے سے بند نہ کیا جاؤں -

امۃ الحبیب کی اس پُرمغز اور عاقلانہ تقریر نے دربار کے ندیموں اور تمام ارکان سلطنت بلکہ خود امیر تیمور پر وہ پُر رعب اثر ڈالا کہ سبکے سب دم بخود ہوگئے اور نہایت استعجاب و حیرت سے کہنے لگے کہ یہ کوئی بڑا ہی دلیر اور بیباک شخص ہے جو ایسے خونخوار اور قہرناک بادشاہ کے سامنے اتنی بیخوفی اور سختی سے گفتگو کر رہا ہے اسکی باتوں سے ذرا بھی تواضع اور خلق نہیں پایا جاتا۔ اسوقت تیموری دربار کی عجیب و غریب کیفیت تھی چاروں طرف خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا ہر شخص پر سکتہ کا عالم طاری تھا تیمور کو خود اسکی اس درشت مزاجی اور بیخوف گفتگو پر تعجب اور سخت حیرت تھی۔ انجام کار تیمور نے تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد گردن اُٹھائی اور اجازت دی کہ تجھے جو کچھ کہنا ہے کہہ میں امید دلاتا ہوں کہ اسوقت تو جو کچھ کہیگا میں اُسے بڑی خوشی کے ساتھ ہمہ تن گوش ہوکر سنونگا۔

امۃ الحبیب کو تیمور کی اس تسلی آمیز اجازت نے کسیقدر اور بھی دلیر کر دیا اور وہ اب پوری جرأت اور بیباکی سے یوں کہنے لگی اے بادشاہ! تو نے جو بایزید یلدرم پر چڑھائی کرکے صدہا بندگان خدا کی خونریزی کی اور تیرے لشکر کی خونریز تلواروں نے بڑی خونخواری کے ساتھ ہزاروں بیگناہوں کے تن بے سر کر دیئے خوب سمجھ لے کہ یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے جو قیامت تک تیرے گلے کا ہار رہیگا اور کبھی معاف نہوگا تو نے نہایت بے رحمی اور سخت بیدردی سے ہزار ہا بیگناہ ترکوں کو دھوکا دیکر سرنگ کے ذریعہ سے اڑا دیا اور اُنکے معصوم اور لاڈلے بچوں کو یتیم نا کردہ گناہ عورتوں کو بیوہ کر دیا میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ تو نے بہادر ترکوں کی خونریزی نہیں کی اُنکے خون کے بہتے دریا میں اپنے گھوڑے کے سُم نہیں بھگوئے بلکہ اسلام کی بیخ و بنیاد کو اکھیڑ کے پھینکدیا ہے حامیان اسلام اور جان نثار ترک تھے جنہوں نے سارے یورپ پر حملے کرکے اُنکو عاجز کر دیا تھا۔ یہی بہادر ترک تھے جنہوں نے تمام مخالف سلطنتوں کو زیر و زبر کرکے اپنے لیئے فاتحان قوم کا معززانہ خطاب حاصل کیا تھا بھلا کسی آسمانی شریعت یا ملکی قانون میں تو یہ بتا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اس بیرحمی اور ظلم کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ بایزید نے نہایت تواضع اور فروتنی کے ساتھ تجھے صلح کا پیام دیا اور ایک بیگناہ مخلوق کی جان بچانے کیلئے تجھ جیسے متکبر اور نخوت پسند شخص سے بلجاجت پیش آیا مگر تو نے اُسپر بالکل توجہ نکی اور اُسکے جواب میں یہ مغرورانہ تحریر بھیجی کہ تاوقتیکہ میں تیرے ملک پر فتحیاب نہونگا میرا نام فاتحان کے دفتر میں کبھی درج نہیں ہوسکتا اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ایک نہ ایکدن تیری عمر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک جانیوالا ہے یعنی تجھے ضرور مرنا ہے اور اس عالم کو چھوڑ کے رب الافواج کے سامنے کھڑا ہونا ہے پھر تو ہی بتا کہ جب وہ ان مظلوم بیگناہ کشتوں کی بابت تجھ سے عتاب آمیز سوال کریگا تو تو کیا جواب دیگا۔ میں اپنے تیجہ بات کی بابت زیادہ بحث کرنا پسند

نہیں کرتا صرف اسقدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھلا آجتک کبھی مظلوم قیدیوں پر بہادر ذکی تلواریں اُٹھی ہیں۔ ہم بیکس قیدی ہیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یہ نہایت ہی بزدلانہ اور نفرت انگیز فیصلہ ہے کہ تو ہمیں اس حالت بیکسی میں گردن مارے جانے کا حکم دیتا ہے۔

امۃ الحبیب اس سلسلہ تقریر کو ختم کرکے اپنا ہاتھ سر تک لیگئی اور اپنا آہنی خود اُتار کر زمین پر رکھدیا اور ایک نہایت کرخت لہجہ میں کہا اے سلطان! دیکھ کہ میں ایک ناتجربہ کار عورت ہوں تو مجھی سے اس بات کو بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قوم کی عورتیں ایسی بیباک اور بہادر ہوتی ہیں اُسکے مرد کیسے بیخوف اور دلیر ہونگے

امۃ الحبیب کو قدرت نے صورت ہی ایسی دی تھی کہ ممکن نہ تھا کہ کوئی اُسے دیکھے اور دیکھتا نہ رہجائے یہی تیمور نے اُسے دیکھا دیکھتے ہی بھڑک گیا اور اس کی اس بیخوف اور گستاخانہ گفتگو پر حیرت زدہ ہوگیا۔

اگرچہ امۃ الحبیب کی یہ تقریر نہایت ہی بیباک اور سخت تھی بالخصوص ایک خونخوار اور قہرناک سلطان کی بابت اور اُسی کو مخاطب کرکے۔ مگر تیمور نے بڑی منکسر المزاجی اور اخلاق کے ساتھ کہا اے بہادر دلیر خاتون تو نے جو کچھ اپنی اس تقریر کے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے سب درست اور بجا ہے لیکن واقعی بات یہ ہے کہ مختلف فتوحات کی دلچسپی نے وہ نئے نئے سامان پیدا کردیے ہیں جنہوں نے اصلی واقعات کو مٹا دیا جا میں نے تیرا اور تیرے جان نثار قیدیوں کا خون معاف کردیا۔

یہ سنتے ہی امۃ الحبیب نے بادشاہ کو سلام کیا اور مع اپنے ہمراہیوں کے لشکر بایزید میں جا ملی اُسکے جانیکے بعد تیمور نے یزدانی کے پاس نکاح کا پیام بھیجا۔ اول تو وہ یہ سوچکر کسی قدر متامل ہوا کہ تیمور انتہا سے زیادہ تیز مزاج بادشاہ ہے مبادا امۃ الحبیب کو اُس سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے مگر جب اُسنے خود امۃ الحبیب ہی کی مرضی اس طرف مائل پائی تو فوراً قبول کرلیا۔

تیمور یہ سنکر کہ یزدانی نے اُسکے پیام کو بخوشی منظور کرلیا بہت خوش ہوا اور دوسرے ہی روز اپنے ہمراہ گیارہ ہزار فوجی بہادروں کا مجمع لیکر جبل الطیر کے وسیع میدان میں نکاح کرنے گیا۔ یہاں یزدانی نے ایک نہایت عظیم الشان خیمہ جسمیں تقریباً اسقدر آدمیوں کی اچھی طرح گنجائش ہوسکتی تھی ایک بلند سطح پر استادہ کیا اور جب تیمور اس خیمہ کے قریب پہنچا تو یزدانی اور اُسکے ساتھ بہت سے فوجی افسروں نے بڑے جوش و مسرت کے ساتھ اُسکا استقبال کیا اور ایک نہایت ہی مکلف اور بیش قیمت فرش پر بٹھایا تیمور نے امۃ الحبیب کے مہر میں ملک چین لکھا اور قاضی نے معمولی خطبہ پڑھکر دونوں کا نکاح باندھ دیا یزدانی نے اپنی وسعت و گنجائش کے موافق اپنی پیاری بیٹی کو بہت کچھ جہیز دیا اور چند الوداعی نصیحت آمیز کلمات کہکر رخصت کردیا امۃ الحبیب شاہی محل میں داخل ہوئی اور اسوقت سے حمیدہ بانو بیگم کے نام سے پکاری جانے لگی۔

حمیدہ بانو بیگم کے علاوہ تیمور کی تین بیگمیں اور بھی تھیں مگر تمام بیگمات میں نسبتہً یہ تیمور کی بہت
پیاری بیوی تھی اُس نے اپنی ظاہری خوبصورتی اور حسن و جمال ہی سے تیمور جیسے سخت سلطان کا
دل اپنی طرف مائل نہیں کیا تھا بلکہ اپنی روشن دماغی اپنی بیدار مغزی اپنے پاکیزہ اخلاق و عادات اور شائستگی
و تہذیب کی وجہ سے نہ صرف بادشاہ کو بلکہ حرم سرا کی تمام بیگموں کو اپنا فریفتہ کر لیا تھا اس نے تقریباً
کل حرم سرا میں وہ ہر دلعزیزی اور رسائی پیدا کر لی تھی کہ ہر ایک بیگم اسکی عزت کرتی اور محبت سے پیش
آتی تھی۔ اُمور جہاں بینی و حسن کار گزاری اور عمدگی بادشاہ اکثر اوقات ملکی اور جنگی معاملات میں اس سے مشورہ
لیتا اور جو کچھ یہ مشورہ دیتی اکثر اُسی کے مطابق عمل میں لاتا۔ جب تک تیمور زندہ رہا یہ ہر خطرناک مقام پر اسلحہ
سے آراستہ ہو کر اس کے ساتھ رہتی اور میدان جنگ میں عین مقابلہ کے وقت جوانمردی کے بڑے بڑے
جوہر اور شجاعت کے حیرت انگیز نمونے دکھلایا کی۔

حمیدہ بانو بیگم ترکی عربی فارسی زبان کے علاوہ چینی اور زرتشتی زبان بھی جانتی تھی اور مذہبی علوم میں
پوری اور کامل مہارت رکھتی تھی۔ دوسری عورتوں کی مانند جو قدرتی اشیا پر دلدادہ ہیں حمیدہ بانو بیگم بھی
فن شاعری سے بہت کچھ دلچسپی رکھتی تھی اور یہ کہنا بالکل صحیح سمجھنا چاہیئے کہ حمیدہ بانو بیگم کی فطرت میں فن
شاعری کا قدرتی مادہ رکھا گیا تھا وہ اکثر اوقات ترکی اور عربی زبان میں اشعار موزوں کیا کرتی تھی
جن میں شستگی اور الفاظ کی بندش مطالب کی چستی اسے حاصل تھی اور شعرا میں بھی دلکش جانی جاتی تھی لیکن حمیدہ
بانو بیگم کے ہاں جس قدر اشعار ہوتے تھے وہ سب بیہودہ مبالغہ سے پاک و صاف ہوتے تھے اسکے اشعار
یا تو اخلاقی مضامین کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے یا بہادروں کی دلیرانہ کوششوں کی
تعریف میں ہوتے تھے وہ فضول شاعری یعنی حسن و عشق کے بے نتائج جھگڑوں کو اپنی فطرت اور
قومی طریقے کے بالکل منافی سمجھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُسکے اشعار میں نہ تو کسی قسم کے حسن کی تعریف
دیکھی جاتی ہے نہ عشق و محبت کے کرشموں کا سراغ لگایا جاتا ہے۔

یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ باوجود شعر گوئی کے شوق کے حمیدہ بانو بیگم نے کبھی اپنا زیادہ وقت اس میں
صرف نہیں کیا جب قصیدہ یا غزل کو کہنا چاہتی گھڑی دو گھڑی میں اُسے تیار کر لینا کوئی بات ہی
نہ تھی افسوس جو قصائد اور غزلیات اُس نے لکھی ہیں وہ ہمیں کسی تاریخ میں نہیں ملیں۔ ورنہ ناظرین کی
دلچسپی کا یہ بہت ہی اچھا موقع تھا۔

اسکی ترکی اور عربی انشا پردازی بڑے سلیقہ اور خوبی کے ساتھ تھی یہ اپنی حرم سرا کی بیگمات کے
نام مختلف زبانوں میں اپنے ہاتھ سے خطوط لکھتی بلکہ اُسکا منصبی فرض تھا کہ تمام سلطنت کے

افسروں اور عہدہ داروں کے نام جسقدر احکام اور فرامین صادر ہوتے تھے انہیں حمیدہ بانو بیگم ہی
اپنے ہاتھ سے تحریر کرتی تھی۔ نیز تیمور کے حضور میں جسقدر عرائض اور استغاثے یا یادداشتیں اور
رپورٹیں گزرتی تھیں اور جو روزانہ ہمیشہ سینکڑوں کی تعداد سے متجاوز ہوتی تھیں اُنکے متعلق احکام
تجاویز لکھ لیے خود ہی بیگم لکھا کرتی تھی - اُسکے کلام کی شیرینی عبارت کی چستی مطالب کی طرز بیانی الفاظ
کی بندش اس بلا کی ہوتی تھی کہ دیکھنے والے عش عش کر جاتے تھے غرضکہ حمیدہ بانو بیگم
جیسی فصیح و بلیغ اور عقل و تمیز کا پتلا تھی ویسی ہی اپنی تعجب خیز فیاضی اور حیرت انگیز خوش اخلاقی
میں بھی مشہور تھی ایک بہت بڑی قابل تعریف بات حمیدہ بانو بیگم میں یہ تھی کہ وہ اپنے فرائض بہ اس
جرأت اور آزادی کے ساتھ ادا کرتی تھی جسکی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے اس کا
جو وقت امور متذکرہ بالا کی تکمیل کے بعد باقی رہتا وہ یا تو انتظام خانہ داری اور تیمور کی خدمت
میں صرف ہوتا یا مختلف علوم کی کتب بینی میں اس وقت اسکی سب سے بڑی یادگار دو کتابیں ہیں جو
اس نے امیر تیمور کے انتقال کے بعد قسطنطنیہ میں بڑی محنت اور جانکاہی سے لکھی ہیں اور جن سے اسکی
ذاتی قابلیتوں اور فطری لیاقتوں کا کافی ثبوت مل سکتا ہے - ایک کتاب کا نام ترکی خواتین ہے اور
دوسری کا نام امیر تیمور کی فتوحات ہندیہ دونوں کتابیں درصل اُسکے اُن سفری مشاہدات اور کتب
بینی کی تحقیقات کا نتیجہ ہیں جسکو وہ وقتاً فوقتاً نوٹ کرتی گئی تھی -

ترکی خواتین کی تاریخ بہت بڑی صحیح کتاب ہے اس میں مخصوص ترکی شرفا کی خواتین کے اخلاق و عادات
طریق معاشرت مقامی تعلقات و باہمی میل جول شائستگی و تہذیب اپنے شوہروں کے ساتھ محبانہ برتاؤ
و انتظام خانہ داری کی کیفیت یہ تمام باتیں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ
عورتوں کو عموماً کونسی باتیں اختیار کرنی چاہئیں جن سے انکی خانہ داری کی انتظامی کیفیت تکمیل
پاسکے۔ اور وہ کونسی باتیں ہیں جنکے ذریعہ سے عورتیں اپنی ہمچشموں میں امتیازی نظروں سے دیکھی جانے کے
قابل ہوسکتی ہیں اور انکے خاوند انہیں ہمیشہ عزیز رکھتے ہیں

دوسری کتاب جسکا نام تیمور کی فتوحات ہند ہے ایک نہایت ہی عجیب و غریب اور معقول تاریخی
خزانہ ہے اسکے اول حصہ میں حمیدہ بانو بیگم نے اُن مورخوں کے متعصبانہ اور جاہلانہ اعتراضوں
بزدلانہ حملوں کو نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ معقول جوابات دئے ہیں - جنہوں نے ابتدائے
فتوحات سے امیر تیمور کی نتیجہ خیز پالیسی پر حملے کئے ہیں جو دلچسپ اور تعجبناک واقعات کہ تیمور کے متعلق اسمیں درج
ہیں کسی اور تاریخ میں بہت کم لکھے گئے ہیں اس کتاب کے تقریباً تین حصوں میں تو تیمور کے عادات

و اخلاق اور تمدنی و ملکی حالات اور ملک کے معاشرتی طرز پر بحث کی گئی ہے - اور آخری حصہ میں حمیدہ بانو بیگم نے نہایت ہی مجمل طور پر اپنی تاریخ زندگی کے واقعات درج کئے ہیں ان دونوں کتابوں کا اول فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا گیا - اور پھر فرانسیسی سے دوسری زبانوں میں کیا گیا -

حمیدہ بانو بیگم زرہ بکتر بنانا خوب جانتی تھی تیمور جس قدر زرہ بکتر معرکہ آرائی کے وقت استعمال میں لاتا تھا وہ سب اسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہوتی تھیں -

حمیدہ بانو بیگم بیشک اسلامی دنیا میں داخل ہو چکی تھی - مگر اصول اسلام کی پابندی میں سرگرم اور مستعد نہ تھی پنجگانہ نماز جو اسلام کا رکن اعظم بلکہ اسکی اصل اور جڑ قرار دیگئی ہے کبھی انہیں پابندی اور قید کے ساتھ ادا نکرتی تھی اور سب سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ باوجود مسلمان ہونے کے بھی کبھی کبھی حالت تنہائی میں اپنے سابق مذہب زرتشتی پر مائل ہو جاتی تھی اور چقماق جھاڑ کر آتش پرستی پر محو ہو جاتی تھی گویا اسلامی حالت میں بھی زرتشتی مذہب کی محبت کیلئے اسکے دل میں خاطر خواہ جگہ باقی تھی اس بات کا پورا اور کافی اندازہ کہ حمیدہ بانو بیگم کے دلمیں مذہب زرتشت کی محبت کا معمولی اثر اسلام کے بعد بھی موجود تھا اسی کے ایک خط سے ہو سکتا ہے جو اُس نے ایک مشہور و معروف شہزادہ آتش پرست کے نام لکھا تھا اور جسمیں اُس نے تمام مذہبی خیالات بڑی آزادی کیساتھ برملا کر دیئے تھے چونکہ ہمکو اس کی تحریر کیلئے اُس خط میں ایک خاص قسم کا تعلق ہے اسلئے ہم اس خط کو یہاں نقل کرنا غالباً از لطف نہیں خیال کرتے

وہ لکھتی ہے! جناب کا خط آیا - حضور نے جو میری انقلاب حالت اور موجودہ خیالات پر ملال و افسوس ظاہر کیا ہے میں نہیں سمجھتی کہ اُسکا کیا جواب دوں آپکا یہ تحریر کرنا کہ میں امیر تیمور کی بیگم بنکر اسلامی دنیا میں داخل ہوئی یقینی طور پر نادرست ہے کیونکہ میں شہنشاہ تیمور کی بیگم بننے سے پیشتر ہی نہ کسی کے کہنے سننے یا جبر و طمع سے بلکہ خود اپنی مرضی اور طبیعت سے مسلمان ہو چکی تھی اب رہی یہ بات کہ تو کیوں مسلمان ہو گئی اور مذہب اسلام میں کونسی ایسی خوبی اور قابل تعریف بات دیکھی جسپر تو فریفتہ ہو کر مقدس زرتشت اور اُسکے قدیم مذہب سے کنارہ کش ہو گئی - نہایت ہی نازک اور دقت آفرین ہے جسکے جواب میں میں بجز اسکے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ میرے دل کا طبعی میلان خود بخود اس طرف ہو گیا - اور دل پر کبھی کسی انسان کا بس نہیں چلسکتا باقی رہا یہ سوال کہ زرتشت کی محبت و عزت کا اثر میرے دلمیں باقی ہے کہ نہیں اور مذہب آتش پرستی کی وقعت میری نگاہ میں ہے یا نہیں اسکے جواب میں میں آپکو یقین دلاتی ہوں کہ میں اب بھی زرتشت کی ویسی ہی عظمت کرتی ہوں جیسے زمانہ سابق میں کرتی تھی -

حمیدہ بانو بیگم کی خوبصورت اور روشن تصویر میں یہ ایک ایسا تاریک اور بدنما پہلو ہے جس سے اسلامی مورخوں کی نگاہ میں اُسکا اسلام مشتبہ نظر آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض عربی تاریخوں میں اُسے ملحدہ اور نیچرل خیالات کی عورت بتایا گیا ہے لیکن بایں ہمہ ہمیں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حمیدہ بانو بیگم اپنے زمانہ کی ایک نہایت ہی خلیق اور متواضع اور باحیا اور شجاع عورت تھی اور اُسے ہر قسم کے علوم و فنون سے بڑی دلچسپی حاصل تھی۔

حمیدہ بانو بیگم کی تاریخ زندگی میں بہت سے اس قسم کے واقعات دیکھے جاتے ہیں جو نہ صرف اسکی یادگار کے ذرایع ہیں بلکہ سرتاپا عبرتناک اور نصیحت انگیز ہیں جنسے صاف واضح ہوتا ہے کہ اگر آدمی ہر خطرناک موقع پر استقلال و ہمت کو استعمال میں لائے تو اپنے مقاصد میں کبھی ناامید نہیں ہو سکتا بڑا مشہور واقعہ قلعہ اصطخر کی عظیم الشان مہم اور خونخوار معرکہ آرائی ہے جو سلطان تیمور کی زندگی ہی میں پیش آیا اور حمیدہ بانو بیگم کی مردانہ ہمت سے سر ہوا۔ قلعہ اصطخر کا گورنر ایک شخص شریف حسن نامی تھا جو تیمور کی طرف سے اُس پر قابض و متصرف تھا۔ ابتدا میں اگرچہ یہ ایک سیدھا سادہ شریف آدمی معلوم ہوتا تھا مگر جوں ہی اصطخر کا گورنر مقرر ہوا اُس نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلائے اور بغاوت پر آمادہ ہو گیا مورخوں کا بیان ہے کہ شریف حسن در اصل بڑا ہی چالاک اور فریبی تھا۔ جو اپنی شریر النفسی اور پلید ارادوں سے تیمور جیسے سنجیدہ شہنشاہ کے ماتحت رہنا پسند نہ کرتا تھا اور مستقل طور پر اصطخر کی حکومت اپنے قبضہ میں لانا چاہتا تھا چنانچہ رفتہ رفتہ اسنے اپنے بعض خود سر ندیموں کی حرارت اور اشتعال دلانے سے اُس نے خود سری اختیار کی اور بغاوت کی آگ بھڑکانے میں بڑی سرگرمی دکھائی۔

جب تیمور کو اس بات کی اطلاع ہوئی کہ قلعہ اصطخر کا گورنر باغی ہو گیا اور بعض شریر آدمیوں کے اشتعال سے اُسنے خودسری اختیار کی تو اُسکے تن بدن میں غصہ کی آگ بھڑک گئی اور فوراً جنگ کا حکم دیدیا یہ سنتے ہی جوشیلی اور اولوالعزم حمیدہ بانو بیگم تیمور کے سامنے آئی اور گورنر اصطخر کے مقابلہ پر آمادگی ظاہر کی ہر چند تیمور نے انکار کیا لیکن حمیدہ بانو بیگم کے اصرار پر اُس نے بارہ ہزار فوج کی سرکردگی میں اُسے روانہ کیا حمیدہ بانو بیگم اس بہادر فوج کو ساتھ لیکر قلعہ اصطخر کی طرف روانہ ہوئی اور وہاں پہنچتے ہی نہایت نوازم کے ساتھ محاصرہ کر لیا محاصرہ کے بعد ایک خط اپنے قلم سے لکھا اور شریف حسن کی طرف روانہ کیا خط کا مضمون یہ تھا۔

شریف حسن کو معلوم ہو کہ تمنے جو یہ بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑکائی ہے اچھا نہیں کیا میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ اگر تم اب بھی اپنی سرکشی اور خودسری سے باز آ گئے تو شہنشاہ تیمور کے نزدیک تمھاری ویسی ہی توقیر و عظمت تسلیم کی جائیگی جیسی اس سے پیشتر تسلیم کیجاتی تھی اور اگر

تم نے صرف بعض مغرور اور نخوت پسند شہزادوں کے اشتعال سے آگ بھڑکانے کی کوشش کی تو پھر
تم خوب سمجھ لینا کہ بغاوت وسرکشی کا نتیجہ تمہیں بہت جلد مل جائیگا۔ تمہارے ساتھیوں کی مغرور
گردنیں توڑ کر زمین پر ڈال دی جائینگی اور تمہارا تن بے سر بہادروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پاش پاش
اور چور چور کر دیا جائیگا۔ اگرچہ میں عورت ذات ہوں لیکن اپنے ارادہ کی پوری ہوں میں نے
مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ جبتک جسم میں روح باقی ہے لڑائی سے منہ نہ موڑونگی۔ اور تاوقتیکہ تمہاری
نعش گھوڑوں کے سموں کی ٹاپوں میں نہ دیکھ لونگی صلح پر آمادہ نہ ہونگی میں مخلوق خدا کی
خونریزی سے اپنی خونخوار تلوار کو رنگین کرنا ناپسند جانتی ہوں اور یہی وجہ ہے کہ باصرار تم سے
کہتی ہوں کہ اپنی اس غلط کاری اور ناعاقبت اندیشی پر متنبہ ہو جاؤ۔ باقی والسلام

جوں ہی شریف حسن کے پاس یہ خط پہنچا اسے حمیدہ بیگم کو دھوکا دینے کا اچھا خاصہ موقع مل گیا اسی وقت ایک
بلجاجت آمیز عرضی حمیدہ بانو بیگم کی خدمت میں باین مضمون روانہ کی آپکے غلام کا سر حاضر ہے چاہے
اُسے تلوار سے کاٹ کر فتراک میں باندھیئے چاہے تاج بخشی کیجیئے خدا گواہ ہے کہ نہ میں باغی ہوں نہ میں نے
بغاوت کی آگ بھڑکانے میں کوشش کی ہے۔ البتہ بعض پیچیدہ معاملات ایسے درپیش ہیں جنہوں نے
میری بغاوت کا مصنوعی اعلان دیدیا ہے اور بالفرض اگر مجھ گردن زدنی سے کوئی اس قسم کی بات
وقوع میں بھی آئی ہے تو میں اُس کی معافی کی درخواست کرتا ہوں۔ غلام سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ
آپکی حکم عدولی کرے۔ یا فرمان حضور سے سر مو تجاوز کر جائے کل حضور کیلئے قلعہ کا دروازہ کھولدیا
جائیگا اور غلام بھی دست بستہ حاضر خدمت ہوگا۔

حمیدہ بانو بیگم شریف حسن کا یہ جواب پاتے ہی اپنی خوش نصیبی پر اُچھل پڑی اور سمجھی کہ اس فتحیابی کے
بعد تیمور کی نظروں میں میری اور بھی عظمت زیادہ ہوگی۔ لیکن افسوس یہ اُسکی خوشی عارضی اور بہت
تھوڑی دیر کے لئے تھی حمیدہ بانو بیگم تو پھر بھی عورت تھی۔ خواہ کیسا ہی جہاندیدہ اور تجربہ کار مرد ہوتا
ضرور ایسے موقع پر دھوکے میں پڑ جاتا۔ درحقیقت اگر حمیدہ بانو بیگم شریف حسن کی ان چکنی چپڑی باتوں پر
نہ جاتی اور خود اسی طرح ہوشیار رہتی تو جن مشکلوں اور مصیبتوں کا آئندہ سامنا کرنا پڑا ہے انسے بچ جاتی
شریف حسن کی اس عرضی سے تیموری لشکر اور خود بیدار مغز حمیدہ بانو بیگم کو کافی اطمینان ہو گیا
تھا یہی وجہ تھی کہ رات کو ساری فوج باطمینان پڑی سوتی تھی اور جو لوگ خاص حمیدہ بانو بیگم کے خیمہ کے
پہرہ دار تھے وہ بھی بیخبری اور غفلت کی حالت میں تھے۔ اسی بیخبری اور غفلت کیوقت شریف حسن نے
ایک بہت بڑا شبخون مارا رات کے ٹھیک دو بجے جبکہ چاروں طرف سخت تاریکی اور خاموشی کا سناٹا

چھاپا مار رہا تھا۔ باغی فوج بجبروں پر حملہ آور ہوئی خوش قسمتی سے حمیدہ بانو بیگم اسوقت امیر تیمور کے نام
خط لکھ رہی تھی کہ دفعۃً گھوڑوں کے سموں کی آوازیں کان میں پہنچیں اُس نے فوراً پہرہ دار کو اطلاع کر دی
کہ یہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی کیسی آوازیں ہیں۔ پہرہ والے سپاہی نے بھرائی آواز میں کہا حضور فریبی اور
دغاباز عظیم کی فوج آپہنچی۔ سپاہی کی اس وحشتناک آواز سے حمیدہ بانو بیگم کے ہوش و حواس جاتے رہے
اور اب وہ اپنے پریشان حواس کو جمع کرکے مسلح ہونے پر مستعد ہو گئی ہنوز فوجی لباس سے آراستہ ہوئی تھی
کہ شریف حسن کی فوج نے آ کے خیمہ کا محاصرہ کر لیا۔ اب پہرہ والا نہایت خوفناک آواز میں چلایا کہ عظیم نے
خیمہ کو گھیر لیا یہ سنتے ہی حمیدہ بانو بیگم کے اوسان جاتے رہے اور اُس نے یقین کر لیا کہ میں تھوڑی
دیر میں دشمن کے ہاتھ گرفتار کر لی جاؤں گی۔ مگر پھر بھی وہ اپنی جوانمردی سے اپنی اسی مردانہ ہمت
اور جوش استقلال پر قائم رہی فوراً مسلح ہو کر خیمہ سے باہر آئی دیکھا کہ میری ساری فوج حالت غفلت
میں قتل ہو رہی ہے اور عظیم کی فوج کے ایک بڑے دستے نے میرا خیمہ گھیر لیا ہے اسوقت حمیدہ بانو بیگم
بالکل تنہا تھی اور کوئی اُسکا یار و مددگار نہ تھا یہ ایک ایسی مصیبت کا وقت تھا کہ کیسا ہی بہادر اور شجاع شخص
ہوتا اُسے اپنی جان بچا کر بھاگتے ہی بن پڑتا لیکن اس بہادر خاتون کی حمیت نے گوارا نہیں کیا
کہ یہاں سے بھاگ کر چلی جاسکے اور تمام لشکر کٹوا ڈالے۔ اس نے نہایت استقلال سے للکار کر آواز دی
کہ او فریبی دغاباز شریف حسن آگے بڑھ سامنے آ اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا۔ یہ سنکر ایک نوجوان سوار
جو شریف حسن کا بڑا بیٹا تھا آگے بڑھا اور گستاخانہ آواز میں کہا بیگم صاحبہ آپ محاصرہ میں آگئی ہیں
اب آپکا جانبر ہونا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ اگر آپ مجھے بجائے اپنے شوہر کے سمجھیں تو ابھی محاصرہ اٹھا
دیا جائے اور آپ کو عزت اور توقیر سے قلعہ اٹک کی حکومت دیدی جائے۔ اس بات کو حمیدہ بانو بیگم سنکر
بہت ہی برہم ہوئی اور فوراً ترکش سے ایک تیر نکال کر ایسا مارا کہ وہ گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ اسی اثناء میں
حمیدہ بانو بیگم نے اپنی باڈی گارڈ کو زور سے آواز دی۔ باڈی گارڈ کے سپاہی تعداد میں کل پانسو
تھے جو اس خوفناک میدان میں اپنی بیگم کو چاروں طرف دیکھتے پھرتے تھے حمیدہ بانو بیگم اس آواز میں
ناکامیاب ہوئی۔ دوسری آواز دینے کا ارادہ تھا کہ شریف حسن ایک زبردست سواروں کے
گروہ سے اس تنہا عورت پر آپڑا۔ درحقیقت یہ ایک نہایت نامردی اور بزدلی کا حملہ تھا جو شریف حسن نے
حمیدہ بانو پر کیا مگر واہ رے بیگم تیرا استقلال کہ کس سنجیدگی اور شجاعت سے آگے بڑھی اور مخالف
کی اس کثیر التعداد فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی۔

شریف حسن نے اپنی فوج کو حکم دیدیا تھا کہ جہاں تک بن پڑے اس بہادر خاتون کو زندہ گرفتار

کرلیا جاسکے اور تا وقتیکہ میں حکم نہ دوں کوئی حملہ آور نہ ہو - یہ حکم حمیدہ بانو بیگم کے حق میں بہت اچھا تھا ورنہ اگر باغی فوج کا ایک دستہ اسپر تیر برساتا ہوا حملہ کرتا تو تنہا حمیدہ بانو بیگم کا نام نشان بھی نہ پایا جاتا حمیدہ بانو بیگم نے باغی فوج کا ایک گروہ اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو گھوڑے کی باگ روک کر کھڑی ہو گئی اور جب فوج اسپہ حملہ آور ہونے سے مائل ہوئی تو اُسے تعجب ہوا لیکن فوراً تاڑ گئی کہ ان کا منشاء مجھے زندہ گرفتار کرنا ہی یہ خیال کرکے خود اُنپر حملہ کرنا چاہتی تھی کہ شریف حسن نے دہشتناک آواز سے اپنے سواروں کو آواز دی کہ اے بہادرو ادہر آؤ - دشمن کی فوج نے پھر محاصرہ کر لیا - اسکا پریشان ہوکر واپس پھرنا تھا کہ حمیدہ بانو بیگم نے جھٹ پشت کی طرف سے باغی فوج پر حملہ کیا اور پُر رعب آواز میں چیخ کر کہا - او فریبیو ہوشیار ہو جاؤ - تمہارے فریب اور دھوکے کا نتیجہ ابھی ظاہر ہوا جاتا ہے دیکھو میری مدد کے لیئے اور بھی فوج پہنچ گئی ہے - وہ وقت نہایت ہی پُرجوش تھا جبکہ حمیدہ بانو بیگم نے چلاّ کر یہ لفظ زبان سے نکالے تھے - ادہر تو شریف حسن کی فوج میں اضطراب اور پریشانی پھیل گئی اُدہر حمیدہ بانو بیگم کی فوج سب طرف سے سمٹ سمٹا کر جنگ پر آمادہ ہو گئی حمیدہ بانو بیگم حریف کی فوج میں گھس گئی اُسنے بہت سے آدمیوں کو اپنی خونخوار تلوار سے مار کے گرا دیا اور جو قریب آیا موت کے گڑھے میں جا پڑا - دشمنوں کا غول پھٹ گیا اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی صبح تک برابر جنگ ہوتی رہی - حمیدہ بانو بیگم زخموں سے چور چور ہو گئی - مگر خوش قسمتی کی بات ہے کہ آخر بیگم کو فتح نصیب ہوئی -

حمیدہ بانو بیگم کو زخموں نے اس درجہ مجبور کر دیا تھا کہ وہ محاصرے کے اُٹھا دینے پر راضی ہو گئی چنانچہ اسنے فوج کو کوچ کا حکم دیا اور وہاں سے ہٹ کر تین میل کے فاصلہ پر موضع سلطانہ میں آ اتری یہاں زخموں کا علاج کرایا اور سخت تکلیف کے بعد چند روز میں اچھی ہو گئی - اگرچہ اس شبخون میں حمیدہ بانو بیگم کے تین ہزار پانسو پیدل قتل ہوئے اور کچھ زخمی ہو گئے تھے - مگر چونکہ ہنوز سامان رسد اُسکے پاس کافی تھا اسلئے اس جوشیلی اور اولوالعزم خاتون نے پھر قلعہ اصطخر کی طرف رُخ کیا اور قلعہ کے قریب پہنچتے ہی چھ سات میل کے فاصلہ سے باغی فوج سے مقابلہ کیا دس روز تک بڑی زور و شور کی لڑائی رہی اور گیارہویں دن حمیدہ خاتون نے قلعہ فتح کر لیا - شریف حسن عین میدان جنگ میں قتل ہوا - اُسکی بیوی بچے زندہ گرفتار ہو گئے حمیدہ نے اُنکے ساتھ رحیمانہ برتاؤ کیا اور قلعہ اصطخر اپنے ایک معتبر فوجی افسر کی تفویض میں کرکے تیمور کے پاس چلی آئی -

حمیدہ بانو بیگم کے علاوہ تیمور کی تین بیگمیں اور بھی تھیں جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں - لیکن دو بیگمیں تیمور کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں صرف حمیدہ اور فخر النسا بیگم اسکے بعد زندہ رہی

تھیں۔ جب تیمور بیمار پڑا اور روز بروز اسکی بری حالت ہوتی گئی۔ تو حمیدہ بانو بیگم نے تیمور سے کہا حضور
میرے لئے کیا حکم ہوتا ہے۔ تیمور چونکہ جان کندنی کی حالت میں تھا اس لئے اُس نے حمیدہ کی بات کا
فوری کوئی جواب نہیں دیا لیکن بہت تھوڑے عرصے کے بعد اس نے حواس بجا کرکے کہا پیاری حمیدہ! میں اپنی زندگی
ہی میں یہ حکم دیتا ہوں کہ میرے انتقال کے بعد تم تخت نشین کیجاؤ۔ لیکن جب تیمور کا انتقال
ہو گیا تو بیگم کا سوتیلا بیٹا میران شاہ ایک خونخوار کشت و خون کے بعد سلطان بنایا گیا اُس وقت یہ بیچاری
خاتون بہت سا زر و جواہر ساتھ لیکر سیدھی شہر طفلس کو چلی گئی۔ شہر سمرقند سے ۲۳۴ میل کے فاصلہ پر ایک
شہر اترار نام آباد تھی جہاں امیر تیمور بیمار پڑا اور وہیں انتقال کر گیا۔ اسکا مقبرہ سمرقند میں ہے۔ تیمور نے کل
۳۶ برس فرمانروائی کی۔ اور ۸۰۷ ہجری میں اکہتر برس کی عمر کو پہنچکر راہ فنا میں گامزن ہونے پر مجبور ہوا
امیر تیمور کی تاریخ ولادت اور تاریخ سلطنت نیز تاریخ وفات سب باتیں رباعی ذیل سے ظاہر ہوتی ہیں۔

رباعی: سلطان تیمر آنکہ مثل او شاہ نبود ❊ در ہفت صد و سی و شش آمد بوجود

در ہفتصد و ہفتاد و یک کرد جلوس ❊ در ہشت صد و ہفت کرد عالم بدرود

حمیدہ بانو بیگم کے یہاں تیمور سے سات بچے ہوئے لیکن وہ بچے سب شیر خواری ہی کی حالت میں
مر گئے کوئی بال بچہ نہ تھا جس سے اُسکا دل بہلتا۔ اب شب و روز کتب بینی کے علاوہ اس کا اور کوئی
مشغلہ نہ تھا جسطرح تیمور کے یہاں اُسنے کبھی پردہ نہیں کیا اسی طرح اب بھی نہایت آزادی کے ساتھ
پھولوں جنگلوں بازاروں میں گھوڑے پر سوار ہوکر سیر کرتی پھرتی تھی۔ اگرچہ بعض بعض خودغرض لوگوں نے
میران شاہ سے دق ہوکر حمیدہ کے پاس متواتر اور پے در پے بہت سی عرضیاں بھیجیں کہ اگر آپ اس
طرف تشریف لانیکا ارادہ کریں تو ہم میران شاہ کو قتل کرکے تیمور کی وصیت کے مواقف آپکو سلطانہ بنائیں
مگر اس فیاض خاتون نے سلطنت کی پروا نہ کی اور انھیں صاف لکھ دیا کہ اگر دین و دنیا کی سرخروئی
چاہتے ہو تو اپنے آقا کے حکم پر گردن تسلیم خم کئے رہو۔"

الغرض حمیدہ بانو بیگم ایک عرصہ تک طفلس میں قیام پذیر رہی اور وہاں کا خوشنما منظر اسے بہت
بھلا معلوم ہوا اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ حیات مستعار کا باقیماندہ حصہ یہیں صرف کر دوں
اور اسی خیال سے اُس نے کوہ کرنی پر اپنی بباست کیلئے ایک نہایت عالیشان اور خوشنما عمارت
تیار کرائی۔ لیکن خوبی قسمت سے یہاں چند ایسے پیچیدہ معاملات پیش آئے اور بہت سی ایسی نفرت
انگیز خبروں نے حمیدہ کی نسبت اشاعت پائی جس سے حمیدہ بانو کو مجبوراً طفلس چھوڑ کر باطوم
جانا پڑا اور پھر وہاں بھی اُسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ انجام کار یہ باطوم میں بھی نہ ٹھہری اور

سیدھی قسطنطنیہ روانہ ہوگئی اور یہیں اُس کا انتقال ہوا۔

جسوقت حمیدہ بانو بیگم کا انتقال ہوا۔ تو زر و جواہر اور نقد وجنس سے اُسکے پاس کچھ باقی نہ تھا البتہ ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو مرتے وقت وقف کرگئی تھی۔ اس کتب خانے میں مختلف علم کی کثیر التعداد کتابیں موجود تھیں جنمیں زیادہ تعداد اُن کتابوں کی تھی جو علم ہیئت اور تاریخ سے تعلق رکھتی تھیں اس مشہور اور فیاض خاتون کی عمر کا پیمانہ پورے ۷۱ برس کی عمر میں لبریز ہوکر چھلک گیا یعنی ایک معمولی بخار نے اُس جفاکش کی قابل رحم روح کو اپنی قاتل مٹھی میں دبالیا اور مجبوراً اُسے راہ فنا کا رستہ لینا پڑا۔

اگرچہ ہمارے اس تذکرے سے میراں شاہ کے ذکر کو کسی قسم کا تعلق نہیں ہے لیکن چونکہ اُسکی والدہ کے تذکرہ میں ہماری تاریخ کا کچھ حصہ شامل ہے اسلیئے یہاں اختصار کیساتھ اُسکا قصہ درج کرتے ہیں اسکا نام

فخرالنسا بیگم تھا جو عربی النسل اور صوبہ سینا کی باشندہ تھی۔ ابھی اُسکی آٹھ سال کی عمر تھی کہ اُسکے والدین نے قاہرہ کے ایک امیر کبیر شاہزادہ سے اُسکا نکاح کردیا تھا لیکن بالغ ہونے کے بعد اس نے اپنے شوہر کی نسبت اپنی نامرضی ظاہر کی اور والدین سے کہا کہ میرا دل اس شہزادہ کی صحبت سے نفرت کرتا ہے بہتر ہو کہ مجھے اُس سے علیحدہ کردیا جائے والدین میں سے کسی نے اُس کے اس خیال کی تائید نہ کی اور یہ مجبوراً وہاں سے فرار ہوکر اسکندریہ میں آئی۔ یہاں قاضی کی عدالت میں خاوند کے برخلاف دعوےٰ کیا اور بڑی مشکل سے آزادی حاصل کی۔

اسکے بعد فخرالنسا بیگم نے اپنی مرضی کے موافق ایک خاندانی لفٹننٹ سے نکاح کیا جس سے اسکے یہاں تین لڑکے پیدا ہوئے دو تو حالت شیرخواری ہی میں مرگئے لیکن ایک بچہ زندہ رہا ابھی یہ بچہ ہی تھا کہ اسکے باپ کو ایک مہم پر جانیکا اتفاق پڑا چونکہ لفٹننٹ کو اپنے پیارے اور ہونہار بچے سے بیحد محبت تھی لہذا وہ اس جنگ میں اُسے بھی اپنے ہمراہ لیگیا یہاں پہنچکر لفٹننٹ تو قتل کیا گیا اور بچہ کا کہیں پتہ نہ لگا۔ فخرالنسا کو اس حادثے سے سخت صدمہ پہنچا اور وہ ایک عجیب حالت پریشانی میں پھر اپنے اصل وطن میں آئی اور یہاں سے کرانچی۔ کرانچی سے حیدرآباد ہوتی ہوئی اور مختلف شہروں سے گذرتی ہوئی ملتان آئی تھوڑے روز ملتان میں قیام پذیر ہوکر لاہور پہنچی اور یہاں سے افغانستان کے شہروں کی طرف روانہ ہوئی۔

گو کسی مورخ نے اسبات کو صاف طور پر بیان نہیں کیا کہ فخرالنسا کی تیمور تک کیونکر رسائی ہوئی لیکن یہ بات عربی اور فارسی تاریخوں سے یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ تیموری محل میں داخل ہوئی اور اپنی حسن لیاقت اور بیدار مغزی سے چندہی روز میں تیمور کی سب سے چہیتی اور پیاری بیویوں میں شمار کی جانے لگی فخرالنسا بیگم کے یہاں تیمور سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ میراں شاہ جو تیمور

کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا اسی روشن دماغ اور تجربہ کار بیگم کے بطن سے پیدا ہوا تھا یہ بیگم اپنے
مذہبی عقائد اور احکامات کی بڑی پابند تھی اسکا عام دستور تھا کہ صبح کی نماز پڑھکر قرآن مجید پڑھا
کرتی اور پہروں آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہاتی یہ خود بھی صوم و صلوٰۃ کی بڑی پابند تھی اور اس سے
بے انتہا خوش ہوتی تھی جو روزہ و نماز کو ہمیشہ پابندی اور رغبت کے ساتھ ادا کیا کرتا تھا۔

فخر النساء بیگم کی تاریخ زندگی میں یہ بات نہایت قابل تعریف ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمیشہ فیاضانہ
اور رحیمانہ برتاؤ برتتی تھی۔ غریبوں کے ساتھ بہت سلوک کرتی اور اکثر اپنے متعلقین اور تیمور کے مصاحبوں
کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتی اس فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے اس نے عام لوگوں میں ہر دلعزیزی
پیدا کر لی تھی اور اپنے بہت سے دوست اور جان نثار بنا لئے تھے۔ گو اس بیگم میں بظاہر کوئی ایسی دلفریب
ادا اور فطری کرشمہ نہ تھا لیکن اسکی باطنی خوبصورتی و حسن پر تیمور جیسا سنجیدہ اور متین بادشاہ سو جان سے
فریفتہ تھا افسوس اس بیگم کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور تیمور کے انتقال کے چند ہی روز بعد یہ بھی انتقال
کر گئی جب اس عصمت مآب خاتون کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو اپنے بیٹے میران شاہ کو وصیت کی
کہ بیٹا اگر تیری بہنیں نکاح کرنے پر آمادہ ہوں تو انھیں اُن ہی کی مرضی اور طبیعت پر چھوڑ دیجیو
ایسا نہ ہو کہ تو انہیں اُنکے خیالات میں پابند کرے اور اُنکے منشا کے خلاف جبر سے کام لے اور
اگر نکاح پر ان کی آمادگی نہ دیکھے تو کنایۃً بھی اسکا حکم نہ کیجیو میران شاہ نے اپنی مہربان ماں کی وصیت
گوش ہوش سے سنی اور اسپر عامل ہونے کا اُسے کافی یقین دلایا۔

امیر تیمور کے بعد میرزا میراں شاہ جو تیمور کا تیسرا لڑکا تھا تخت نشین ہوا یہ شہزادہ ۷۶۹ھ میں فخر النساء بیگم
سے پیدا ہوا اور اپنے والد بزرگوار کے عہد زندگی میں اپنی خداداد عقل اور فطری لیاقت سے فرمانروائے
آذربائیجاں مقرر ہوا۔ جو اصل میں ہلاکو خاں کا دار السلطنت تھا مگر چونکہ آذربائیجاں کی آب و ہوا اُسے
ناموافق آئی اس لئے یہ اپنے چھوٹے لڑکے مرزا ابوبکر کو یہاں چھوڑ کر تبریز چلا گیا۔

جب امیر تیمور کے انتقال کی خبر آذربائیجاں میں پہنچی تو میرزا ابوبکر نے اپنے والد کے نام کا خطبہ پڑھوایا
اور اب سب جگہ میرزا میراں شاہ کے سکے نے رواج پا لیا میرزا میراں شاہ عین عالم شباب یعنی ۴۱ سال
کی عمر میں انتقال کر گیا اور اُسکا مقبرہ تبریز ہی میں بنایا گیا اسکے انتقال کے بعد میرزا سلطان محمد
میراں شاہ کا لڑکا سلطان ہوا اور وہ بھی کشت و خون کے بعد قتل کر ڈالا گیا۔

رجبنی یا عظمت النساء بیگم

یہ سلیقہ شعار اور پاکدامن خاتون شہنشاہ تیمور کی تیسری
بیگم ہے جو اصل میں ایک برہمنی خاتون تھی جب تیمور

ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے اور اپنی خونریز تلوار سے بڑی خونخواری کے ساتھ دہلی کو بے چراغ کر کے میلہ ہردوار پر پہنچا ہے تو وہاں سے جو عورتیں قید ہو کر اُسکے دربار میں حاضر کی گئیں انمیں ایک ارجینی خاتون بھی تھی جب تیمور ہردوار پہنچا ہے تو وہاں کا میلہ بڑے عروج پر تھا لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا اور ہزاروں پری جمال اور حسین عورتوں کا جمگھٹا موجود تھا اس نے اپنے لشکر کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ تمام ہردوار میں بیرحمی سے قتل عام کا حکم دیدو۔ ہزاروں بیگناہوں کی گردنیں اُڑنے لگیں اور ترکوں کی خونریز تلواروں نے بڑی بیرحمی کے ساتھ ایک کثیر مخلوق کو قتل کر ڈالا۔

میلہ ہردوار کے قتل عام اور اُس کی غارتگری کے بعد جب تیمور وہاں سے واپس لوٹا تو قیدیوں میں ایک ارجینی بھی آئی تیمور کا عام قاعدہ تھا کہ ہر ملک و قوم کی بربادی اور تباہی کے بعد زندہ گرفتار اُسکے سامنے پیش کئے جاتے تھے اگر ان میں کچھ معذور اور بیگناہ اشخاص ہوتے تو تیمور اُنکے ساتھ فیاضانہ اور رحیمانہ برتاؤ برت کر چھوڑ دیتا اور جو مغرور و سرکش ہوتے اُنکی گردنیں مروا ڈالتا اور جو لائق و قابل آدمی ہوتے انہیں اپنی خدمت کیلئے پسند کرتا تھا چنانچہ اسکی عادت و حکم کے بموجب جب ہردوار کی گرفتار باندیاں تیمور کے آگے لائی گئیں تو اسکی نظریں سب سے پیشتر ارجینی پر پڑیں یہ لڑکی اٹھارہ برس کی تھی تیمور اسکی خوش وضعی اور جوانی کو دیکھکر فریفتہ ہو گیا اور اسکا اصلی وطن اور حسب و نسب دریافت کیا۔

اس ماہ وش لڑکی نے بڑی بیباکی اور سختی کے لہجہ میں کہا شاہا مجھ بدنصیب کا نام ارجینی ہے میرا بوڑھا باپ اور ایک عزیز بھائی دو چچا شجاعت کے نمونے دکھا کر اور داد جوانمردی دیکر تیرے خونخوار لشکر کے ہاتھ قتل کئے گئے مجھ بدقسمت کا اصلی وطن بنارس ہے اور بلحاظ مذہب ایک معزز خاندان برہمن سے ہوں میں نے بنارس کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے اور مجھے سنسکرت میں کامل مہارت حاصل ہے تیمور ارجینی کی یہ بیباکانہ تقریر سنکر بہت خوش ہوا اور اس کی حسن لیاقت پر تعجب کرنے لگا پوچھا کیا تیری شادی ہو گئی ہے ارجینی نے پہلے تو شرم کی وجہ سے گردن نیچی کر لی پھر نہایت باریک آواز میں جواب دیا کہ نہیں ارجینی کے اس جواب نے تیمور کے دبے ہوئے جوش میں ایک غیر معمولی تغیر پیدا کر دیا اُس نے فوراً حکم دیا کہ اسے شاہی حرم سرا میں داخل کیا جائے محل میں داخل ہوتے ہی امیر تیمور نے اُسے عظمت النساء بیگم کا خطاب عطا کیا اُسکے بطن سے تین بچے بھی ہوئے جو کم سنی کے زمانہ میں میرزا میران شاہ فرزند تیمور کے مقابلہ میں قتل کر ڈالے گئے۔

آرام دل

یہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان نوخیز کنیز تھی جو قزاقوں کے ذریعے خان زماں کے ہاتھ پڑ گئی تھی خان زماں شہنشاہ ہمایوں کے عہد سلطنت میں فوجی جنرل تھا اور **جلال الدین محمد اکبر** بادشاہ کے دربار میں امیر الامرا کے ممتاز منصب سے معزز تھا آرام دل نہایت

حسین عورت تھی اور جو باتیں کہ حسین اور نازک اندام عورت میں ہونا چاہئیں وہ سب اسمیں بہ حد حسن پائی جاتی تھیں۔ خان زمان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے تو شیبانی خان ازبک شہنشاہ توران تک پہنچتا ہے [illegible] کی طرف سے شرفائے عراق کی جانب منتہی ہوتا ہے اس لحاظ سے خان زمان ایک عالی النسل اور [illegible] عراق میں بڑا معزز شخص گنا جاتا تھا۔ عہد ہمایوں میں جو لوگ خراسان کی تباہی و بربادی اور [illegible] کی لوٹ میں قید ہو کر آئے تھے انہیں میں ایک خان زمان بھی تھا چونکہ یہ ایک بہادر اور شجاع آدمی تھا اور اسکی مردانگی اور دلیری کے افسانے زبان زد خاص و عام تھے اسلئے خانخاناں نے شہنشاہ ہمایوں کے حضور میں اسکی جان بخشی کی سفارش کی اور قیدیوں کے مجمع سے الگ کر کے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ خان زمان نے اپنی ذاتی قابلیت اور فطری لیاقت سے دربار ہمایوں میں وہ ہر دلعزیزی پیدا کی کہ چند روز میں ہمایوں کا جنرل افواج ہو گیا اور پھر اکبری دربار میں امیر الامراء کا معزز منصب حاصل کر کے وقعت کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ بیرم خاں کو جس نے شہنشاہ ہمایوں سے اپنی فطری لیاقتوں اور پولیٹیکل قابلیتوں کے صلہ میں خانخاناں کا معزز خطاب حاصل کیا تھا اور اکبری اتالیقی کا ممتاز منصب رکھتا تھا شاہی دربار میں وہ شوکت و اقتدار حاصل تھا جو دوسروں کو بہت کم میسر تھا یہی وجہ تھی کہ درباری لوگ خان زمان کو اسکا ساختہ پرداختہ سمجھکر بڑی عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے لیکن یہ عجب بات ہے کہ خان زمان بیرم خاں کے روش و طریقہ کا بالکل مخالف تھا اور اس کی چال ڈھال اسکی روش و راہ کے بالکل منافی تھی بیرم خاں جس قدر امامیہ مذہب کے اصول سے متنفر تھا خان زمان اسی قدر اس مذہب کی طرفداری پر زیادہ زور دیا کرتا تھا حتی کہ اسکی مجلس میں مطلقاً تقیہ نہ ہوتا بلکہ علانیہ طور پر امامیہ مذہب کی اشاعت میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتا تھا۔

خان زمان کی خوبصورت اور روشن تصویر اپنے ساتھ ایک تاریک پہلو بھی لئے ہوئے تھی وہ حسن پرست تھا اور خوبصورت آدمی کو ہمیشہ پسند کیا کرتا تھا شاہم بیگ نامی ایک نوجوان شخص جو اپنی ملاحت اور خوبصورتی کے لئے مشہور تھا ابتدا میں شہنشاہ ہمایوں کا منظور نظر تھا اور بادشاہ اس سے کمال الفت رکھتا تھا جسکا بدیہی نتیجہ یہ تھا کہ شاہم بیگ اکثر اوقات عنایات خسروانہ سے ممتاز اور موقر ہوتا رہتا تھا یعنی ہمیشہ ہمایوں کی توجہ اسپر رہتی اور یہ صرف اسی توجہ اور محبت کا اثر تھا کہ شاہم بیگ ہمایوں کے خواصوں میں شمار کیا جانے لگا تھا لیکن جب ہمایوں کو اسکی باطنی بدصورتی کی اطلاع ہوئی تو فوراً جلاوطنی کا حکم اسکی نسبت صادر فرمایا حقیقت میں اگر شہنشاہ ہمایوں کو شاہم بیگ کی باطنی بدصورتی پر پہلے سے آگاہی ہو جاتی تو ممکن تھا کہ وہ اسے اپنی صحبت میں قبول کرتا مگر اسکی

بڑی دلفریب خوبصورتی اور ملاحت کے ہمایوں جیسے مسکین اور شیریں یار شاہ کا دل بیجد اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا
ہمایوں کو جسطرح دفعتہً اور یکایک اسکی ظاہری صورت نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا الفت آئی تھی اسی طرح اب جلدی جلدی گھٹنی
شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ شاہم بیگ کے اخراج اور جلاوطنی کا حکم دربار ہمایونی سے
صادر ہوا۔ اسی اثنا میں خان زمان شاہم بیگ کے محبت میں گرفتار ہو گیا اور دن بدن اسکی محبت و الفت
روز بروز ترقی کرتی گئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ عقل بھی جاتی رہی اور ہوش و حواس سے ہاتھ دھو بیٹھا جاتی رہی
اور وہ شاہم بیگ کا فریفتہ و شیدا ہو گیا اکثر اوقات اسکے ساتھ رقص دیکھنے اور نہایت محویت
محویت کے ساتھ بسر کرتے ہیں کبھی کبھی تنہائی میں اسکے ساتھ خلوت میں رہتا اور آپ کھڑے ہو کر شاہم بیگ کا
تھوڑے عرصہ میں یہ راز طشت از بام ہو گیا اور جو لوگ خان زمان سے حسد و عداوت رکھتے تھے انہیں اپنے
دلی بخارات نکالنے اور اسے ذلیل کرنیکا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ انھوں نے ملا پیر محمد کی وساطت سے جو خان زمان کا
اسکے متوسلوں کے افعال پر نکتہ چینی کرتا اور انکی تحریر و تذلیل میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کوشش
کرتا تھا اسکی اطلاع شہنشاہ ہمایوں کے حضور میں کی خان زمان کے مخالفوں کو زیادہ عرصہ تک انتظار
نہ کرنا پڑا کہ ہمایوں نے مدبرانہ شاہم بیگ کی نسبت اخراج اور جلاوطنی کا دوبارہ حکم صادر فرمایا۔
خان زمان کو شاہم بیگ کی جدائی بہت شاق تھی اور اب اسے معلوم ہوا کہ اپنی بدقسمتی سے اپنی مخالف
[illegible] اگرچہ اس نے [illegible] اور اس فتنہ و فساد کے
[illegible]
اپنے متوسلوں کی طرفداری میں ہمایوں [illegible] زمان کے استیصال پر [illegible]
معقول دستہ بادشاہ کی طرف سے متعین ہوا اسوقت خان زمان کو سمجھ آئی [illegible]
کہ اس فساد و تباہ کاری شاہم بیگ کو اپنے گھر سے نکال باہر کرے اور [illegible] خان زمان کی
حوالہ بہ [illegible] مصلحت سے خان زمان نے اسے جلاوطن کر دیا۔
شاہم بیگ خان زمان سے رخصت ہو کر عبدالرحمن کی حکومت میں پہنچا جو اسکا قدیم دوست اور
ہمدم تھا جن دنوں شاہم بیگ کے اقبال کا ستارہ آسمانی سطح پر شہاب ثاقب کی طرح چمک رہا تھا
اسے شاہی تعزز و افتخار بہت کچھ حاصل تھا تو اس نے عبدالرحمن کے ساتھ بڑے اچھے سلوک کیے تھے
جس زمانہ میں شاہم بیگ خان زمان کا منظور نظر تھا عبدالرحمن بھی اسکے ساتھ سرگرم اختلاط و الفت تھا۔
اسلیے اسوقت عبدالرحمن نے بڑے اخلاص و جوش مسرت کے ساتھ شاہم بیگ کا استقبال کیا اور نہایت
[illegible] سے اسکی دلجوئی اور مہمانداری میں مصروف ہوا اپنی عالی حوصلگی اور فراخ دلی سے با عزاز تمام

اُسنے اپنے گھر میں اُتارا اور زیادہ عرصہ تک مہمان رکھنے اور اُسکے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونے سے بہت
خوش ہوا جن دنوں شاہم بیگ خان زمان کی صحبت میں تھا اُس زمانہ میں سے کبھی آرام دل کو دیکھ لیا تھا اور
ایسے ہی نظر میں اُسکے عشق و الفت کے دلاویز تیر نے اسکے جگر کو چھید دیا تھا۔ آرام دل اگرچہ برائے نام بیوہ کنیز تھی
مگر صورت شکل میں ہزار دو ہزار میں ایک تھی اُسکا شباب بڑی آسانی کے ساتھ نظر بازونکو اپنا شکار کر لیتا
تھا جس وقت شاہم بیگ نے اُسکے چہرہ کو غور سے دیکھا اُسوقت اُسنے بھی اپنے حسن کے کرشموں اور غمزہ و ناز کی کمند ان سے
پورا کام لیا۔ باتوں ہی باتوں پر خفیف مسکراہٹ نمایاں ہوگئی اور آنکھیں جادو کے دلاویز تیر برسانے لگیں اور اُس کے ساتھ
ہی ذرا سینہ اُبھار کے یہ بھی جتا دیا کہ جوان ہی نہیں بلکہ ابھی شباب ہے الغرض دل آرام کی ان ناز آفرینیوں
نے شاہم بیگ پر وہ جادو کیا کہ اُسکا دل ہاتھ سے جاتا رہا اور اسکی محبت میں بے صبر و بے تاب ہوگیا۔
محسن کش شاہم بیگ نے اپنے مربی اور ولی نعمت کے احسانات کی یہ تلافی کی کہ اسکی ننگ و ناموس کو برباد کر ڈالا
اور چند روز کے عرصہ میں آرام دل سے مل گیا ادھر یہ کیا اور فریبی عورت بھی اپنے آقائے نامدار کی تربیت
و پرورش اور قدیم احسان کو بالائے طاق رکھکر بدباطن شاہم بیگ سے تعشق کرنے لگی غرضکہ ان دونوں ناقابل
شخصوں کی تاریک سطح پر نفسانی خواہشات کے غیر فطری جذبات اس درجہ محیط ہوگئے کہ انھوں نے اپنے مربی کے
قدیمی اور خیر خواہ حقوق کے نقوش لوح سے مٹا دیئے اور شب و روز قابل نفریں عیش و عشرت میں مصروف ہوئے
فارسی دنیا میں ایک نہایت ہی نتیجہ خیز اور قابل تسلیم مثل مشہور ہے کہ دلوے عشق و مشک را پنہاں نمی تواں نمود
یعنی عشق و مشک کی خوشبو ہزار چھپائے بھی نہیں چھپتی نیز انسانی تجربہ سے بھی اس امر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہوائے
نفسانی کے پابندوں کا ناجائز عشق بجز ندامت و بدنامی کے دوسرا کوئی نتیجہ نہیں رکھتا ان دونوں خانہ برانداز
اور احسان فراموشوں کی نفرتناک خبریں قریب تمام شہر میں پھیل گئیں اور رفتہ رفتہ خان زمان کو بھی ان دونوں
بیباک و گستاخ و شوخ چشموں کے ناز و نیاز پر آگاہی ہوئی۔ لیکن غریب خان زمان اب کوئی بھی ایسی
تدبیر استعمال میں نہ لا سکتا تھا جس سے اس بے شرمی اور بدنامی کا بدنما دھبہ اپنے دامن سے مٹا سکتا
یہ شاہم بیگ کی خاطرداری اور محبت میں ایسا دیوانہ تھا کہ کسی طرح کی ذرا سی بھی تکلیف اُس کی نسبت
گوارا نہ کرتا تھا انجام کار اُس نے اس شرمناک رسوائی اور افسوس ناک بدنامی کو اپنے لئے بخوشی گوارا
کیا اور آرام دل کو شاہم بیگ کے نذر کر دیا۔

شاہم بیگ اور آرام دل کا نفرت انگیز تعشق چونکہ محض نقش برآب تھا اور اسکی بنا صرف خود مطلبی
اور ہوسناکی پر تھی لہذا جس طرح دفعتاً اور یکایک ان دونوں میں سلسلہ محبت قائم ہوگیا تھا ویسے ہی جلد جلد
گھٹنا شروع ہوگیا گویا ایک دودھ کا فوری اوبال تھا کہ دفعتاً اٹھا اور یکایک بیٹھ گیا آخرکار اسکا نتیجہ

یہ ہوا کہ چند روزہ وصال کے بعد دونوں میں ایک غیر معمولی کشیدگی پیدا ہوگئی اور شاہم بیگ نے باوجود دعوے معشوقی کے عاشقی کا شیوہ اپنے حوصلہ اور جمال و خوبصورتی کے موافق نہ دیکھا۔

ان دنوں کا یہ واقعہ ہم بیان کر رہے ہیں اُس زمانہ میں عبدالرحمن بھی شاہم بیگ کے پاس موجود تھا اور اُسکے دل کا میلان بھی آرام دل کی طرف متوجہ تھا شاہم بیگ نے آرام دل کو اُسے ہبہ کر دیا و ایک کثیر التعداد زر و نقد دیکر رخصت کیا عبدالرحمن نے آرام دل کو لونڈی بنا کر نہ رکھا بلکہ اُسے قید نکاح میں لے آیا جس زمانہ میں شاہم بیگ عبدالرحمن کا مہمان تھا۔ آرام دل نے پھر اپنی خبث باطنی اور کیادی سے شاہم بیگ کو اپنے گلوگیر پھندے میں پھنسانا چاہا اور قدیم محبت کے مٹے ہوئے نقوش کو از سر نو جگانے کی کوشش کی چونکہ آرام دل کی آزادی اب محفوظ تھی اور نکاح کی بیڑی اُسکے پاؤں میں پڑی استحکام کے ساتھ پڑی ہوئی تھی اسلیے اُسے شاہم بیگ سے بے حجابانہ ملاقات کرنیکی جرأت نہ ہوتی تھی البتہ دیوار و پس دروازہ اور دروازہ کی جھریوں سے اشاروں میں اپنے دل کی کیفیت سنادیتی تھی اور اکثر اپنی دلفریب اداؤں فطری کرشموں اور عشوہ و دلربائی سے آراستہ ہو کر شاہم بیگ کے سامنے بھی آجایا کرتی تھی بدطینت شاہم بیگ کی اصل خباثت نے پھر عود کیا اور اب پھر وہی نامبارک جوش اور قابل تنفر ولولے سنگی شرارت آمیز جبیت میں اُٹھنے لگے ایک دن شاہم بیگ کی محفل نشاط گرم تھی۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو نے سارا مکان مہکا رکھا تھا مختلف قسم کے عطروں سے دل و دماغ معطر تھے شراب کا دور چل رہا تھا طرح طرح کے نفیس و لذیذ کھانے دسترخوان پہ چنے ہوئے تھے اُسوقت شاہم بیگ کے دلمیں یکایک آرام دل کا خیال آیا جس نے اُسکی اس عیش و نشاط کی مجلس کو خاک میں ملا دیا اُس نے نہایت بے تمیزی کے ساتھ آرام دل کو مجلس میں حاضر ہونے کیلیے عبدالرحمن سے التجا کی۔ گو عبدالرحمن بھی کچھ ایسا محتاط اور پابند شرع نہ تھا مگر اُسکی غیرت و حمیت سے ممکن نہ تھا کہ اس درجہ بے عزتی اختیار کرتا اُسنے صاف طور پر کہدیا عبدالرحمن سے یہ توقع کبھی نہ رکھنا چاہیے کہ وہ اس قسم کی شرمناک اور نفرت انگیز التجا کو منظور کریگا شاہم بیگ کو عبدالرحمن کے اس روکھے جواب پر سخت طیش آیا اور انتہائے غیظ میں عبدالرحمن سے مخاطب ہو کر کہا۔ کیا تو وہی مفلس اور محتاج نہیں ہے جو عسرت اور فاقہ کشی مجبور ہو کر میرے پاس التجا لے گیا اور میں نے تیری حالت بیکسی پر رحم کر کے خان زماں کی سفارش سے تجھے اس مرتبہ کو پہنچایا کیا انعامات کا یہی بدلہ ہے۔

عبدالرحمن نے لجاجت آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ میں بڑی خوشی سے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے یہ منصب آپکی بدولت حاصل ہوا جسکا تہ دل سے شکر گزار اور ممنون ہوں لیکن اسکی تلافی میں مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ اپنے خانماں کی ننگ و ناموس کو آپکے ہاتھ میں دیدوں۔ عبدالرحمن کی اس آتش زبانی

نے شاہم بیگ کے غصہ کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ وہ نہایت تیزی کے ساتھ اپنا ہاتھ پھونک بیٹھا اور تلوار کھینچ کر جوش غضب کی آواز میں بولا کہ عبدالرحمن اگر تو ہنسی خوشی سے آرام دل کو نہ دیگا تو میں اپنے عشق کی آگ تلوار کے پانی سے بجھاؤنگا عبدالرحمن شاہم بیگ کے اس جوش غضب سے کانپ اٹھا اور تھوڑی دیر گردن نیچے کئے کچھ سوچتا رہا چند منٹ کے بعد اُسنے گردن اٹھائی اور اس دفعہ بھی پہلا جیسا جواب دیا بلکہ یہ جواب پہلے سے کچھ زیادہ سخت تھا۔

شاہم بیگ کو جب خاں زماں نے رخصت کیا تھا تو اپنے فوجی سواروں کا ایک دستہ اُسکی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیا تھا جو اسوقت تک عبدالرحمن کے یہاں اُسکے ساتھ شریک مہمانی تھا اور جس نے اب شاہم بیگ کی رفاقت میں اس فساد کی آگ کو اور بھی مشتعل کر دیا شاہم بیگ نے ان سواروں کو حکم دیا کہ عبدالرحمن کو گرفتار اور پابزنجیر کر کے خوب بےحرمت کرو چنانچہ اُسی وقت شاہم بیگ کے اس حکم کی تعمیل کی گئی اور عبدالرحمن کی تذلیل میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی گئی۔

عبدالرحمن کے باپ موید بیگ کو جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو وہ اوباشوں کی ایک کثیر التعداد جمعیت سے شاہم بیگ کے سر پر آپڑا اور بڑی خونخواری کے ساتھ طرفین کے بہت سے آدمی قتل کئے گئے شاہم بیگ کے جسم پر ایک جانستان تیر لگے ایسا چھیدا کہ وہ بیہوش ہوکر گر پڑا اور پھر مرتے دم تک اُسے ہوش نہ آیا۔

عبدالرحمن اور موید بیگ گو اپنے مخالف پر فتحیاب ہو چکے تھے مگر اب انھیں خان زماں کی طرف سے بہت بڑا کھٹکا لگا ہوا تھا اپنے خیال میں بجز اسکے اور کچھ بہتر نہ پایا کہ ملا پیر محمد کی پناہ میں چلے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دونوں اپنے وطن کو خیرباد کہکے ملا پیر محمد کے پاس پہنچے اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ ملا پیر محمد نے اُن کی انتہا سے زیادہ دلجوئی کی اور اپنی پناہ میں لینے سے انکار نہیں کیا۔

خان زماں کو شاہم بیگ کے یوں قتل کئے جانے کا بڑا صدمہ ہوا اور اُسکے فراق میں اپنی زندگی سے مایوس ہو بیٹھا شب و روز اسی فکر میں غلطاں پیچاں رہتا تھا کہ جسطرح ممکن ہوسکے عبدالرحمن و موید بیگ سے شاہم بیگ کا انتقام لینا چاہیئے چنانچہ اُس نے اپنے خیال میں یہ منصوبہ گانٹھکر اور عقل و دوراندیشی کو بالائے طاق رکھکے اپنی کامیابی کی تدابیر سوچنے لگا اور بالآخر سواروں کی ایک زبردست جمعیت اپنے ساتھ لیکر شاہم بیگ کے قاتلوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

موید بیگ نے جب خان زماں کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے سنا تو اُس نے فوراً ملا پیر محمد کی مصلحت سے پہلے ایک عرضی شہنشاہ کی خدمت میں پیش کی اور پھر ملا پیر محمد کے ذریعہ سے بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوکر اول سے آخر تک سارا واقعہ زبانی عرض کیا شہنشاہ نے خانخاناں کے نام ایک حکم بایں مضمون

اور فرمایا کہ خان زمان کی اصلاح میں کوشش کیجائے اور اس فساد کی آگ کو یہیں دبا دیا جائے چنانچہ
ن خانان نے خان زمان کو اپنے پاس بلایا اور اس فتنہ کی شعلہ زن آگ کو تدبیر کے پانی سے بجھا دیا
ہیں وہ عبرت انگیز واقعات جو آرام دل کی کارروائیوں کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے۔

آسائش بانو بیگم یہ پاکدامن خاتون شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ کی عزیز پوتی اور شہزادہ محمد مراد بخش کی پیاری بیٹی ہے حسن جمال کے علاوہ نہایت متین و سنجیدہ
بہ مغز و روشن دماغ تھی۔ شاہجہاں نے خاص اپنے اہتمام سے ایک بوڑھی معلمہ جو سبھی علوم و فنون
مہارت کامل رکھتی تھی اور جسے مذہبی علوم میں بڑا درک تھا اسکی تعلیم کے لیے مقرر کی تھی آسائش
فارسی زبان کے علاوہ ترکی اور عربی خوب بولتی تھی۔ اسکی عصمت و عفت زہد و عبادت فیاضی و
وت کی دھوم تمام دار السلطنت میں مچی ہوئی تھی۔ اسے قرآن شریف حفظ یاد تھا اور اپنی خدمت
اُن ہی کنیزوں کو رکھنا پسند کرتی تھی جو اکثر قرآن خوانی میں مصروف رہتی تھیں آسائش بانو بیگم
کچھ کام تھا تو وہ صرف قرآن خوانی کا تھا۔ گویا اسکا محل شہد کے چھتے کے مانند تھا جو ہر وقت قرآن
ھنے کی صدا سے گونجتا رہتا تھا عموماً شاہی محل میں آزادی تھی۔ نامور شہزادیاں اور بیگمیں سب ہتیار بند
ع رہتی تھیں اور چونکہ وہ عین جنگ میں مردوں کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت دیتی تھیں لہذا انہیں قید
ہ نہ رکھا جاتا تھا۔ آسائش بانو بیگم بھی نہایت آزادی کے ساتھ باغوں اور جنگلوں میں گھوڑے
قدر سیر کیا کرتی تھی۔ اس نے اپنی کنیزوں کا اپنے لیے ایک باڈی گارڈ بنایا تھا اور اسکے لیے نہایت
وردیاں تیار کرا دی تھیں۔ جہاں یہ جاتی اسکا باڈی گارڈ اسکے ہمراہ ہوتا تھا۔ اسکی تمدنی اور
نرلی حالت نہایت عمدہ اور نتیجہ خیز تھی ہاں کسی قدر تیز مزاج ضرور تھی لیکن جسقدر تند خو تھی
قدر باپ کی پیاری اور ماں کی لاڈلی تھی بلکہ اُس کی طفلانہ حرکتیں ایسی دلکش اور حیرت بخش
کہ محل کی ہر ایک بیگم کی وہ ایسی ہی پیاری اور عزیز تھی جیسے اپنی حقیقی والدہ کی۔ شاہی حرم سرائے
ید ہی کوئی ایسی بیگم ہوگی جو اُسے پیار اور محبت سے اپنے پاس نہ رکھتی ہو۔
گو آسائش بانو کو علمی لیاقت جیسی کہ چاہیے حاصل نہ تھی مگر چونکہ اُسکا اکثر وقت علمی و مذہبی کتابوں کے
ھنے میں صرف ہوتا تھا اسلیئے وہ بغیر استاد کی مدد کے بعض علم کی تھوڑی تھوڑی باتیں سمجھ جاتی تھی
جہ ہے کہ اُس نے باوجود اپنی معمولی قابلیت کے اکثر بیگمات کی طرز معاشرت پر عالمانہ اعتراض کیئے
قدر باتیں خلاف شریعت محل کی مستورات نے اختیار کر لی تھیں سکو تہ ریگجا اٹھا دیا۔
آسائش بانو بیگم ابھی نو عمر اور کمسن ہی تھی کہ فلک کج رفتار نے اُسکے سر پر سے شفقت بھری ماں

کو ہمیشہ کیلئے اُس سے جدا کر دیا عالمگیر اپنی اس بھتیجی سے بہت محبت کرتا تھا اور اُسکی تسلی و دلجوئی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا جب یہ اولوالعزم شاہزادی سن بلوغ کو پہنچی تو عالمگیر نے خواجہ محمد صالح ولد خواجہ طاہر نقشبندی کیساتھ بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام سے اُسکی شادی کر دی محمد صالح ایک بڑا بہادر اور شجاع شخص تھا جو ایک مدت تک عالمگیر کی فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا اور جسنے نہایت خونخوار جنگوں اور خوفناک معرکوں میں اپنی جوانمردی اور بہادری کے جوہر دکھا کر عالمگیر جیسے دلیر اور شجاع بادشاہ کو اپنا فریفتہ کر لیا تھا محمد صالح اور اُسکا ماتحت لشکر اپنی جانبازی اور بہادری میں مشہور تھا یہی وجہ تھی کہ ہر موقع اور محل پر عالی حوصلہ بادشاہ کے دربار سے مختلف جاگیریں اور نقد انعام حاصل کرتا تھا اسنے دکن اور گجرات کی خونریز لڑائیوں میں وہ داد شجاعت دی تھی جسے دیکھکر بڑے بڑے جان نثار اور بہادر لوگ تعجب کرتے تھے علاوہ ازیں وہ ایک شریف خاندانی اور معزز پارٹی کا آدمی تھا۔

عالمگیر نے محمد صالح کی یہ خداداد بہادری اور حسن لیاقت دیکھکر اپنی پیاری بھتیجی آسایش بانو کی اُسکے ساتھ شادی کر دی تھی دوسری جمادی الآخر ۱۰۸۳ھ کو اس مبارک تقریب کا جشن مرتب ہوا اور قاضی عبدالوہاب نے سربلند خاں اور ملا محمد یعقوب وغیرہ کے سامنے آسایش بانو بیگم کا نکاح محمد صالح سے باندھا شاہی محل میں معمولی خوشی منائی گئی اور عالمگیر نے محمد صالح کو ایک عربی النسل گھوڑا مع طلائی ساز و سامان کے اور ایک ہاتھی جسکے اوپر سونے کی عماری تھی اور ایک معقول جاگیر و منصب عطا کیا۔

شادی کے بعد اس روز کے سامان کی کیفیت جو آسائش بانو بیگم کے وداع کا دن تھا قابل یادگار روزگار ہی جو جہیز عالمگیر نے آسایش بانو بیگم کو دیا تھا اُس سے زائد اپنی بیٹیوں کو نہیں دیا تھا یہیں سے اس بات کا پورے طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالمگیر آسایش بانو بیگم کو کسی طرح اپنی بیٹیوں سے کم نہ سمجھتا تھا آسائش بانو بیگم نے شادی ہوتے ہی اپنے شوہر کو ایسا گرویدہ اور مطیع بنایا تھا کہ وہ بدون اُسکے مشورے کے خود کوئی کام ہی نہ کرتا تھا اور ہر بات میں اُس کی دلجوئی اور آسایش مدنظر رکھتا تھا اور یہ اُسکے اعلیٰ درجہ کے علم اور روشن دماغی کا نتیجہ تھا لیکن افسوس موت کے تیز و تند جھکڑ نے اس ترو تازہ شاداب پودے کو قبل اسکے کہ خوشہ مراد کی گلچینی سے بہرہ ور ہو کر کچھ لطف دنیا حاصل کرے عین عالم شباب میں پژمردہ کر دیا یعنی یہ سلیم الفطرت شاہزادی شادی کے بعد کل چھ برس زندہ رہی اور چھبیسویں ربیع الثانی ۱۰۸۹ھ میں انتقال کر گئی۔

آغا بیگی

یہ روشن دماغ لڑکی میرزا میران شاہ کی بیٹی اور امیر تیمور کی پوتی تھی اس کے چال چلن نہایت شریفانہ اور عادات و اخلاق بالکل تعریف کے قابل تھے اسکی طرز معاشرت ایک اعلیٰ

طرز کی تھی اسکی تہذیب میں علوم کی مزاولت نے ایک غیر معمولی تغیر و تبدل پیدا کردیا تھا۔ بیگم جیسے فطرتاً
شوخ اور بیباک تھی ویسے ہی اسے سنجیدگی اور متانت کا حصہ بھی قدرت نے دیدیا تھا۔ اس کا زیادہ
وقت خاموشی میں صرف ہوتا تھا اور وہ اسکو بہتر اور عمدہ سمجھتی تھی اسکی جسقدر خواصیں اور سہیلیاں
تھیں سب خاموش رہتی تھیں بھلا ممکن تھا کہ آغا بیگی کے سامنے بغیر اسکے دریافت کیے کوئی بات کہہ سکے
آغا بیگی کی فیاضی اور خبر گیری بھی قابل تعریف تھی اسکا عام قاعدہ تھا کہ شب و روز اپنے ملازموں اور
کنیزوں کے ہاتھ غربا اور محتاجوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بلاتی اور ہزارہا روپیہ خیرات کرتی مسافروں کو
اپنی فیاضانہ مہمانی سے ہمیشہ خوش رکھتی اور غربا کی نگرانی اپنا فرض منصبی خیال کرتی الغرض امیر کی
طرف سے جس قدر روپیہ اسکے ہاتھ لگتا تھا اپنی فیاضی و سخاوت سے سب اسی قسم کے نیک اور خیراتی
کاموں میں صرف کرتی تھی اس مہذب اور فیاض خاتون کی شادی سعد وقاص سے ہوئی جو خلفائے
تیموریہ اور شاہزادگان گورگانیہ میں ایک نہایت ہی شریف اور با وقار شخص تھا امرائے گورگانیہ میں اس سے بڑھکر
جامع صفات اور عالم و فاضل فصیح و بلیغ فیاض و سخی دوسرا کوئی شخص نہ تھا سعد کی لیاقت و حسن
قابلیت کا یہیں سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب آغا بیگی کی عمر انیس برس کی ہوئی تو مختلف
شہزادوں کی طرف سے بہت سے پیغام آئے مگر اس نے سب کو ناپسند کیا لیکن جب سعد نے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے
تو اُسے منظور کرلیا اور نہایت ہی اہتمام سے نہایت شان و شوکت کیساتھ آغا بیگی کی شادی سعد سے کردیگئی۔

آغا بیگی کی شادی کے بہت تھوڑے عرصہ بعد اسکا مہربان باپ میرزا میران شاہ عین عالم شباب میں
یعنی اکتالیس برس کی عمر میں لقمہ اجل ہو گیا اسکا صدمہ اور رنج جو آغا بیگی کو ہوا قابل بیان و لائق
اظہار نہیں سنہ ۸۱۰ ہجری میں جبکہ قرہ یوسف ترکمان نے سلطانی سرحدات پر حملہ کیا اور بعض ممالک تیموریہ کو
غارتگری اور پامالی سے بالکل معدوم اور نیست و نابود کردیا تو امیر بسطام نامی جو میرزا شاہرخ ابن شاہ تیمور
کیطرف سے قلعہ کا حکمران تھا قلعہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور سعد وقاص کی امن پناہ میں چلا گیا مگر سعد نے
کسی شبہ پر اسے فوراً قید کرلیا جب میرزا شاہرخ کو اسکی اطلاع ہوئی تو اسکے جسم میں غصہ کی آگ بھڑک گئی
فوراً سعد کو ایک فرمان باین مضمون روانہ کیا کہ بسطام کو قید سے رہا کردو اور اس سرکشی اور بغاوت کی
آگ کو یہیں تک رہنے دو اگر تم نے اس آگ کے بھڑکانے کی کوشش کی تو پھر جو بدترین نتیجہ ایک سرکش
باغی کا ہونا چاہیے وہی تمہارا ہونا ہے۔

میرزا شاہرخ کا جب یہ فرمان سعد کو پہنچا تو اس نے اسکے حکم پر گردن تسلیم خم نہیں کی اور اس کے
خوف سے بسطام کو اپنے ساتھ لیکر تبریز چلا گیا قرہ یوسف ترکمان جب عراق عجم پر حملہ آور ہوا تو بسطام کو

قیار سے نجات دی اور ترکمنوں کی ایک جرار فوج کی سرکردگی میں بسطام کے فرزند اخی نام کو مغرب قم کی
طرف روانہ کیا تاکہ جسطرح ممکن ہوسکے آغا بیگی کو تبریز میں لے آئے۔

آغا بیگی چونکہ نہایت بیدار مغز اور ہوشیار عورت تھی اور ہر بات میں ہمیشہ نہایت حزم واحتیاط سے
کام لیتی تھی اخی فرخ کے یہاں پہنچنے اور قرہ یوسف پیام دینے سے فوراً تاڑ گئی کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے
کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ قرہ یوسف نہ صرف اُسی کی ننگ وناموس کا دشمن اور غارتگر ہے بلکہ اُسکے
معزز خاندان سے سخت عداوت رکھتا ہے۔

جن دنوں میں آغا بیگی کا باپ میرزا میران شاہ تبریز کے اطراف وجوانب پر حملہ آور ہوا ہے تو اسی
قرہ یوسف نے مقابلہ میں آکر اُسکا حملہ روکا ہے اور انجام کار بڑی خونخوار جنگ اور سخت کشت وخون کے
بعد میرزا میران شاہ قرہ یوسف کے فوج کی تلواروں سے قتل کردیا گیا۔

آغا بیگی نے اس عبرتناک واقعہ کو یاد کرکے کسی قدر پس وپیش کے بعد جھٹ اپنے غلاموں اور کنیزوں
کو مسلح ہونے کا حکم دیا اور خود بھی بدن پر ہتیار لگاکر آمادہ جنگ وپیکار ہوگئی تھوڑی دیر تک دونوں
لشکر داد مردانگی دیتے رہے اور دونوں طرف سے بجز تیروں اور تلواروں کی جھنکار صداؤں کے
اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ آغا بیگی کو چونکہ اپنے باپ کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک ہونیکا موقع مل چکا تھا اور وہ جنگ کے
آتار چڑھاؤ کو بارہا دیکھ چکی تھی نیز اس دشوار گذار گھاٹی میں قدم فرسائی کرنیوالے کو جو دقتیں پیش آتی ہیں
اُسے وہ بھی بخوبی معلوم ہو چکی تھیں لہذا اُسنے اپنے مستقل ارادے اور اپنی فراخ حوصلگی سے اس مہم میں وہ
کارنمایاں کئے اور مستعدی دکھائی کہ اخی فرخ اُسکے مقابلہ سے عاجز آگیا اور عین میدان جنگ سے بھاگ گیا۔

آغا بیگی نے بڑی چالاکی سے تمام ترکمنوں کو گرفتار کرلیا اور سب کے سر اپنی خون آشام تلوار سے کاٹ کر
میرزا شاہرخ کے حضور میں روانہ کردیئے۔ میرزا شاہرخ نے آغا بیگی کی اس شجاعانہ بہادری کی بہت تعریف
کی اور ایک خوشنودی کا فرمان جس میں آغا بیگی کی نسبت بہت سے تعریفی الفاظ لکھے گئے تھے روانہ کیا
تاریخ سے اس بات کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ مرزا شاہرخ کے فرمان کا کیا مضمون تھا لیکن اس قدر ضرور ثابت
ہوگیا ہے کہ جو فرمان خوشنودی آغا بیگی کی طرف روانہ کیا گیا تھا اُس کا عنوان ذیل کے شعر سے مزین تھا۔

ولو کان النساء بمثل ہذی ۔۔۔ لفضلت النساء علی الرجال

یعنی اگر آغا بیگی جیسی اور بھی عورتیں شجاع اور بہادر ہوتیں تو ضرور عورتیں مردوں پر فوقیت رکھتیں۔

آرزم بانو ہونہار ذہین اور طباع لڑکی سیادت خاں صفوی کی اکلوتی بیٹی تھی جو شاہجہان کے دربار
میں نہایت محترم اور باوقار شخص تھا دربار کے خواص وعوام عام طور پر اس کی حد سے

زیادہ عظمت کرتے تھے اور یہ ہمیشہ اپنی فیاضی حوصلہ مندی بلند نظری سے سب کو خوش رکھتا تھا آرزم بانو
چونکہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اسلئے عموماً سیادت خان کے متعلقین اس سے بیحد محبت کرتے تھے
یہ عاقلہ خاتون علاوہ حسن وجمال اور نجابت کے علمی دستگاہ بھی رکھتی تھی اسکی ذہانت طبع اور سنجیدگی و
متانت کی عموماً تمام لوگوں میں شہرت تھی۔ سیادت خاں نے ایک بوڑھی شریف زادی کو جسے مذہبی علوم
میں کافی دستگاہ حاصل تھی اسکی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا۔ اُس نے اپنے ذہن رسا سے تھوڑے عرصہ میں
مذہب کی ضروری کتابیں پڑھ لیں اور پھر سپاہیانہ فنون کے حاصل کرنیکا شوق ہوا پہلے گھوڑے پر چڑھنا
سیکھا اور پھر تیر اندازی کی تعلیم پائی یہ بڑی تعجب کی بات ہی کہ آرزم بانو نے چند روز کی مشق میں وہ
کمال پیدا کر لیا تھا کہ اُسکا نشانہ بہت ہی کم خالی جاتا تھا اور اب وہ تیر اندازی میں اپنا جواب رکھتی تھی
جس زمانہ میں شہنشاہ عالمگیر اور داراشکوہ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا ہی آرزم بانو داراشکوہ کی فوج
میں اپنے باپ سیادت خاں کے ساتھ موجود تھی اور اُسکے پہلو بہ پہلو نہایت بہادری اور آزادی سے
عالمگیری فوج پر برابر تیر دل کا مینہ برسا رہی تھی۔ عالمگیر اس دلیر اور قابل خاتون کی نسبت مختلف
لوگوں سے تعریفی الفاظ سنا کرتا تھا اور اُس کی ذاتی قابلیت کا شہرہ سُن سُن کر خوش ہوتا تھا اسی اثنا میں
اولو العزم بادشاہ نے اپنے سب سے چھوٹے شاہزادہ کام بخش کی نسبت آرزم بانو کے والدین کے پاس بھیجی
جسے اُنھوں نے بدل منظور کر لیا اور ۱۰۹۲ھ ربیع الاول کی ۵ تاریخ یکشنبہ کا دن اس مبارک تقریب کے
لئے مقرر ہوا۔ اُس دن کا حشمت انگیز سماں اور زر خیز حالت جس سے عالمگیری شان وشوکت کی خوبصورت
تصویر اُبھر کر چمک رہی تھی قابل دید اور یادگار زمانہ چلی آتی ہی تمام بازار کی دو طرفہ دوکانیں زرتار شجر
سے آفتاب کی شعاعوں کی طرح جگمگا رہی تھیں سڑکوں پر مخملی فرش بچھایا گیا تھا گویا اس سرے
سے اُس سرے تک تمام سڑکیں نہایت ہی سرسبز و شاداب مرغزار بن گیا تھا۔ درختوں پر بیشمار زربفت
کے تھان لپیٹ دئے گئے تھے صدہا خوبصورت اور نازک اندام لڑکے زرق برق وردیاں بدن
پر آراستہ کئے ہوئے قدم قدم پر باقاعدہ کھڑے ہوئے تھے جنکے نازک ہاتھوں میں عطر میں معطر
گلدستے گانوں میں پھولوں کے سنہری گجرے عجیب بہار دے رہے تھے غرضکہ شاہزادہ محمد کام بخش اس
شان وشوکت اور جاہ وجلال سے شاہی مسجد تک آیا قاضی شیخ الاسلام نے مسجد ہی میں شاہزادہ کا
نکاح آرزم بانو سے باندھا۔ اس رات کو تمام قلعہ اور شاہی محلسرا میں معمول سے زیادہ خوشی منائی
گئی اور ایک بہت بڑا مسرت انگیز جشن محلوں اور شہر میں قائم کیا گیا تمام فوج اور ساکنان شہر کی عالمگیر کی
طرف سے دعوت کی گئی اور چند روز تک تمام سرکاری دفاتر بند رہے گویا یہ کل اس خوشی میں جشن منا رہے تھے

نقد انعامات عطا کیے گئے اور بیش قیمت خلعت تقسیم ہوئے غرضکہ جس قدر خوشی اس موقع پر ایک
اولو العزم اور عالیشان بادشاہ منا سکتا ہے وہ عالمگیر نے منائی۔
قریبا ایک پہر رات گذری ہوگی کہ خود عالمگیر نے اپنے ہاتھ سے اپنے خوش قسمت فرزند کے سر پر بیش
قیمت مرواریدکا سہرہ باندھا اور تمام شاہی بیگمات کو حکم فرمایا کہ تسلی خانہ کی ڈیوڑھی سے لیکر نواب
زیب النساء کے محل کی ڈیوڑھی تک نشہ طرفہ شاہزادہ کی پالکی کے ساتھ پیادہ جائیں اور شہزادہ کو پہنچا کر واپس آئیں
آرزم بانو شادی کے بعد بھی اپنے اُسی قدیم شغل یعنی کتب بینی اور انتظام خانہ داری میں مصروف
رہی لیکن وہ جیسی آزاد پہلے تھی اب ویسے آزاد نہیں رہی جنگ کے موقع میں شریک ہونے سے اُسے مطلقًا
ممانعت کر دی گئی گھوڑے پر چڑھ کر جنگلوں اور باغوں کی سیر کرنے اور شکار مارنے سے باز رکھی گئی۔
یہ مخالفت اور مزاحمت اگرچہ اُسکے آزادانہ خیالات اور قدیمی پالیسی پر بہت برا اثر ڈالنے کو مستعد تھی
اور در اصل اگر غور کیا جاتا ہے تو یہ قید آرزم بانو جیسی آزاد اور بہادر عورت کیلئے نہایت ہی قلق اور
صدمہ کا باعث ہو سکتی ہے مگر آفرین ہے تجھے اے آرزم بانو کہ تیری متانت اور سنجیدگی نے اس خیال کو پانوں
مٹا دیا اور ان ناگوار اور مکروہ باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کیکے اپنے شوہر کی اطاعت سے سر مو تجاوز
نہیں کیا اور مرتے دم تک اُسے خوش رکھا۔

آرام جان بیگم یہ عصمت پناہ اور شریف خاتون نور الدین جہانگیر بادشاہ کی پانچویں بیگم ہے
جو ظاہری خوبصورتی اور حسن و جمال کے علاوہ عقل و دانش اور حزم و احتیاط کا
کافی سرمایہ رکھتی تھی۔ گو جہانگیر کی اور بیگمات بھی طباع اور خوش فکر تھیں مگر جو جودت ذہن اور موزونی
طبع اس بیگم نے پائی تھی دوسری کو نصیب نہ تھی گویا اسکی فطرت میں ہر چیز کی قابلیت کا مادہ
قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ آرام جان کی تاریخی زندگی پر بحث کرتے اور اُسکے اطوار و عادات
کو قلمبند کرتے وقت ایک لائق اور بیغرض مورخ اس قدر ضرور کہہ سکتا ہے کہ متلون المزاج اور تند خو
عورت تھی لیکن جب ہم آرام جان کے تمام کوائف اور دلکش حالات پر ایک غائر نظر ڈالتا ہے تو اُسکے ساتھ
ہی یہ کہنے پر فورًا مجبور ہو جاتا ہے کہ آرام جان ہمیشہ اس کوشش میں لگی رہتی تھی کہ جہانتک
بن پڑے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا مطیع بنائے چنانچہ انجام کار ایسا ہی ہوا کہ سخت سے سخت
اور نہایت کڑی بات کا بھی بڑے سکون و وقار کے ساتھ تحمل کرتی تھی اور جس متانت و سنجیدگی
سے جواب دیتی تھی ہر شخص کے نزدیک عظمت کے قابل ہوتا تھا۔
آرام جان بیگم نے اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی اور لڑکپن کے زمانہ میں معمولی نوشت خواند کے علاوہ

اور کچھ حاصل نہیں کیا تھا لیکن وہ اپنے ذہن رسا اور خداداد قابلیت کی وجہ سے بعض وہ علمی مضامین و مطالب حل کر دیتی تھی کہ سننے والے دنگ ہو جاتے تھے اسکی طبیعت بچپن ہی سے لطیفہ سنجی اور مذاق پسندی کی طرف مائل تھی لیکن مذاق بے نتیجہ اور فضول نہ ہوتا تھا بلکہ اسمیں ایک نہ ایک ایسی بات کا آغاز اور مفید ضرور ہوتی تھی جس سے سننے والے فوراً کوئی نہ کوئی عمدہ اور نیا نتیجہ نکال لیتے تھے۔

یہ ایک عجیب و غریب بات ہے کہ آرام جاں باوجودیکہ علمی سرمایہ بہت ہی کم رکھتی تھی لیکن پھر بھی اپنی زور طبیعت سے مشکل شعر ادنیٰ تامل کے ساتھ حل کر دیتی تھی اُسے فن شاعری سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ فارسی اشعار کہتے کہتے عربی میں بھی طبع آزمائی کرنے لگی تھی گو اُسکی طبیعت اور ذہن رسا تھے اسمیں بھی اُسے بڑی مدد ملی تھی مگر چونکہ وہ عربی کے قواعد اور ضوابط نیز اُسکے محاورات سے غافل تھی لہذا عربی اشعار میں الفاظ کی بندش صحیح مگر محاورات محض غلط ہوتے تھے بلکہ اکثر الفاظ بھی غلط استعمال کئے جاتے تھے آرام جان نے فارسی زبان میں بہت سے اشعار اور قصائد موزوں کئے لیکن افسوس کہ وہ کتابوں کی جلدوں ہی میں چھپے رہے اور کسی مورخ کے ہاتھوں میں نہ پڑے۔

جہانگیر کی سوانح عمری پر نظر ڈالنے سے یہ امر عموماً تسلیم کرنا پڑتا ہی کہ اُسکی تمام بیگمیں شاعرہ و بذلہ سنج تھیں اور خود جہانگیر بھی کبھی کبھی شعر کے موزوں کرنے میں طبع آزمائی کیا کرتا تھا لیکن جو حاضر جوابی اور بے ساختگی اور فی البدیہہ شعر کہنے میں آرام جاں بیگم کو ملکہ حاصل تھا وہ کسی اور بیگم کو تو کیا خود جہانگیر کو بھی میسر تھا اس فن میں اُس نے وہ قدرت اور دستگاہ پیدا کر لی تھی کہ بڑے بڑے ایرانی شعرا اُسکے اشعار سنکر حیرت میں رہجاتے تھے۔

ہم اس پاکدامن اور روشن دماغ خاتون کی شاعری اور حاضر جوابی کا نمونہ ذیل کی ایک حکایت میں ناظرین کو دکھانا چاہتے ہیں یہیں سے اُس کی طبیعت اور ساتھ ہی عقل کا بھی کافی طور پر موازنہ ہو سکتا ہی جہانگیر کو شطرنج کھیلنے کا بہت شوق تھا اور قریباً محل کی تمام بیگمات اس فن میں بڑی مہارت رکھتی تھیں لیکن جس قدر آرام جاں بیگم کو اُسمیں تجربہ اور درک تھا اسقدر کسی اور کو نہ تھا گو وہ اُسے ایک فضول اور بے نتیجہ کام تصور کرتی تھی اور اکثر کہا " کرتی تھی کہ جس کام کا محنت کے بعد کچھ نتیجہ نہ نکلے وہ شطرنج بازی ہی مگر پھر بھی اسکا میلان طبع اس طرف بہت تھا اُس نے شطرنج میں رفتہ رفتہ وہ مشق بڑھالی تھی کہ جہانگیر جیسا چالاک کا مشہور شخص اکثر اُس سے مات کھا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جہانگیر ایک شہزادے سے کھیلنے بیٹھا اور یہ بازی مقرر ہوئی کہ جو شخص مات کھا جائے وہ اپنی بیگم بازی لیجانیوالے کی نذر کر دے چنانچہ دونوں نے اسپر معاہدہ کیا اور ایک تحریری اقرارنامہ

بھی مرتب ہو گیا شطرنج بچھائی گئی اور جانبین سے چالیں چلنی شروع ہو گئیں اتفاق سے شہزادہ کی بازی نے اچھا نقشہ جمایا اور جہانگیر کو بازی کی طرف سے مایوسی ہو گئی اور ایک غیر معمولی تذبذب سے اُسکے چہرہ پر تغیر کے آثار آہستہ آہستہ دوڑنے لگے۔ لیکن جہانگیر نے اپنی حالت کو درست کرنے اور چہرہ کے آثار تغیر کو مٹانے میں بہت کوشش کی۔

جہانگیر کو جب کوئی چال چلتے بن نہ پڑی اور مات کا خیال اُسکے دل میں آیا تو فوراً شطرنج کا نقشہ اُسی طرح چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور محل میں داخل ہو کر سیدھے نور جہاں بیگم کے پاس آیا جو نہایت ہی طباع اور ذہین عورت تھی نور جہاں کا چہرہ دیکھتے ہی تاڑ گئی کہ آج بادشاہ کسی بڑی اُلجھن میں پھنس گیا ہے خدا خیر کرے یہ مایوسی اور بے چینی خالی از علت نہیں ہے نور جہاں ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ جہانگیر اسکا ہاتھ پکڑ کے اپنے پرائیوٹ کمرے میں لیگیا اور معمولی مزاج پرسی کے بعد گویا ہوا کہ بیگم آج مجھے ایک شہزادے سے شطرنج کھیلی ہے اور باہم یہ شرط قائم ہوئی کہ مات کھا جانے والا اپنی ایک بیگم بازی لیجانے والے کی نذر کرے چنانچہ کئی چالوں کے بعد اب یہ موقع آپڑا ہے جس میں مجھے اپنی مات ہو جانے کا خیال ہے خیال کیا یقین ہے یا تو کوئی ایسی چال بتاؤ کہ میں بازی ہاتھ سے نہ دوں یا یہ مشورہ دو کہ کونسی بیگم کی مفارقت گوارا کروں۔ نور جہاں بیگم باوجود اُس دانش و عقل کے جسے نہ صرف جہانگیر ہی بلکہ دربار کے اکثر لوگ تسلیم کر چکے تھے جہانگیر کی یہ دہشت انگیز تقریر سنکر پہلے تو حیرت سے اُسکے منہ کو تکنے لگی پھر نیچی گردن کرکے خاموش ہو گئی اس بیجا خاموشی نے جہانگیر کو کسی قدر آشفتہ کر دیا اور آناً فاناً میں اُس کی آشفتگی غیظ و غضب سے بدلنے لگی۔

نور جہاں بیگم نے اگرچہ اپنی تذبذبانہ حالت کے چھپانے میں بہت کوشش کی مگر بدقسمتی سے اس میں کامیاب نہیں ہوئی اور تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد دست بستہ عرض کرنے لگی کہ حضور میں اعتراضاً خاموش و متحیر نہیں ہوئی بلکہ میرے سکوت کی وجہ یہ ہے کہ جس چال کی بابت آپ نے ذکر کیا ہے مطلق میری سمجھ میں نہیں آئی گویا آپ کی پہلی بات کا جواب اسوقت مجھ سے بن نہیں آتا اور میں اس میں محض قاصر ہوں نورجہاں کی اس لجاجت آمیز تقریر نے جہانگیر کی آشفتگی اور بے چینی کو کسی قدر فرو کر دیا اور اب وہ نرمی کے لہجہ میں بولا کہ اچھا میری دوسری بات کا جواب لو۔ نور جہاں بیگم نے نہایت برجستگی کے ساتھ فی البدیہہ یہ شعر پڑھا

؎ تو بادشاہ جہانی جہاں ز دست مدہ — کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آمد

یعنی اے بادشاہ تو ایک جہان کا شہنشاہ ہے اور جب یہ ہے تو نور جہان کو اپنی صحبت سے جدا نہ کر کیونکہ بادشاہ جہان کیلئے جہان مفید اور کار آمد ہوتا ہے جہانگیر کی جب نور جہاں سے مطلب برآری نہیں ہوئی

تو اس نے اپنی دوسری بیوی حیات النسا بیگم کو اپنے پرائیوٹ کمرہ میں بلایا اور گذشتہ قصہ سرتاپا بیان کیا اس بیگم نے بھی پہلی بات کا تو جواب نہیں دیا لیکن دوسرے سوال کے متعلق بیساختہ یہ شعر پڑھ دیا

جہاں خوش است ولیکن حیات می باید ‏ ‏ ‏ ‏ اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

یعنی اس بات کا خوشی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جہاں نہایت پُر لطف جولانگاہ ہے لیکن اسکے ساتھ ہی حیات کی جسے زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے سخت ضرورت ہے کیونکہ جب حیات ہی نہ ہو تو جہان کس کام آسکتا ہے،،

حیات النسا بیگم نے اپنے اس شعر میں نورجہاں پر ایک سخت تعریض اور عاقلانہ حملہ کیا ہے گویا اس نے جہانگیر کو ان الفاظ میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ میں تسلیم کرتی ہوں کہ نورجہاں بادشاہ کے عیش و عشرت کا عمدہ ذریعہ ہے لیکن بغیر حیات النسا کے اس کی تکمیل ناممکن بلکہ سخت محال ہے بادشاہ کر سکتے ہیں کہ اگر آپکے پاس حیات نہیں تو نورجہاں کس کام آسکتی ہے گویا حضور کی عیش و عشرت کی روح حیات النسا ہی ہے جہانگیر کے دل میں ان دونوں بیگموں کے جواب نے ایک عجیب تغیر اور انقلاب پیدا کر دیا اور اب اس نے ایک تیسری بیگم کو قنات النسا کے حاضر ہونیکا حکم دیا اس نے حاضر ہوتے ہی برجستہ ایک ایسا شعر پڑھا کہ دونوں بیگموں کے مضمون کو مات کر دیا وہ کہتی ہے ؎

جہان و حیات ایں ہمہ بیوفاست ‏ ‏ ‏ ‏ فنا را نگہدار کاخر فناست

یعنی جہان اور حیات سب بے مروت اور ناوفا ہیں فنا کو آنکھ سے اوجھل نہ کرنا چاہیئے کیونکہ آخر کار فنا ہی ہے اس شعر میں فنات النسا بیگم نے جس سرّ کی طرف اشارہ کیا ہے اور جس نتیجہ خیز مضمون کو ثابت کیا ہے درحقیقت عظمت کے قابل ہے جہانگیر نے اب اپنی چوتھی بیگم یعنی آرام جان کو بلایا اس عاقلہ اور ذہین بیگم نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور وہ کون سی چال ہے جس سے آپ کو امید مات ہے آپ میرے سامنے وہ نقشہ پیش کیجیے ممکن ہے کہ لونڈی کے خیال میں کوئی چال آجائے جہانگیر نے وہی نقشہ آرام جان کے روبرو جمایا اس ہوشیار اور طباع بیگم نے تھوڑی سی غور و فکر کے بعد نہایت آزاد مزاجی کی شان سے یہ پُر جوش شعر پڑھا ؎

شاہا دو رخ بدہ و دل آرام را بجہ ‏ ‏ ‏ ‏ پیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

جہانگیر اس شعر کو سنکر پھڑک گیا اور ایک نہایت ہی بے اختیارانہ جوش اور بیتابانہ مسرت سے اسکا چہرہ چمکنے لگا آرام جان کی روشن دماغی پر تعجب کرتا ہوا اور اپنی کامیابی پر خوش ہوتا ہوا محل سے برآمد ہوا اور جو چالیں آرام جان نے بتائی تھیں چلکر بازی لیگیا اس حکایت سے آرام جان کی اس حیرت انگیز ذہانت اور قابلیت کا ثبوت ملتا ہے جس نے زبردستی تعریفی الفاظ اپنے لئے مورخین کی زبان اور قلم سے مخصوص کرا لئے ہیں

ارجمند بانو یا ممتاز محل

یہ نامور شہزادی شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ کی پہلی بیگم ہے جسکے دلفریب حسن اور خداداد عقل کا شہرہ دور دور پہنچا ہوا تھا اس بیگم نے نہ صرف اپنے حسن و خوبصورتی سے شاہجہان جیسے نامور و اولوالعزم بادشاہ کا دل اپنی طرف مائل کر لیا تھا بلکہ اپنی خداداد قابلیت اپنی عالی دماغی اپنی قابل تعریف تہذیب و شائستگی اپنے شریفانہ اخلاق اپنے مہذبانہ عادات سے اُسے اپنا شیفتہ بنا لیا تھا گو شاہجہان کی دوسری بیگم عزیز النسا بھی بڑی لائق و قابل عورت تھی اور حسن و خوبی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی لیکن جو بات کہ اس بیگم کی فطرت میں رکھدی گئی تھی وہ کچھ اور ہی بات تھی اسی وجہ سے بادشاہ اس سے کمال محبت و الفت رکھتا اور اسکی عصمت و پاکدامنی کی ادا پر جان دیتا تھا اُسے اُسکی ایک دم کی جدائی بھی ناگوار اور شاق تھی اور بغیر اُسکے تمام عیش بے لطف اور مکدر ہو جاتے تھے۔

یہ بیگم نہایت ذکی الطبع اور تیز عقل تھی اور اپنی قابلیت کو ہمیشہ موقع ہی پر استعمال میں لاتی تھی اس نے صرف اپنی بلند حوصلگی سے بہت سی نہایت سخت اور کڑی مہمیں سر کیں اور بادشاہ کو ہمیشہ اپنے نتیجہ خیز مشوروں اور اصابت رائے سے ہر خطرناک موقع سے بچاتی رہی۔

ایک فاضل مورخ کا بیان ہے کہ ارجمند بانو ایک نہایت ہی خلیق اور بامروت خاتون تھی اس کا مزاج نہایت دھیما اور متحمل تھا جب تک کسی بات کے موافق و مخالف دونوں پہلوؤں کو غائر نظر سے نہ دیکھ لیتی اور ہر موقع کے اُتار چڑھاؤ پر خیال نہ دوڑا لیتی نیز آئندہ اور گذشتہ نتائج کو اچھی طرح نہ سمجھ لیتی تھی کبھی اُس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہی نہ ہوتی تھی اُس کی زندگی کے جسقدر حالات تاریخی صفحوں میں دیکھے جاتے ہیں سب حیرت بخش اور نتیجہ خیز ہیں جن سے ہر ایک شخص بڑی بڑی زبردست نصیحتیں نکال سکتا ہے ارجمند بانو بیگم کے عام حالات زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نہایت ہی مخیر اور فیاض عورت تھی اور اُسے دوسری شہنشاہ بیگموں اور نامور شہزادیوں کی طرح جو آرائش و زینت و آسائش و راحت پر دلدادہ ہیں بظاہر دنیا کی مال و دولت اور تجمل و ثروت کے حاصل کرنیکی طمع نہ تھی وہ ایک نہایت دانشمندی اور ہر قسم کے اعلیٰ درجے کے شاہی اوصاف کا مجموعہ تھی جسے ہر وقت عام طور پر مخلوق خدا کو نفع پہنچانے اور ہر قسم کے آفت زدوں کے ساتھ ہمدردی اور رحیمانہ برتاؤ کرنے اور اُنکے دکھ درد میں شریک ہونے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ تھا اُس کی زندگانی کے نہایت درخشاں سطح پر انکساری اور متواضعانہ اخلاق کے سوا دوسری چیز بہت کم نظر آتی ہے۔

اس فیاض بیگم کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ اسکی دولت و حشمت اسکی ذاتی ضرورتوں کی نسبت اپنے ماتحت

محتاجوں اور بے سرمایہ عزیزوں کی حاجات و ضروریات کے رفع کرنیکے لیئے زیادہ موزوں ہے یہی وجہ تھی کہ اُسنے اپنے اس خیال کے مطابق اپنے دولت و مال کا بڑا حصہ ایسے شخص کی ضروریات و حاجات میں بیدریغ صرف کردیا تھا جو ہمیشہ اسکی ماتحتی میں رہتے تھے

یہ ارجمند بانو کی فیاضی اور سخاوت ہی کا نتیجہ ہے کہ جسقدر اُسکے متعلقین اور ماتحت تھے سب اُس سے خوش تھے اور اُنھوں نے اپنی اور اپنے متعلقین کی پیاری اور بیش قیمت جانیں اُسکے اختیار میں دیدی تھیں کہ اگر اسکا اشارہ ہو تو انہیں ایک پل میں قربان کر ڈالیں گویا یہ لوگ ارجمند بانو کے نوکِ حکم پر اپنی جانوں کو صرف اُس کی خوشی کیلئے نیست و معدوم کرنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

ارجمند بانو کی فیاضی اور سیرچشمی کی ایک ادنےٰ مثال یہ ہے کہ جب شاہجہان تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا ہے اور ہندوستان کی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے تو اُسنے اس خوشی کی تقریب میں ایک بہت بڑا جشن کیا اور اسمیں سیرچشم بیگم نے اپنی فیاضانہ ہمت اور فراخ حوصلگی سے اُسی وقت تمام اشرفیاں اور سامان بادشاہ پر سے نچھاور کرکے فقرا اور محتاجونکو دیدیا بلکہ کچھ اپنا ذاتی روپیہ بھی اہل موقع پر بیدریغ صرف کر ڈالا۔ اسیطرح جب شاہجہاں نے تخت نشینی کے دوسرے سال یعنی ۱۰۳۸ھ ہجری میں اپنے دارالخلافہ میں جشن کا رنگ جمایا اور فوجی افسروں کے دل بڑہانے کیلئے انہیں کثیر التعداد اور قیمتی مطلوب انعام عطا فرمائیں اور منصبداروں عہدہ داروں کے عہدوں میں نمایاں ترقی کی تو ارجمند بانو کو پچاس لاکھ روپیہ نقد عطا کیا اس دریا دل اور حوصلہ بیگم نے اُسی جلسہ میں اُس روپیہ کو بھی صرف کردیا اور اپنی ضرورت کیلئے ایک پائی بھی اپنے پاس بچا نہ رکھی غرضکہ ارجمند بانو کی تاریخ زندگی سے بہت سی ایسی مثالیں مستنبط ہوسکتی ہیں جو اُسی فیاضی اور دریا دلی و ہمدردی میں لاجواب و بے نظیر ثابت کرتی ہیں۔

گو شاہجہان اپنی اس پیاری اور چاہیتی بیگم کو سولہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرتا تھا اور کل خرچ شاہی اخراجات سے اُٹھاتا تھا لیکن جب اس عالی حوصلہ عورت کا انتقال ہوا ہے تو اُسکے خزانہ میں کچھ بھی نہ تھا اُس نے سب اپنی زندگی میں نیک اور خیراتی کاموں میں صرف کردیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ارجمند بانو میں اس قسم کی بہت سی باتیں تھیں جو جبرًا اور زبردستی شاہجہاں کا دل اسکی طرف متوجہ کرتی تھیں۔ شاہجہاں جیسا مدبر اور ہوشیار بادشاہ ارجمند بانو کو اپنی خوش قسمتی کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے اس سے کمال درجہ الفت رکھتا تھا۔

یہ جمیلہ بیگم محل میں بآزادی رہتی تھی شاہجہان کو اسکی کسی بات پر شبہ نہیں ہوا اسکی طرز معاشرت اور چال چلن نے اُسے اپنے اوپر کبھی مشتبہ ہونے دیا۔ یہ شاعری اور فضول طبع آزمائی سے بالطبع نفرت کرتی

تھی مگر تاہم قدما کے نتیجہ خیز اشعار اکثر اوقات پڑھا کرتی اور اُنکے کلام سے دلچسپی لیا کرتی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ارجمند بانو اپنے محل میں بیٹھی ہوئی کسی دیوان کا مطالعہ کر رہی تھی اور ایک نہایت ہی نتیجہ خیز شعر اُسکے زیر نظر تھا جسکا پُر اثر اور جوشیلا مضمون اُسکے دماغ میں بجلی کیطرح کوند رہا تھا انجام کا اُسمیں ایک فوری جوش پیدا ہو گیا اور وہ بار بار اپنی اس بیخودی اور محویت کیحالت میں اُس شعر کو چلا چلا کر پڑھنے لگی اتنے میں کہیں شاہجہاں بھی محل میں چلا آیا اور اُسنے اپنی چاہیتی بیگم کی یہ خلاف معمول حالت دیکھکر متعجب ہوا اول تو وہ کچھ عرصہ تک ارجمند بانو کے پس پشت کھڑا رہا لیکن جب زیادہ دیر ہو گئی تو قریب جاکر بولا کہ بیگم! کیا تم اس دیوان میں کوئی عمدہ مضمون دیکھ رہی ہو۔ ارجمند بانو کی روح پر اُسکے جوشیلے جذبات اور محویت کچھ ایسی محیط ہو گئی تھی کہ اُسے بیخبر نہ ہوئی کہ مجھے کون پکار رہا ہے۔ شاہجہاں کو جب بجز سکوت اور خاموشی کے کوئی جواب نہ ملا تو وہ اپنی متانت سے خاموش کھڑا رہا اور دوبارہ آواز نہ دی لیکن جون ہی ارجمند بانو کی بیخودی کم ہوئی اور اسنے شاہجہان کو سامنے کھڑا دیکھا فوراً چونک پڑی اور یکایک سر سے پاؤں تک کانپنے لگی۔

شاہجہاں کا ایسے وقت میں دفعۃً اور یکایک چلا آنا سراسر ضابطے کے خلاف تھا کیونکہ اُس کا عام دستور تھا کہ بغیر اطلاع کبھی محل میں قدم نہ رکھتا تھا بلکہ کچھ عرصہ پیشتر خواجہ سرا آکر آگاہی دیتا تھا کہ آج شہنشاہ عالی جاہ فلاں وقت محل میں جلوہ فرما ہونگے تمام محلسرا میں اسی قاعدہ کا عام طور پر دستور تھا پھر اس معمولی عادت کے برخلاف شاہجہاں کا یکایک بے اطلاع یون آکھڑا ہونا ضرور ایک چونکا دینے والا خیال تھا۔ ارجمند بانو بادشاہ کو دیکھتے ہی کانپ اُٹھی کہ یہ کیسی اچانک آفت آئی اور یہ خلاف قاعدگی بادشاہ نے کیوں کی۔ فوراً مودب کھڑی ہو گئی اور عرض کیا کہ حضور کچھ دیر سے جلوہ فرما ہیں فدوی معافی کی خواستگار ہے مجھے کتاب کے مطالعہ نے اس درجہ بیخود اور محو کر دیا کہ حضور کی تشریف آوری کی خبر تک نہ ہوئی بیگم کی یہ تقریر سنکر بادشاہ نے اُسکی دلجوئی کی اور تسلی دی اور کہا بیگم تم مجھے معاف کروگی کہ میں اسوقت تمہارے بیش قیمت وقت میں خلل انداز ہوا چونکہ کئی روز سے تمہیں دیکھا نہ تھا اسلیئے تم سے ملنے کیلئے بغیر اطلاع چلا آیا۔ یہ کہکر بادشاہ نے سفید موتیوں کا کنٹھا ارجمند بانو کے گلے میں ڈالدیا اور مسکرا کر کہا کہ میں تمہیں تمہارے اس جوش کی مبارکباد دیتا ہوں چند منٹ تک بادشاہ نے خندہ پیشانی کے ساتھ ادہر اودہر کی باتیں کیں اور خانہ داری کے انتظامات کے متعلق چند سوالات کیئے جنکا شافی جواب پاکر بادشاہ رخصت ہوئے۔ ارجمند بانو اپنی ذاتی قابلیت اور لیاقت سے ایسی ڈھال ڈھال کر سینکڑوں باتیں کیا کرتی تھی جنسے شاہجہان جیسا سنجیدہ بادشاہ پھڑک پھڑک اُٹھتا تھا یہ جوہات منہ

سے نکالتی تھی اُس میں کوئی نہ کوئی ایسی سنجیدگی ہوتی تھی کہ سننے والے کو کیفیت آجاتی تھی۔ اکثر بڑے بڑے قابل امراء سے خط و کتابت رکھتی تھی اور نہایت آزادانہ طریق سے ہر بات کا شافی جواب دیتی تھی۔

یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہی کہ ارجمند بانو باوجود اس شان و شوکت کے ایک نہایت مقتدر اور اولوالعزم شہنشاہ کی عزیز بیگم تھی اور ایک بڑے شہر کی معقول آمدنی اُسکی تنخواہ میں سلطنت کی طرف سے ملتی تھی مگر وہ بڑی جفاکش اور منتظم عورت تھی اِسکا اکثر وقت یا تو انتظام خانہ داری میں صرف ہوا کرتا تھا یا اپنے معزز شوہر کی خدمت اور شہزادیوں کی تربیت اور خبر گیری میں۔

ارجمند بانو کی تاریخ زندگی میں جو سب سے زیادہ قابل تعریف اور وقعت کے لائق جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقہ کاموں کا سرانجام اس جرأت اور آزادی کیساتھ دیتی تھی جسکی نظیر ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم ملسکتی ہی اُسکے جسقدر ماتحت اور متعلقین تھے سب اُس سے خوش تھے اسکا برتاؤ اُنکے ساتھ ہمیشہ فیاضانہ اور رحیمانہ ہوا کرتا تھا خیراتی کاموں میں بڑا حوصلہ کرتی تھی اور مسافروں اور نو واردوں کی خاطرداری اور دلجوئی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتی تھی اکثر اپنی خواصوں اور شاہجہاں کے مصاحبوں کو انعام و اکرام سے مالامال کر دیا کرتی تھی

ممتاز محل کی لائف کے متعلق بہت سے ایسے غلط افسانے اور بے سروپا باتیں بھی شہرت پکڑ گئی ہیں جنکی ذرا بھی اصلیت نہیں اور زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہی کہ بعض مشہور اور نامور مصنفوں نے بلا تحقیق و تدقیق اُن بیہودہ اور بے سروپا غلط واقعات کو اپنی نامکمل تالیفات میں نقل بھی کر دیا ہی جس سے ان پڑھ لوگوں کو اپنے غلط اور فضول خیالات کیلئے ایک کافی تائید ہو گئی ہی خصوصاً بعض یورپین مصنفوں نے انہیں بالکل سچے واقعات خیال کر کے اس قسم کے مضحکات کا خوب ہی خاکہ اڑایا ہی لیکن یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہی کہ اکثر مسیحی مصنفوں کی تصنیفات میں یہ ایک عام قاعدہ سا رواج پا گیا ہی کہ جب وہ تاریخی حالات اور گذشتہ ناموروں کے واقعات لکھنے بیٹھتے ہیں تو اصلی اور بناوٹی حالات میں ذرا بھی تمیز نہیں کر سکتے بلکہ بعض بعض مقامات پر اپنی تصنیف میں مشاہیر اور فرمانروایان اسلام پر نہایت ہی بیدلانہ لفظی حملے کر جاتے ہیں جو ایک صریح کذب اور افترا پردازی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں سو اس عالمگیر غلطی کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں یا تو یہ کہ وہ نہایت ضعیف خبروں پر اعتماد کر کے تحقیق کے سلسلوں اور ذرائع کو بالکل استعمال میں نہیں لاتے حالانکہ ایک قابل اور نصفت پسند مورخ کا فرض منصبی ہی کہ وہ واقعات کی یہانتک چھان بین کرے کہ صحیح غلط سے بالکل الگ ہو جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی رہجائے یا یہ وجہ ہے کہ عیسائی مورخین تعصب و ہٹ دھرمی کی پٹی آنکھوں پر باندھکر جو جی میں آتا ہے بے سوچے سمجھے لکھ جاتے

ہیں اور عوام کو دھوکا دینے کی غرض سے مصنوعی اور بناوٹی افواہوں کو جدت کا لباس پہنا کر شائع کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات یہی متعصب مورخین اصلی اور واقعی حالات میں ایسی بیہودہ تراش خراش اور ذلیل کاٹ چھانٹ کرتے ہیں کہ سچے اور صداقت آمیز واقعات کی خوبصورت اور روشن تصویر نہایت تاریک اور بدنما ہو جاتی ہے۔ جیسے عالمگیر کے واقعات۔

یہ عام طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جو شخص اپنی ذاتی خوبیوں اور فطری جوہروں کی شہرت اور نیکنامی حاصل کرلیتا ہے اسکی نسبت اچھی بری دونوں طرح کی سینکڑوں روایتیں خود بخود اشاعت پا جاتی ہیں بلکہ بہت سی بے سر اور سرتاپا لغو باتیں زبان زد خاص و عام ہونے لگتی ہیں اور بعض حالتوں میں اسقدر شہرت پکڑ جاتی ہیں کہ محتاط لوگوں کو بھی اُنکے متواتر ہونیکا شک ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اُن روایات کی کامل غور اور کوشش کیساتھ چھان بین کیجاتی ہے تو اُنکی بنا صرف بیجا توہمات اور فضول خیالات پر معلوم ہوتی ہے۔

یہ بات نہ صرف ارجمند بانو یا شاہجہاں ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہم بہت سی اس قسم کی بے سر و پا جعلی اور جھوٹے افسانے بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہوں کی نسبت لکھے دیکھتے ہیں نوشاد افغوں کی زبان سے سنتے ہیں مثلاً اکبر بادشاہ کے دربار کی نسبت۔ نیز ملا دو پیادہ اور بیربل کی بابت ہم بہت سی وہ نامناسب باتیں بڑی شہرت کے ساتھ سنتے ہیں جنکا پتہ کسی نامور اور معتبر تاریخ سے نہیں لگتا لیکن جب ہم دوسری تاریخی دنیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بعض تالیفات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان ہی بے تحقیق لطائف اور فرضی روایات کو اسکے دربار کے واقعی حالات لکھے پاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے بڑی آب و تاب سے ان ہی نامعتبر اور بے سند باتوں کو واقعی حالات کے قالب میں ڈھال کر دکھایا ہے حالانکہ مستند تاریخوں میں ان بے اصل فسانوں کی کچھ بھی اصلیت نہیں پائی جاتی۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ نویسی ایک نہایت ہی مشکل اور دقت آفرین کام ہے کسی امر کو تحقیق کرنا اور مذہبی تعصب قومی طرفداری کو بالائے طاق رکھکر کسی شخص کی نسبت منصفانہ اور آزادانہ خیالات کا ظاہر کرنا درحقیقت بڑی نصفت پسندی کی بات ہے جن لوگوں نے اسکی دشوار گذار گھاٹیاں طے کی ہیں یعنی اُن واقعات پر قلم فرسائی کی ہے یا اُن پہاڑوں اور صحراؤں کو قلم اور دماغ کی رہبری سے کچھ طے کیا ہے وہی خوب اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس رستہ چلنے والے کو قدم قدم پر کیسی ناگوار ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں اور پھر بھی منزل مقصود پر بمشکل رسائی حاصل ہوتی ہے۔

الغرض ارجمند بانو کی سوانح عمری پر نظر ڈالی جاتی ہے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی حوصلہ مند عالی دماغ بلند خیال پرلے درجہ کی فیاض اور انتہا سے زیادہ عقلمند خوش قسمت خاتون تھی

سکے یہاں شاہجہان سے چودہ اولادیں ہوئیں جنمیں سے سات اولادیں تو کمسنی اور نوعمری میں مرگئیں
وہ سات باقی رہیں جو اولادیں ارجمند بانو کے سامنے زندہ رہیں انمیں چار نامور شہزادے اور تین شہزادیاں
تھیں جنکے نام حسب ذیل ہیں۔ دارا شکوہ۔ شاہ شجاع۔ میرزا مراد۔ اورنگ زیب عالمگیر۔ انجمن آرا
گیتی آرا۔ جہاں آرا۔ یہ کل اولادیں ممتاز محل کی اکیس سال کی خانہ داری کا نتیجہ ہیں۔

ارجمند بانو نے ۱۰۴۰ھ میں سترہویں ذیقعدہ کو وفات پائی۔ اسکے انتقال کا سبب مورخین نے
اس طرح بیان کیا ہے۔ شروع میں خفیف سا بخار ہوا اور دو تین روز کے عرصہ میں اُسنے اس قدر شدت
پکڑی کہ ممتاز محل نہایت کمزور اور ناتوان ہوگئی۔ ہر چند کہ شاہی طبیب جو حاذق اور تجربہ کار تھے
ازالہ مرض کی تدابیر میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کوشش کر رہے تھے مگر خدا کی شان کہ کوئی دوا مفید
پڑی اسی اثناء میں ممتاز محل کو درد زہ شروع ہوا اور وقتاً فوقتاً شدت پکڑتا گیا جس نے اُسے کامل
طور پر یقین دلایا کہ نواب زندہ نہ رہے گی۔ مرض کی شدت و لکی بیتابی بڑھتی جاتی ہے اگر یہی حال رہا
تو بس تھوڑی ہی دیر کی اور مہمان ہے اور آخر کار یہی ہوا جب اُسے اپنی طبیعت پر گھبراہٹ زیادہ
معلوم ہوئی تو شاہجہاں سے مخاطب ہوکر کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس عادت اور طبیعت پر میں پیدا کیگئی تھی
اسی میں میں نے اپنی ساری عمر نہایت خوش اسلوبی سے بسر کی خدا کا شکر ہے کہ میرے دل میں کوئی تمنا کوئی آرزو
باقی نہیں ہے میں دیکھتی ہوں کہ لوگ ذرا بھی دولتمند ہو جاتے ہیں تو اُنکے ولولے اور حوصلے نئی نئی تمناؤں کا
شوق دلانے لگتے ہیں مگر افسوس اُس وقت یہ ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا کہ ان شوقوں کا نتیجہ کیا نکلیگا
دنیا کے وسیع منظر پر ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسی خوشنما اور عظیم الشان عمارتیں نظر پڑینگی جنکی ایک ایک
افتادہ اور خاک آلود اینٹ کے نیچے صدہا شوق حسرتوں سے گلے مل ملکر ہمیشہ پرنم آنکھوں سے آنسو بہایا
کرتے ہیں۔ کیا ان عالیشان عمارتوں کے بانیوں کو معلوم تھا کہ ہمارے شوق یوں خاک میں ملجائینگے
بلکہ انکی اس وقت کی اقبال مندی ایسی حسرت نصیبی کے خیالات کو نامبارک اور منحوس سمجھتی تھی دنیا میں
ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہیں اس قسم کے حیرتناک مقامات پہ افسوس آتا ہو مگر جب ان عمارات کو اُنکے
بانیوں کی آنکھ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا انمیں کس قدر آرزوؤں کا خون ہوا ہے اور کتنی تمنائیں تڑپ رہی
ہیں گو یہ باتیں عام طور پر تمام لوگوں میں دیکھی جاتی ہیں جنسے شاید اسوقت سے پیشتر میں بھی مستثنے ہو سکی
ہوں مگر خدا شاہد ہے کہ میں اس قسم کے نامبارک جوش اور ولولے سے ہمیشہ محترز رہی ہوں ہمیشہ سونے کے ڈھیر
اور جواہرات کے ڈھیروں میں رہی لیکن بخدا انکی وقعت میرے دل میں خاک کے تودے سے زیادہ کبھی نہیں
سمجھی گو میرا ہر ایک نفس ہر وقت دنیا کی طرف مائل رہا تاہم میں نے اپنے قلب کی پرزور طاقت سے

اُسے حتی الامکان روکا۔ اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ہمارے گناہ ایسے بیشمار ہیں کہ اگر ہمیں قرآن مجید میں خداوندی بشارت نہ سنائی جاتی تو کبھی فلاح و نجات کی صورت ہی نظر نہ آتی۔

ممتاز محل بیگم کی اس گفتگو کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا کہ اب اُس کی زبان رُک گئی اور سینہ میں رُک رُک کر سانس آنے لگا اور ساتھ ہی اُسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور پیشانی سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگیں اور ابروؤں کی کجی صاف بتا رہی تھی کہ اس وقت یہ بیگم بڑی ناگوار تکلیف کی برداشت کر رہی ہے۔ شاہجہاں نے اُسکی یہ حالت دیکھکر ایک بے اختیاری کے جوش کے ساتھ آہ سرد کھینچی اور اُس نے اپنی طبیعت پر جبر کرکے بہت بڑے ضبط سے کام لیا مگر پھر بھی اُسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور کہنے لگا بیگم صاحبہ یوں تو جو خدا کی مرضی ہے ہو کر رہیگی لیکن تم مطمئن رہو کہ تمہارے مرض کی حالت ایسی خراب نہیں ہے جس سے زندگی کی طرف سے مایوسی ہو جائے بیشک اسوقت زیادہ کرب ہے جسکی وجہ سے یہ گھبراہٹ اور بےچینی ہے مگر تمہیں ہرگز ایسا ناامید نہ ہونا چاہیئے خدا پر نظر رکھو جو طبیب تمہارے معالج ہیں وہ ایک نامور مشہور طبیب ہیں انشاء اللہ اب جلد صحت ہوئی جاتی ہے

شاہجہان یہ تسکین آمیز الفاظ زبان پر لا رہا تھا اور ممتاز محل کو اپنی طبیعت پر آناً فاناً مرض کا غلبہ معلوم ہوتا تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ مرض زیادہ شدید اور مہلک تھا لیکن زیادہ بےچینی اور گھبراہٹ کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسکا دل زندگی کی طرف سے بالکل ٹوٹ گیا تھا اور اس وقت اس کی تمام آرزوں کا خون ہو چکا تھا۔

اب جوں جوں وقت گذرتا ہے بیگم کے درد اور تکلیف میں ترقی ہوتی جاتی ہے اُسکے چہرہ کا رنگ فوری تغیر سے لحظہ بلحظہ اور دم بدم بدلتا جاتا ہے اور تشویش ناک آثار بننے لگتے ہیں سانجام کار کمال دس پہر کے دردزہ نے اس کو راہ فنا کا راستہ طے کرنے پر مجبور کیا۔ نہایت جانگداز صدمے اور تکلیف کے بعد لڑکی پیدا ہوئی اور اسی وقت اُس مظلوم کی جان قفس عنصری سے نکل گئی۔

یہ ایک ایسا اندوہناک صدمہ تھا جس نے بادشاہ کو سخت صدمہ پہنچایا محل کی تمام مستورات اور عالم بادشاہ دربار آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے تمام محل میں ایک کہرام مچا ہوا تھا لیکن اب یہ سب باتیں بے سود تھیں۔ ممتاز محل کی تجہیز و تکفین کی گئی اور اُسے اُسکے اصلی ٹھکانے پر پہنچایا گیا۔

اس جگر سوز حادثہ سے شاہجہان کو بہت بڑا صدمہ پہنچا اُس نے اپنی ہمدم اور محرم قدیمہ کی نہایت کی رسم ایک عرصہ تک قائم رکھی۔ اور اپنی مرحوم بیگم کے انتقال کے بعد رنگین کپڑے اور خوشبو اور جواہرات وغیرہ کا استعمال بالکل ترک کر دیا جشن سالانہ اور جلوس جو خود بادشاہ

اور تمام شاہی درباریوں کیلئے بہت بڑی خوشی اور کامیابی کے دن ہوتے تھے اب صرف برائے نام باقی رہ گئے شاہجہان ان مبارک اور خوشی کے موقعوں پر نغمہ اور سرود کی مسرت انگیز صداؤں کو نوحہ و ماتم کی صدائیں تصور کرتا تھا۔

شاہجہاں کی بقیہ زندگی میں کوئی ایسا موقع بہت کم گذرتا تھا جسمیں ممتاز محل کی یاد اُسے نہ ستاتی ہو جب اُسکی خوبصورت اور دلفریب تصویر کا بادشاہ کے مراۃ خیال میں عکس پڑتا شاہجہاں زار و قطار رونے لگتا اور اس زمزمہ سے زبان کو آشنا کرتا۔ بیت

زندگی بہر دیدن یار است   یار چوں نیست زندگی عار است

درحقیقت ممتاز محل کے اس حادثہ نے شاہجہاں جیسے خوشدل بادشاہ کو غم کا پتلہ بنادیا تھا اُسکی زندگی کا مزہ بالکل کرکرا ہوگیا تھا اور سارا عیش غم سے بدل گیا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ممتاز محل دنیا سے کیا گئی سلطان کی لذت اُٹھ گئی بلکہ زندگی کا مزہ ہی جاتا رہا گویا وہ میری تمام شادمانیاں اپنے حسرت نصیب ارمانوں کی طرح کفن میں لپیٹ کر ساتھ لیتی گئی اور اب مجھے کسی خوشی کے حاصل ہونے کی امید نہیں ہوسکتی۔

جب ممتاز محل کا انتقال ہوا ہی تو لوگوں کا گمان تھا کہ اُسکے خزانہ سے بیشمار زر و جواہر و کثیر دولت برآمد ہوگا لیکن جب اُس مرحومہ کے خزانہ اور توشہ خانہ کو دیکھا گیا تو بجز ایک کروڑ روپیہ کے اور کچھ نہ نکلا اور یہ بات معلوم ہوا کہ اس فیاض خاتون نے تمام زر و جواہر جتنا جو کہ شاہجہان نوازتی اور شاہی جاگیر کی حاصلات سے جو اسکی آمدنی تھی صرف کردیا جسقدر تنخواہ اسے سلطنت سے ملتی تھی وہ سب خیراتی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔

ممتاز محل کی دو لڑکیاں اُسکے انتقال سے پیشتر ہی وفات پاگئی تھیں اور اب صرف چار شہزادے اور ایک شہزادی اُسکے بعد زندہ رہی تھیں۔ شاہجہان نے ممتاز محل کی وصیت کے موافق اُسکے تمام خانگی سامان اور ایک کروڑ روپیہ کے دو حصے کئے ایک حصہ تو بادشاہ بیگم کے تفویض کیا جو سب سے بڑی شہزادی تھی اور جسکا مشہور نام جہاں آرا بیگم تھا اور دوسرا حصہ چاروں شہزادوں پر تقسیم کردیا۔

شاہجہان نے اس بیگم کے مزار پر ایک نہایت عالیشان قبہ اور عظیم الشان عمارت اسکی یادگار میں بنوائی جسکا نام روضہ تاج محل رکھا گیا۔ یہ حیرت انگیز عمارت مکرمت خاں کے اہتمام سے پورے بارہ سال کی مدت میں پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار ہوئی۔ شاہجہاں نے اسکے مصارف ورخرچ کیلئے چند گاؤں اور وہ تمام دکانیں جو اُسکے اطراف میں موجود تھیں اور کچھ اب بھی ہیں مقرر کردی تھیں جنکی سالانہ آمدنی دو لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی اس عمارت کی مثال آج تمام دنیا میں ڈھونڈے نہیں ملتی یہ ایک ایسا پر ...

مقام ہے جسکی خوبی اور صفائی کے اظہار سے ہماری زبان و قلم دونوں عاجز ہیں۔

جہاں آرا بیگم

یہ جمیلہ بیگم شاہجہاں بادشاہ کی چہیتی بیٹی ہی جو ارجمند بانو بیگم کے بطن سے ۱۰۲۳ھ میں پیدا ہوئی اُسوقت تیموریہ کا نواں تاجدار نور الدین جہانگیر بادشاہ تخت ہندوستان پر جلوہ فرما تھا اور شہزادہ خرم جو بعد کو شاہجہاں کے لقب سے مشہور ہوا مہم چتور میں مصروف تھا جہاں آرا بیگم کے پیدا ہونے پر جہانگیر نے معمول سے زیادہ خوشی منائی اور کئی روز تک دفاتر سرکاری اور عدالتوں میں تعطیلیں رہیں بڑی دھوم دھام سے جشن ہوئے اور خاص شہر اکبر آباد میں جو ان دنوں سلطنت مغلیہ کا مستقر الخلافہ تھا عام طور پر تین روز تک بادشاہ کی طرف سے دعوتیں دی گئیں۔ شہزادہ خرم مہم چتور سے واپس آیا تو اپنی لخت جگر کو دیکھکر نہایت خوش ہوا اور عقیقہ کی رسم میں شاہانہ جشن کیا۔

جہاں آرا بیگم جب حد طفولیت سے متجاوز ہوکر سن شعور کو پہنچی تو اُسکی تعلیم و تربیت کیلئے چند تجربہ کار معلمہ منتخب کی گئیں جنہوں نے نہایت مستعدی سے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ جہاں آرا تھوڑے ہی عرصہ میں پڑھ گئی۔ قرآن مجید اور فقہ کی چھوٹی چھوٹی کتابوں کے مسائل یاد کرلینے کے بعد اس نے عربی پڑھنی شروع کی اور چند سال کے بعد اسمیں اچھی خاصی دستگاہ حاصل کرلی۔

یہ ہوشیار اور طباع بیگم اکثر اوقات قرآن و حدیث کی تلاوت میں مصروف رہتی تھی اور نہ صرف ان علوم کی عالم تھی بلکہ سخت پابند بھی تھی قرآن و حدیث کا مطالعہ اسکا روزانہ معمولی کام تھا اور عبادت و زہد میں مصروف رہنا اسکا عام شیوہ تھا۔ شاہجہاں جو مذہب اسلام کا فدائی اور قوانین آسمانی کا سخت پابند تھا جہاں آرا کے زہد و اتقا اور عبادت و ریاضت پر شیفتہ تھا اور جب کبھی اسکی عالمانہ تقریر کو سن پاتا تو بیحد خوش ہوتا تھا۔

جہاں آرا کی فارسی و عربی انشا پردازی بڑی زور کی تھی اور اُسکے کلام کی شیرینی عبارت کی چستی مطالب کی طرز بیانی الفاظ کی بندش اس بلا کی ہوتی تھی کہ دیکھنے والے حیرت کرتے تھے وہ عربی فارسی زبان کے علاوہ کچھ کچھ ترکی بھی جانتی تھی اور چونکہ طبیعت نہایت موزوں رکھتی تھی اسلئے فن شاعری سے جو ادبی علوم کا جزو ہے بہت کچھ دلچسپی رکھتی تھی اور اُسکی فطرت میں فن شاعری کا مادہ قدرتاً رکھا گیا تھا وہ اکثر اوقات فارسی زبان میں اشعار موزوں کیا کرتی تھی اور کبھی عربی مضامین بھی طبع آزمائی کرتی تھی مگر اُسکے اشعار عموماً جس قدر ہوا کرتے تھے سب مبالغہ اور جھوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتے تھے اُسکے تمام اشعار اخلاقی مضامین کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے یا حمد و نعت کی ایک خاص ادا لئے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ فضول اور بے نتیجہ شاعری یعنی

حسن وعشق کے جھگڑوں کو اپنی فطرت اور قومی طریقہ کے بالکل مغائر سمجھتی تھی اور ان لغو اور
بے سود باتوں سے ہمیشہ متنفر رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ اُسکے جس قدر اشعار اور قصائد پائے
جاتے ہیں ان میں نہ تو کسی قسم کے حسن کی تعریف ہے نہ عشق و محبت کے خیالات کا شمہ دل
لگاؤ پایا جاتا ہے۔

جہاں آرا بیگم نے باوجودیکہ شاہی محلات میں بڑے ناز و پیار سے پرورش پائی تھی اور اسپر
جسقدر ضدی اور مغرور ہوتی بیجا نہ تھا لیکن قدرت کے ہاتھوں نے اسکی سرشت میں وہ سلامت روی
اور منکسر المزاجی اور تواضع ودیعت رکھی کہ بیان سے باہر ہے وہ حوصلہ مندی عالی ظرفی جو اس ہمت
کو شکہ تمام شریفانہ اور مہذب اطوار میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اسکی طرز معاشرت اور تمدنی حالات اور
خانہ داری کی انتظامی کیفیت اعلیٰ درجہ کی تھی اور اسکی متواضعانہ اخلاق اور مہمان پرستی اور سخاوت
و دریا دلی کی نظیر ایشیائی بیگمات کے طبقوں میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی ہندو مورخوں کا بیان ہے
کہ جہاں آرا بیگم کے اخلاق نہایت وسیع تھے تکبر اور نخوت سے اس نام کو نفرت تھی اسکی مہمان نوازی کی شہرت دور دور تک
اس بیگم کی تاریخ زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی کے
ہر طرح کے ساز و سامان فراہم ہونیکے ہمیشہ فضول شان شوکت اور بیجا تزک و احتشام سے بالکل
متنفر تھی اور نخوت کا نام تک نہ تھا جب کبھی اپنی بہنوں سے ملنے جاتی تو نہایت سادہ اور معمولی لباس
سے پھر یہ سادگی نہ صرف لباس ہی میں منحصر تھی بلکہ خاص اُسکے محل اور معاشرت کی تمام چیزوں میں پائی
جاتی تھی گویا اس کی سرشت بالکل سادہ طور پر واقع ہوئی تھی اگرچہ اسکے چہرے سے جس قدر
شان کا اظہار ہوتا تھا اور جو شاہانہ جاہ و جلال اسکی ہیبت سے برستا تھا مگر اس کی منکسر المزاجی
اس قدر غالب تھی کہ ادنیٰ چاہے وہ کسی رتبہ کا ہو اُس سے دلیرانہ بات کر سکتا تھا۔

ارجمند بانو بیگم کے بطن سے گو تین لڑکیاں اور چار لڑکے پیدا ہوئے جو حسن و خوبی اور دانشمندی
میں بڑی پائگاہ رکھتے تھے مگر جو بات جہاں آرا بیگم میں پائی جاتی تھی اسکی نظیر دوسروں میں مشکل دیکھی جاتی
تھی اس وجہ سے جہاں آرا بیگم ماں باپ دونوں کو انتہا سے زیادہ عزیز تھی اور شاہجہاں جیسا صاحب
اور جاہ و جلال کا بادشاہ ہمیشہ اسکی دلدہی اور تسلی میں مصروف رہتا تھا سالانہ جشنوں کی تقریب
میں لاکھوں روپیہ اور بیش قیمت جواہرات عطا فرما کر اُسے خوشدل رکھتا تھا چنانچہ تخت نشینی
کے دوسرے سال حسب معمولی سالانہ جشن مرتب ہوا تو شاہجہان نے نہایت فراخ حوصلگی سے امرا
دولت اور افسران فوج کو انعام دیا۔ نمایاں کے صلوں میں بے انتہا روپیہ عنایت کیا اور حسب خواہش

شاہی کی فہرست مرتب ہو کر پیش ہوئی تو پچاس لاکھ روپیہ ارجمند بانو بیگم کو اور بیس لاکھ روپیہ نقد اور گرانبہا جواہرات اور بہت سا زیور جہاں آرا بیگم کو عنایت ہوا پانچ لاکھ روپیہ تمام شہزادوں کو اور دو لاکھ دیگر خواتین حرم سرا کے نامزد کیا گیا غرضکہ اس جشن عالم افروز میں شاہ جہاں نے اپنی دریا دلی سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ انعام و اکرام میں تقسیم کیا تیس لاکھ روپیہ امراء کو اور باقی خدمہ محل اور شاہی خاندان کے لوگوں کو۔

ارجمند بانو بیگم کو جو جہاں آرا بیگم سے محبت اور دلی تعلق تھا اسکے ثبوت میں وہ واقعہ قابل نوٹ ہے جو ارجمند بانو بیگم کے انتقال کے وقت ظہور میں آیا جسے میں ممتاز محل کے بیان میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ آیا ہوں اسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب ارجمند بانو بیگم کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکنے کو ہوا تو اس نے شاہجہان کو تاکیدی وصیت کی کہ میرے تمام خانگی سامان اور زر نقد کے برابر کے دو حصے کئے جائیں ایک حصہ تو صرف جہاں آرا بیگم کو دیا جائے کیونکہ دنیا میں مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں اور اگر میری اس محبت کا اندازہ کیا جائے جو مجھے اپنی تمام اولاد سے ہے تو میں یقیناً کہہ سکتی ہوں کہ اگر چاروں شہزادوں کی محبت ایک پلہ میں اور جہاں آرا بیگم کی محبت دوسرے پلہ میں رکھی جائے تو دونوں پلے برابر اتریں گے دوسرا حصہ چاروں شہزادوں پر مساویانہ تقسیم کیا جائے چنانچہ جب ممتاز محل کا انتقال ہوا تو لوگوں کو خیال تھا کہ اسکے خزانے سے بیشمار زر و جواہر اور کثیر التعداد روپیہ برآمد ہوگا اور یہ خیال انکا تھا بھی صحیح کیونکہ علاوہ ماہانہ تنخواہ کے جو ایک معتدبہ رقم ہوتی تھی اسے مختلف اوقات میں لاکھوں روپیہ انعام و اکرام میں سلطنت کی طرف سے مرحمت ہوا تھا لیکن جب اس مرحومہ کے خزانے اور توشک خانہ کو دیکھا گیا تو بجز ایک کروڑ روپیہ نقد کے اور کچھ نہ نکلا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسلمہ اور فیاض خاتون نے تمام زر و جواہر محتاجوں اور مسافروں کی مہمان نوازی اور مفلسوں کی حاجت براری میں صرف کر دیا اور جس قدر تنخواہ اسکو سلطنت سے ملتی تھی وہ سب خیراتی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔

ممتاز محل کی دو لڑکیاں یعنی گیتی آرا بیگم اور انجمن آرا بیگم اسکے انتقال سے پیشتر ہی وفات پا چکی تھیں اب صرف چار شہزادے دارا شکوہ، شاہ شجاع، مرزا مراد اور چوتھے شہزادہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا) اور جہاں آرا بیگم زندہ تھی شاہجہان نے ارجمند بانو بیگم کی وصیت کے مطابق اسکے تمام خانگی سامان اور ایک کروڑ روپیہ کے دو حصے کئے ایک حصہ تو جہاں آرا بیگم کے حوالہ کیا گیا اور دوسرا حصہ چاروں شہزادوں پر تقسیم ہوا مگر افسوس ہے کہ عالمگیر نے شاہجہان کے انتقال کے بعد اس تقسیم کو قانون شرع کے خلاف بتا کر وصیت کو توڑ دیا اور اپنے حصہ کا مطالبہ جہاں آرا سے کیا لیکن پھر بھی عالمگیر نے اسکی زندگی میں اسکی دلشکنی

کی وجہ سے اپنے مطالبہ کا استیفا نہیں کیا اور جب اُسکا انتقال ہو گیا تو موجودہ مال میں سے بہت سا
روپیہ الگ کر کے بیت المال میں جمع کر لیا جو عمدہ اور نیک مصارف میں خرچ ہوا۔ اس امر کے ثبوت میں
کہ نواب جہان آرا بیگم نے اپنی فطرتی خوش خلقی اور اپنی کریم النفسی کی وجہ سے تمام شاہی محلسرا کی بیگمات و امرا
دولت میں عموماً ہر دلعزیزی اور نیکنامی پیدا کر لی تھی اور وہ تمام شاہی خاندان میں ماں باپ کی
سب سے زیادہ لاڈلی اور چہیتی تھی صرف اسی قدر بس کرتا ہوں کہ اسکے حالات زندگی کا ایک خاص واقعہ جو اسکی
تاریخ زندگی میں بڑی نمود کا واقعہ ہے قلمبند کروں یہ واقعہ منتخب اللباب مصنفہ خافی خان میں بڑے
بسط کیساتھ لکھا ہے جسے ہم بہت اختصار کے ساتھ بہ تبدیل الفاظ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں ہمیں امید ہے
کہ معزز ناظرین اس قصہ کو شوق سے پڑھینگے اور نواب جہان آرا بیگم کے ان عام اخلاق اور نیک
مزاجی کا پورے طور پر اندازہ کر لینگے جسکی وجہ سے اس نے نہ صرف شاہی حرم سرا کی بیگمات بلکہ
خود شہنشاہ وارث تاج و تخت تیموریہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

۱۰۵۳ھ ہجری جلوس شاہجہانی کے سترھویں سال میں جب جہان پناہ خدیو دوران مہم گڑھ کا دورہ
کر کے دارالخلافہ ہندوستان آگرہ میں تشریف فرما ہوئے تو محرم کی ابتدائی تاریخوں کے منقضی ہونیکے بعد
نواب جہان آرا بیگم کے جشن سالگرہ کا وقت قریب ہونیکا حکم دیا گیا یہ ایک نہایت عظیم الشان اور باحشمت و
شوکت جشن ہوتا تھا جس میں تمام اراکین دربار اور امرائے سلطنت شریک ہو کر جہاں پناہ کے ساتھ خوشیاں
مناتے اور اظہار مسرت سے متوسلین جشن قرار دیتے اور معزز و ممتاز مناصب سے سرفراز ہوتے تھے یعنی
جشن سالگرہ کے دن شہر کے ہر چہار طرف رقص و سرود کی محفلیں گرم تھیں اور عیش و عشرت کے سارے سامان
مہیا تھے مبارکبادیوں کی بلند صداؤں سے سارا شہر چپہ چپہ گونج رہا تھا اور ہر شخص جوش مسرت سے پھولا
نہ سماتا تھا بالخصوص قلعہ معلی میں عجیب و غریب سامان تھا ارجمند بانو بیگم (جہان آرا کی حقیقی والدہ)
کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے ان پر بہت سے حاشیے چڑھائے جو نہایت دقیق اور سربستہ
سیکھے گئے اور بعد کو تمام امرا دکھائے گئے عنبر کی شمعیں شبستان عیش میں جلائی گئیں اور
جواہر کی مرصع کرسیاں جا بجا لگائی گئیں چاندی آبنوس صندل کی چوکیاں نہایت ترتیب
خوشنمائی کے ساتھ آراستہ کی گئیں اور مخمل و دیبا اور حریر و مختلف رنگ کے پردوں سے چھپایا گیا جہاں بیگم
کی سالگرہ کی تقریب جس شان و شوکت سے ادا ہوتی تھی وہ اس عہد کی شاہانہ فیاضی اور حشمت و دولت
کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ تھا۔ شاہجہاں مع خاندان شاہی و ارکان دولت اور امرائے ملکی
قلعہ میں جلوہ فرما ہوا اور لوگوں کی ایسی فیاضانہ جو عطیے سے مہمانداری کی گئی کہ اونچے سے اونچا آدمی

نے بھی چندروز وں کے لیے امیرانہ زندگی بسر کرنے کے سامان فراہم کر لیے تھے خاندان مغلیہ اور افسران فوج
تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں اور تمام آدمیوں پر درہم و دینار
پھینکے گئے جہاں آرا بیگم کیلئے ایک نہایت تکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا
اور جواہرات سے مرصع تھا۔ بیگم جب اسپر جلوہ فرما ہوئی تو بیش قیمت موتی اُسکے قدموں پر نثار کئے
گئے جو زرین فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے۔

اتنے میں جہاں پناہ کی آمد آمد کی دھوم نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور محل کی بیگمات خیر سے
شب سے لیکر بادشاہ کے استقبال میں دوڑیں نواب جہاں آرا بیگم بھی اپنے واجب التعظیم باپ کا خیر مقدم
ادا کرنے کو آگے بڑھی اور عورتوں کے ہجوم میں اُسکے کرتے کا دامن شمع کی لو سے چھو گیا لباس کے دامن
کا شمع سے چھو جانا تھا کہ بیگم کے تمام کپڑوں میں آگ بھڑک اُٹھی اور اس تیزی سے بھڑکی کہ جہاں آرا بیگم کے
دونوں ہاتھوں اور پیٹ اور سینے میں کئی جگہ نہایت گہرے اور خطرناک زخم پڑ گئے۔ لونڈیاں جو آگ
بجھانے کی غرض سے پروانوں کیطرح چاروں طرف سے اُمنڈ آئی تھیں اور بیگم کے اردگرد اور پیٹ
بہت ہجوم کئے ہوئے تھیں اُنمیں سے چار خواصیں بالکل جل گئیں۔ بارے خدا خدا کر کے بڑی
مشکل سے آگ بجھی اور نواب جہاں آرا بیگم کو ہاتھوں ہاتھ محل خاص میں پہنچایا گیا۔ جہاں پناہ کو اس واقعہ
جانکاہ کی اطلاع ہوئی تو سخت متاثر ہوئے اور ایسا سخت اور جانگداز صدمہ ہوا جسے وہ باوجود کمال حزم و
احتیاط اور استقلال و ثبات کے ضبط نہ کر سکے فوراً بیگم کے کمرہ میں تشریف فرما ہوئے اور اُسکا سر زانو پر رکھکر
آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ قلعہ معلےٰ کی ساری چہل پہل اور جوش و خروش کا خاتمہ ہوگیا اور ہر طرف گویا
خاموشی اور سکوت کا ہیبت ناک سناٹا چھا گیا رقص و سرود کی محفلیں کدورت و رنج کی مجلسوں سے بدل گئیں
اور فرح و سرور کی جگہ رنج و غم کی حکومت پھیل گئی حکیم مومنا اور دیگر اطبائے حاذق بالخصوص حکیم داؤد جو
اسی زمانہ میں شاہ عباس ثانی ایران سے رنجیدہ و ناخوش ہو کر جہاں پناہ کے حضور میں پہونچا تھا اور حذاقت
و تجربہ میں بڑا نامور اور مشہور طبیب تھا بیگم کے معالجہ کیلئے منتخب کئے گئے جنہوں نے بڑی احتیاط اور دیانت
داری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کئے۔ اور بڑی سرگرمی کے ساتھ معروف معالجہ ہوئے در ماہ ذیل
اور نیک نہاد بادشاہ نے فوراً ساٹھ ہزار روپیہ مساکین و محتاجین پر خیرات کیں اور سب کے حصول
شفا کی دعا کی خواستگاری کی علاوہ ازیں جبتک بیگم بیمار رہی ہر شب ہزار روپے سرہانے رکھے جاتے
اور علی الصباح فقرا اور مستحقوں کو تقسیم کئے جاتے۔

چار کنیزیں جو بیگم کے ساتھ آتشزدگی میں زخمی ہوئی تھیں انمیں سے دو تین خواصیں چار روز کے

بعارضہ زخموں کی تکلیف کی تاب نہ لاکر سفر آخرت کر گئیں اور دو خواصیں علاج پذیر ہوئیں مگر نازک طبع جہاں آرا علاوہ جراحت کے سخت تپ اور دیگر امراض میں بہت روز تک مبتلا رہی اور اسکی علالت نے یہانتک طول پکڑا کہ کامل پانچ مہینے تک بستر علالت سے اٹھ نہ سکی بادشاہ اپنی چہیتی اور عزیز دختر کے غم میں اس قدر افسردہ رہتے تھے کہ ان ایام میں قلعہ سے باہر نہیں نکلے اور صرف دو ایک دفعہ وہ بھی سخت ضرورت کے وقت دربار میں رونق افروز ہوئے اکثر اوقات بیگم کے مکان پر تیمارداری میں مصروف رہتے اور باقی وقت جناب الٰہی کے حضور میں بیگم کی صحت و عافیت کی دعا مانگنے میں مشغول رہتے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ شہنشاہ شہاب الدین محمد شاہجہان کو جس قدر شہزادہ داراشکوہ اور اسکی بہن جہاں آرا بیگم سے محبت تھی اس قدر کسی اولاد سے نہ تھی یہی وجہ تھی کہ جبتک جہاں آرا بیگم علیل رہی بادشاہ نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا نہ خوشی کے ساتھ دربار نہیں کیا نہ سیر و شکار کیلئے سوار نہیں ہوئے بلکہ پانچ چھ مہینہ تک ہمیشہ راتوں کو بادل سوزان اور چشم گریاں مصلے پر بیٹھکر شافی برحق کے حضور میں بیگم کی حصول صحت کیلئے جناب باری میں دعائیں مانگتا رہا خدا کی قدرت کہ باوجودیکہ پانچ چھ مہینے تک حاذق طبیب و تجربہ کار حکیم مصروف معالجہ رہے اور جراحی تدابیر میں کوشش و محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر کوئی دوا اور کوئی مرہم بیگم کے زخموں کو مفید نہیں پڑا اور کسی طرح صحت کلی حاصل نہیں ہوئی۔ انجام کار عارف نام ایک شخص نے جو جہان آرا بیگم کا باوفا اور خیر خواہ غلام تھا بڑی جانکاہی اور عرق ریزی سے ایک مرہم تیار کیا اس مرہم کا لگانا تھا کہ زخم خود بخود بھرتے چلے آئے اور تین چار روز کے عرصہ میں اچھے ہوگئے زخموں کے اچھے ہوتے ہی تپ اور دیگر امراض میں تخفیف ہوگئی اور حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دوبارہ امید حیات بخشی۔

اگرچہ جشن صحت بادشاہ بیگم کا کامل قوت و توانائی پر موقوف رکھا گیا تھا لیکن جہان پناہ نے بمجرد اس علم کے کہ جہان آرا بیگم میں اٹھنے بیٹھنے کی طاقت آگئی ہے ایک عظیم الشان جشن کی تیاری کا حکم دیا جسمیں نہ صرف شہر کے علما فضلا اور مستحقین لوگ شاہی انعام سے سرفراز ہوئے بلکہ دور دور کے صلحا اور فقرا کی گودیاں زر و نقد سے بھر دی گئیں اور ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی نے بھی شاہی فیاضیوں کی وجہ سے ایک عرصہ تک امیرانہ زندگی بسر کرلی۔

جہاں آرا بیگم غسل صحت سے فارغ ہو کر بادشاہ کی خدمت میں پہونچی تو حضور نے بیش بہا موتیوں کا ایک بڑا طباق نچھاور کیا اور جوش محبت سے پیشانی کا بوسہ دیکر اپنے پاس بٹھالیا بلوشاہزادہ محمد اورنگ زیب بیگم کی علالت سنکر دارالسلطنت میں آموجود ہوا اور والد محترم کے حضور میں حاضر ہو کر آداب بجالایا ادھر شاہزادہ

محمد مراد بخش ہمشیرہ کی عیادت کیلئے ملتان سے آیا اور دونوں شہزادے مورد عنایت شاہی ہوئے چونکہ بعض بد راہوں اور عقل کے دشمنوں کی سازش سے شہزادہ اورنگ زیب سے بعض ایسی ادائیں بھی سرزد ہوئیں جو حضور جہاں پناہ کے مرضی کے خلاف اور ناپسند تھیں اور اسی بنا پر بادشاہ نے اس مرتبہ عالمگیر کی نسبت اس عنایت اور توجہ خاص کا اظہار نہیں کیا جو ہمیشہ کیا کرتا تھا لہذا شہزادہ اورنگ زیب نے جب ولی نعمت کے قہر اور کم توجہی کے آثار اپنے حق میں مشاہدہ کئے تو از راہ غیرت اور پیش بینی قبل اسکے کہ والد بزرگوار کیطرف سے کم لطفی ظہور میں آئے عزلت نشینی کے ارادہ سے شمشیر کمر سے کھول ڈالی اور چند روز تک گوشہ نشین رہا شاہجہاں کو معلوم ہوا تو اس نے شہزادہ اورنگ زیب کی تمام جاگیر ضبط کر لی۔ اور دکن کی صوبہ داری جو ایک عرصہ سے عالمگیر کے نامزد تھی خان دوران کے سپرد کی اور دولت آباد کے قلعہ کی حکومت پر تھی راج رٹھور کو عنایت ہوئی اور دوبارہ جہاں آرا بیگم کے صحت کامل کے جشن کا نقارہ بلند آوازہ ہوا۔

اس جشن کی تقریب میں بادشاہ نے خالص سونے سے ملکہ جہاں آرا کو وزن کر کے مستحقین کو تقسیم کیا اور اپنی شاہانہ فیاضی سے مساکین و محتاجین کو مالامال کر دیا سخن آفرین معنی رونق افزائے مجلس ہوگئے اور جلوہ خصال حور تمثال رامشگروں نے راحت افزا بزم کو انتہا سے زیادہ آرائش دی شاہی عشرت خانہ سے مبارک و تہنیت کا غلغلہ بلند ہوا اور جشن صحت کے نقارہ کی گونج نے عالم اور اہل عالم کے کان بہرے کر دیئے اس جشن میں کوئی فقیر و بینوا ایسا نہ تھا جو صاحب نصاب نہ ہو گیا ہو اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں چند سال کا ذخیرہ ما یحتاج فراہم نہ ہو گیا ہو ختم جشن کے بعد شہزادہ محمد مراد بخش رخصت ہو کر اپنے تعلقہ پر پہنچا اور شائستہ خاں پنجہزاری کا منصب لیکر روانہ ریاست ہوا فیاض و دریا دل بادشاہ نے ان دو جشنوں کی تقریب میں اٹھاسی لاکھ روپیہ خزانہ عامرہ سے خرچ کیا اور یہ سب ملکہ جہاں آرا بیگم کی خوشنودی اور بھلائی میں صرف ہوا جس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ بیگم موصوف بادشاہ کو نہایت عزیز اور محبوب تھی اور وہ اسکے مقابلہ میں نہ صرف خزانہ کو بلکہ سلطنت کو ہیچ سمجھتا تھا۔ اسی زمانہ کے متصل رمضان المبارک کے مہینے میں تیسری مرتبہ جب بادشاہ بیگم نے غسل صحت کیا اور خاطر خواہ صحت و تندرستی حاصل ہوئی تو بادشاہ کے حکم سے جشن جہاں افروز نے از سر نو آراستگی پائی۔ ہزار اشرفیاں اور پانچ ہزار روپے محتاجوں کو تقسیم کئے گئے عارف غلام کو چاندی سے وزن کر کے خلعت فاخرہ و طلائی ساز و یراق سے آراستہ گھوڑا عنایت ہوا۔ اور جب ملکہ تسلیم کے لیئے خدمت عالی میں حاضر ہوئی تو جہانپناہ نے لعل و مروارید اور سونے چاندی سے بھرا ہوا طباق جسمیں پورے لاکھ روپیہ کی مالیت تھی اپنے ہاتھ میں لیکر بادشاہ بیگم کے سر پر نچھاور کیا اسکے بعد شہزادوں اور دیگر بیگمات نے سونے

اور جواہر کے پھول نثار کئے اور اس عام لوٹ میں غریبوں اور مفلسوں کے پو بارہ ہو گئے جلسہ کے برخاست ہوتے وقت بادشاہ نے مروارید کی مالا جسکے ایک سو تینتیس ۱۳۳ دانے تھے اور پانچ لاکھ روپے قیمت رکھتی تھی اپنے ہاتھ سے بیگم کے گلے میں ڈالی اور دو گوشوارے جنمیں دو آبدار موتی اور دو قیمتی الماس ایک لاکھ روپے کے جڑے ہوئے تھے۔ عنایت فرمائے کامل ہفتہ تک جشن رہا۔ اور ہر روز ایک تازہ عنایت اور اندازہ سے زیادہ مہربانی بادشاہ بیگم کے حال پر مبذول رہی حکیم داؤد کو بیگم کے معالجے کے صلہ میں منصب ہزاری عطا ہوا اور اسکے علاوہ دو سو سوار ایک آراستہ ہاتھی اصطبل خاص کا ایک قیمتی اور طلائی ساز و سامان سے آراستہ گھوڑا پانسو تولہ سونا مرحمت ہوا حکیم مومنا جو اس سے پیشتر تیس ہزار روپیہ سالانہ پاتا تھا منصب ہزاری سے ممتاز ہوا۔

جہاں آرا بیگم حسن و جمال کے علاوہ جسے قدرت کی ایک زبردست کشش کہنا چاہیئے اور جسکی وجہ سے انسان بڑے سے بڑے سنگدل اور جابر شخص پر حکومت کر سکتا اور ایک جہان کو اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے عقل و دانائی کیلئے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ قریباً تمام ایشیائی دنیا میں بالخصوص مشرقی ملکوں میں زیادہ ممتاز و مشہور ہے اسکی حوصلہ مندی تجربہ کاری پختگی رائے کی شہرت گھر گھر پھیلی ہوئی تھی اور اسکی متانت و سنجیدگی زبان زد خاص و عام تھی اور یہی وہ قوی اسباب تھے جنہوں نے شاہجہاں کو اسکا دلدادہ شیدا بنا دیا تھا اور چونکہ وہ ہر بات میں ایک غیر معمولی نتیجہ نکالتی اور ہر پیش آنے والے مقدمہ کو میزان عقل میں تول کر ظاہر کرتی تھی اسلیئے اسکی ہر ایک بات بادشاہ کو چار و ناچار تسلیم ہی کرنی پڑتی تھی جس بارے میں مشورہ دیتی بادشاہ اسکے مطابق عمل میں لاتا۔ اور اسکی سفارش کو بدل منظور فرماتا تھا چنانچہ جس زمانہ میں جہاں پناہ عالمگیر سے ناخوش تھے ہر چند کہ دربار کے سب معزز اور ممتاز رکنوں نے اسکی خطا بخشی کے بارہ میں بادشاہ سے التماس کی مگر کسی کی سفارش درجہ قبولیت کو نہیں پہونچی آخر کار شہزادہ عالمگیر کی والدہ اور دیگر بیگمات نے جہاں آرا بیگم کی طرف رجوع کی اور اس کی سفارش سے بادشاہ کا غصہ فرو ہوگیا شہزادہ محمد اورنگ زیب کی تقصیر معاف ہوئی اور بجائے غضب عتاب کے بے انتہا لطف و عنایت کا مورد ہوا بدستور سابق منصب پانزدہ ہزاری پر نامزد ہوا اور دس ہزار سوار ماتحتی میں دیکر روانہ جاگیر سابق کیا گیا جہاں آرا بیگم کا عالمگیر پر یہ ایک ایسا گرانبار احسان تھا جسکے بوجھ سے وہ کبھی سر اٹھا نہیں سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ اسکے حق کو کبھی نہیں بھولا اور شاہجہان کے انتقال کے بعد بھی اسنے جہاں آرا بیگم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچائی۔ بلکہ ہمیشہ حرمت و عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہا اور اسکی دلجوئی اور دلدہی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

جہاں آرا بیگم بے شک ماں باپ کی لاڈلی اور حد سے زیادہ عزیز تھی اور اس بنا پر وہ جس قدر چاہتی ضدی اور ہٹ دھرم ہوتی اور ہر موقع پر اپنی بیجا ناز برداری کراتی لیکن اس کی تاریخ زندگی میں یہ بات نہایت دلچسپی اور تعجب کے ساتھ دیکھی جاتی ہی کہ اس نے طفلی کے زمانہ سے لیکر آخر عمر تک کبھی کسی بات پر بیجا ضد اور اصرار نہیں کیا بلکہ جب کبھی اس سے کوئی غلطی واقع معلوم ہوتی بیچپے فوراً اسکا اعتراف کیا اور اپنے دعوے سے دست برداری کی چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہی کہ محمد امین متصدی بندر سورت کے ظلم و تعدی کی شکایت حضور شاہی میں موصول ہوئی بادشاہ نے تحقیقات کے بعد اسکی معزولی کا حکم دیا اور گرز برداروں کی ایک جماعت کو ارشاد ہوا کہ ظالم محمد امین کو قید کر کے بادولت کے حضور میں پیش کرو چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور محمد امین بحالت گرفتاری حاضر خدمت ہوا۔ دوبارہ حکم صادر ہوا کہ یہ ستمگر جفا کیش برسر دربار قتل کیا جائے اور لوگوں کی عبرت کیلئے اسکا سر نظارہ گاہ عام پر لٹکا یا جائے اسکے دکیلوں اور دوستوں کو خبر ہوئی تو اسکی مخلصی اور نجات کے لئے سفارشی خطوط لیکر ہر طرف دوڑ پڑے اور ہر چند کہ انتہا سے زیادہ کوشش کی مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑی یہانتک کہ جہان آرا بیگم کے متصدیوں کی طرف رجوع ہوئے اور چونکہ بندر سورت کا محصول بیگم کی تنخواہ میں مقرر تھا اور یہاں کے متصدیوں کو وہاں کے لوگوں سے تعارف و روشناسی بھی تھی اس لحاظ سے انہوں نے بہزار عجز و الحاح محمد امین کی خلاصی جان کا رقعہ بادشاہ کے نام پر حاصل کرلیا اور رحمدل بیگم نے انکی ظاہری چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کر کے محمد امین کی خلاصی کا بیڑا اٹھا لیا بیگم کا رقعہ مطالعہ خاص میں آیا تو بادشاہ نے اسکی نسبت حکم حبس فرمایا اور خود داخل محل ہوئے بادشاہ بیگم کو پاس بلا کر فرمایا کہ برخوردار من آپکو معلوم ہے کہ بندر سورت تمہارے اقطاع میں مقرر ہے اور وہاں کی اکثر رعیت مالگذار اور یہ بات ظاہر ہے کہ رعیت باعث آبادی ملک ہی شاہی لشکریوں کی افزونی اور خزانوں کی معموری رعیت کے ہونے اور خوشحال ہونے پر موقوف ہی جس شخص کی نسبت تمنے سفارشی رقعہ لکھا ہی اسکی کیفیت یہ ہے کہ صرف اپنے حسن تمردو کے اظہار اور اضافہ تنخواہ کیلئے تشخیص مال میں اس قدر سختی کی ہی کہ غریب و مفلس رعایا نے مجبور ہو کر اپنے کم سن اور خوردسال بچوں کو نصرانیوں کے ہاتھ بیچکر اسکا گڑھا بھرا ہے اور اسپر بھی ادائے محصول کی ذمہ واری سے نجات نہیں ہی۔ فرزند من! اول تو یہ سختی خدا کو ناپسند ہے دوسرے بندر سورت ہفت اقلیم کے لوگوں کی آمد و رفت کا مرکز ہے تم سمجھتی ہو کہ جب بعد دوراندیش مسافر اپنے اپنے ملکوں میں جاکر بادشاہوں سے اسکا ذکر کرینگے تو ہماری کیسی کچھ بدنامی ہوگی اسلئے ایسے موذی اور ظالم کا نام صفحہ دنیا سے مٹا ڈالنا نہ صرف ترین مصلحت ہی بلکہ خدا کے نزدیک بہتری کا موجب ہی

بادشاہ بیگم جب اس راز سے واقف ہوئی تو اُسنے نہایت راستبازی اور سچائی سے اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ اور ساتھ ہی اپنی اس بیجا سفارش کی بادشاہ سے معذرت کی۔

ایک متعصب یورپین مورخ جہاں آرا بیگم کے حالات زندگی لکھتے وقت یوں ریمارک کرتا ہے کہ جہاں آرا بیگم شاہجہاں کی چہیتی بیٹی تھی اور اس بدقسمت داراشکوہ کی حقیقی بہن تھی جو حقیقت میں شاہجہاں کے تخت و تاج کا وارث تھا۔ لیکن آخرکار شکست کھاکر اور آسانی سے شکست کھاکر اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کے ہاتھ سے مارا گیا جسنے اپنے باپ کو تخت سے اُتارا اور بزور تخت نشین ہو گیا۔

جہان آرا حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھی اور اسکی فیاضی و سخاوت کی داستانیں بڑی دلچسپی کے ساتھ لوگوں کی زبان پر جستہ جستہ جاری تھیں اس زمانہ کے فرنگستانی سیاح اسکی بڑی غمگین و اتیں بیان کرتے ہیں اُسنے اورنگزیب کی عدالت کے مطعون جاہ و جلال سے شرکت حاصل کرنی پسند نہیں کی بلکہ باپکے اسکے قید کے زمانہ میں آگرہ ہی رہنا پسند کیا۔ اورنگ زیب پر یہ بھی شبہ کیا گیا تھا کہ وہ اُسے قتل کرنے کو دہلی لے گیا تھا۔ مگر یہ بھی ویسی ہی لغو اور بے سر و پا باتیں ہیں جیسی متعصب مورخوں نے خاندان تیموریہ کے بادشاہوں کی نسبت صرف تعصب مذہبی کی وجہ سے آنکھوں پر پٹی باندھکر لگائی ہیں تاریخ میں کہیں اسکا پتہ نہیں چلتا کہ اورنگ زیب نے جہاں آرا کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی یا بدسلوکی کا ارادہ تک کیا ہو بلکہ جب تک وہ زندہ رہی اسکی حرمت و عظمت ویسی ہی کرتا رہا جیسی باپ کے سامنے کرتا تھا بلکہ اُس سے بڑھکر بیگم کی تسلی و دلجوئی میں مصروف رہتا تھا تعجب ہے کہ عیسائی مورخ اس قسم کی بے بنیاد اور جھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں کیوں جرأت و دلیری کرتے ہیں اس سے بڑھکر تعجب و حیرت تھوونیر کے قول پر ہے جو نہایت دریدہ دہنی سے کہتا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جہاں آرا بیگم اورنگ زیب کے حکم سے آگرہ سے دہلی میں لائی گئی ظالم اُسکو دہلی میں لایا اور وہ مدتوں نہایت ضیق میں رہی۔ بلکہ اپنی بہن کے انتقال کے بعد بھی ۱۶۸۰ء تک زندہ رہی،،

الغرض جہاں آرا بیگم نے بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت کیساتھ زندگی بسر کی۔ اور اپنے باپ کے انتقال کے بعد بھی ایک عرصہ تک نہایت نیکنامی اور عزت سے زندہ رہی آخرکار ۱۰۹۲ ہجری میں انتقال کیا اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے متصل ایک نہایت عجیب و غریب حجرہ میں مدفون ہوئی۔ یہ حجرہ سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کا ہے اور چاروں طرف سنگ مرمر کی عمدہ اور خوبصورت جالیاں لگی ہوئی ہیں اور نازک خیال کاریگروں نے جو صنعت اسمیں رکھی ہے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

جہاں آرا بیگم کو خواجگان چشت سے نہایت اعتقاد تھا اور اسنے اپنی زندگی ہی میں اپنی قبر کے لیے یہ جگہ

پسند کی تھی اپنا سارا مال و اسباب جس کی قیمت تین کروڑ روپیہ تھی یہاں کے خادموں اور مجاوروں
کو دیکر یہ زمین جہاں اب مقبرہ بنا ہوا ہے اپنے مدفن کے لیے مول لی اور اپنے سامنے ہی اس مقبرہ کو بنوایا
لیکن جہاں آرا کے انتقال کے بعد شہنشاہ عالمگیر نے دو کروڑ روپیہ خادموں سے واپس لے لیا کیونکہ شرعی
وصیت تہائی حصے سے زیادہ میں جاری نہیں ہو سکتی مقبرہ کے اندر چار قبریں ہیں تین بڑی اور ایک چھوٹی
جہاں آرا کی قبر کے سرہانے سنگ مرمر کی ایک لوح کھڑی ہے جس پر یہ شعر جو اسی کی موزوں طبیعت کا نتیجہ ہے
جلی حرفوں میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ کندہ ہے **شعر**

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا　　　کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

اس شعر کے ذیل میں یہ عبارت کندہ ہے الفقیرۃ الفانیہ جہاں آرا مرید خواجگان چشت بنت
شاہجہاں بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ ۱۰۹۲ھ ہجری

رانی پاربتی حسن کی دیوی راجہ جھجھار سنگھ ولد راجہ نرسنگھ دیو والی بندیلہ کی ممتاز و محبوب رانی تھی
جس کے حسن و خوبصورتی کی داستانیں بڑی دلچسپی کے ساتھ سنی جاتی ہیں تاریخ میں جہاں دنیا کی مشہور
نامور حسیناؤں کے عالمگیر حسن کا ذکر ہے وہاں رانی پاربتی کی شہرۂ آفاق خوبصورتی کا بھی ضرور ذکر
ہے یہ رانی میانے قد کی عورت تھی ہاتھ پاؤں اگرچہ کسی قدر چوڑے چکلے تھے مگر مناسب اور موزونیت میں
بے مثل تھے رنگ خوب کھلتا ہوا گندم گوں گول مگر ستواں چہرہ چوڑا اور کشادہ پیشانی [illegible] مانند آنکھیں
باریک اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ بل کھائی ہوئی بھویں سیاہ لمبے بال غرضکہ سر سے پاؤں تک
جو چیز تھی بالکل انوکھی تھی گویا ایک حسن کی پتلی تھی جو نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی گو وہ نہایت خلیق
اور منکسر المزاج تھی مگر پھر بھی اسکی صورت سے رعب و دبدبہ کی شان برستی تھی۔ اسکے سپید اور خوبصورت
رخساروں میں باریک باریک نیلی رگیں بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ جھجھار سنگھ جو ایک بڑا دلاور جنگجو سپاہی
آدمی تھا ہمیشہ اس حسن کی دیوی کی پرستش کیا کرتا اور اسکی ایک ایک آن پر قربان تھا۔

رانی پاربتی جیسے حسن و خوبصورتی میں بے مثل اور لاثانی تھی ویسے ہی شجاعت و بہادری میں بھی بے نظیر
تھی جب تک جھجھار سنگھ زندہ رہا یہ ہر خطرناک معرکہ میں اسلحہ سے آراستہ ہوکر اسکے ساتھ رہی اور میدان جنگ میں
مقابلے کے وقت جوانمردی کے جوہر اور شجاعت کے حیرت انگیز نمونے دکھایا کی ۱۰۴۴ھ میں جب
شاہجہاں بادشاہ کی جرار خونخوار فوج جھجھار سنگھ کو چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے تھی تو رانی پاربتی
اپنے شوہر کے پہلو بہ پہلو محاصرین کے بیباک حملے بڑے زور شور سے روک رہی تھی اور مردانہ وار کمر ہمت
باندھے ہوئے نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ شاہی فوج کو ترکی بہ ترکی جواب دیتی تھی۔ رانی

پاربتی نے اس معرکہ جنگ میں اپنے شوہر کا بہت ساتھ دیا اور شجاعت و جانبازی کے خوب ہی جوہر
دکھائے جسے کامیاب کرنے میں اپنی جان تک لڑا دی اور محنت و کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا
نہ رکھا مگر اسکو کیا کیجیے کہ ججھار سنگھ کے اقبال کا ستارہ ہی پستی میں تنزل کر گیا تھا اور ادبار کی گھٹا نے
چاروں طرف سے امنڈ امنڈ کر اسے گھیر لیا تھا اگرچہ ججھار سنگھ اس معرکہ میں شکست کھا گیا مگر
تاہم پاربتی نہایت استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑی رہی اور اسنے جنگ سے
منھ موڑ کر بھاگ جانے پر اپنے گرفتار ہونے اور مخالفوں کے ہاتھوں میں پڑنے کو ترجیح دی۔

ججھار سنگھ کا باپ راجہ نر سنگھ دیو بندیلہ اصل میں نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کا ایک نہایت وفادار
اور جان نثار مصاحب تھا جو ایام شہزادگی سے لیکر جہانگیر کی وفات تک اسکا ملازم خاص رہا اور ہمیشہ
وفاداری و جان نثاری ظاہر کرتا رہا۔ اسنے جہانگیر کے ایما سے اپنے وفادارانہ جوش کے ثبوت میں شیخ ابو الفضل کو
قتل کیا جبکہ فاتح ہند جلال الدین اکبر مہم دکن سے واپس آتا تھا جبکہ ۱۰۱۴ھ میں جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے
بعد قلعہ اوندچھہ جو نہایت سرسبز و شاداب پرگنہ تھا راجہ نر سنگھ کے نام کر دیا تھا۔ اسکے علاوہ اور بھی چند ایسی
وفادارانہ اور خیر خواہانہ کارروائیاں راجہ نر سنگھ سے ظہور میں آئی تھیں جنھوں نے اسے بادشاہ کے
دربار میں کرسی نشین کرا دیا تھا اور اہل دربار کی نظروں میں معزز و معتمد کر دیا تھا لیکن جب عہد جہانگیر
میں حکومت میں کچھ ابتری پیدا ہوئی تو نر سنگھ دیو نے علم سرکشی بلند کیا اور بغاوت کے جھنڈے جا بجا
گڑوا دیئے۔ امید سے زیادہ کامیابی نے اسکے دماغ میں ہمسری کا خیال پیدا کر دیا اور اب اسے
ایک جلیل القدر بادشاہ کی ماتحتی میں رہنا ناپسند کیا اور مستقل حکومت کے دعویٰ کو ظاہر کیا۔ شاہی ملک
میں غارتگری کے ہاتھ کھولے اور بڑی بے رحمی و سفاکی کے ساتھ مسافروں کے تاخت و تاراج کرنے پر
جرأت کی۔ جہانگیر حکومت کے بعض پیچیدہ معاملات کے سلجھانے میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے بالکل معلوم
نہ ہو سکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا ہے اور ہر طرف ہنگامہ برپا ہے۔ خاص کر نر سنگھ دیو کے
حق میں اسقدر فرصت نہایت مغتنم تھی اسنے چند ہی روز میں ایک بہت بڑا خزانہ جمع کر لیا اور بادشاہ کے
ممالک محروسہ میں سے بہت سے پرگنے دبا بیٹھا تو بھی قوت بہت کچھ بڑھالی اور اسلامی سلطنت کے نقصان کا
درپے ہوا۔ جہانگیر جب اس جھگڑے کی طلسم کشائی سے فارغ ہوا تو نر سنگھ دیو کی سرکوبی اور استیصال کی طرف متوجہ
ہوا فوج کا ایک بڑا خونریز دستہ اسکی بربادی پر متعین ہوا اور باقی تمام فوج ہر طرف سے فراہم ہو کر جمع
ہو گئی۔ خروج کے کوچ کا دن ہوا تو دفعۃً بادشاہ بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ پھر صحت میسر نہ ہوئی اور
چند روز میں انتقال کر گیا۔

جہانگیر کے انتقال کے بعد ہند کے تخت و تاج کا وارث ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں تخت ہوا اور ملکی انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔

اگرچہ شاہجہاں کا عہد حکومت ہی سے تازہ جنگیوں اور پُر زور بغاوتوں میں الجھا رہا تاہم اسکے بلند ہمت اور وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا گویا جلال الدین اکبر کی سی جیسی عظیم الشان فتوحات دولت مغلیہ میں سرے سے ناپید ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ شاہجہاں اس میدان میں اپنے نامور باپ جہانگیر سے کچھ پیچھے نہیں ہوا کہیں جب یہ برہمی پیدا ہوئی تو شاہجہاں اسکے فرو کرنے اور نرسنگہ دیو کی اس آتش فساد کے بجھانے کی طرف متوجہ ہوا اس اثنا میں خبر پہونچی کہ نرسنگہ دیو واصل جہنم ہوا اجہار سنگھ جو ہنوز ملازمان رکاب سعادت مندوز کے جرگہ میں شامل تھا اس خبر کے سنتے ہی بقول شخصے ؎ بد گہر با کسے وفا نکند ٭ اصل بد در خطا خطا نکند ٭ اپنے اسلاف بد کردار کے روش کے مطابق بیشمار خزانوں اور بہت سے بد اندیش ہمراہیوں کے ساتھ دار الخلافہ آگرہ سے نکل بھاگا اور بندیلے کے آگے پہاڑوں کے وسیع سلسلہ میں ایک بلند اور محفوظ موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا حضور شاہی میں اس فتنہ انگیز کی ان شورشوں اور شرارتوں کی خبر پہونچی تو غالب خاں اور مہابت خاں جنہیں بہت سی فتوحات کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور جنہوں نے بڑی بڑی پر زور بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا تھا ججہار سنگھ کی سرکوبی کے لیے متعین ہوئے یہ دونوں نامور سپہ سالار دس ہزار خونریز سوار پانچ ہزار بندوقچی اور بہت سے تبرداروں کی سرکردگی میں بڑے شان و سامان سے روانہ ہوئے عقب سے سید مظفر خاں بارہ اور اسلام خاں اور دلاور خاں اور سردار خاں اور راجہ رامداس اور لشکر بہادر وغیرہ بڑے نامور فوجی افسر خاص بندیلے کے خراب و پائمال کرنے کے لیے نامزد ہوئے ۔ ادھر خانجہاں لودھی صوبدار مالوہ کو فرمان پہونچا کہ اپنے ہمراہیوں سمیت مہابت خاں کی مدد کو پہونچے۔ عبد اللہ خاں فیروز جنگ جو دولت مغلیہ کا قدیم فدائی اور جان نثار افسر تھا پانچہزار سواروں کی جمعیت سے کالپی کی راہ سے بندیلے کیجانب روانہ ہوا علی ہذا القیاس بہادر خاں روہیلہ کو حکم ہوا کہ خلیجہ بہادر و نکی ایک کثیر جماعت اور دو ہزار تجربہ کار بندوقچی اور تبرداروں کو ساتھ لیکر جانب مشرق سے ججہار سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔

جب یہ فوجی افسر مختلف راہوں سے روانہ ہو چکے تو خود جہاں پناہ ایک بڑی خونخوار فوج لیکر دار الخلافہ آگرہ سے باہر رونق افروز ہوئے اور شکار کی شہرت دیکر نہایت آہستگی کے ساتھ آگے بڑھے فتحپور میں جلوہ آرا ہوئے تو سالانہ جشن کی بنیاد ڈالی اور عشرت و نشاط کی شاہانہ مجالس آراستہ ہوئی اس سے فارغ ہونیکے بعد قلعہ گوالیار کے پہاڑوں کے دامنوں میں سیر و شکار میں مصروف ہوئے اور چند روز تک

دکن کے دلفریب منظروں نے بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ رکھا صحرا نورد فوجیں جو نا عاقبت اندیش ججھار کی استیصال کیلئے مقرر کی گئیں تھیں گوالیار کی راہ سے ہوتی ہوئیں اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرتی ہوئیں ججھار کی مستقر حکومت تک پہونچ گئیں سیر فتمار افسروں نے قلعہ ایرچ کا فوراً محاصرہ کر لیا جو بدنصیب ججھار کا ملجا تھا عبد اللہ شاں اور خان جہاں لودی نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا قلب فوج پر بھارت سنگھ بندیلہ اور میمنہ و میسرہ پر بہادر خاں روہیلہ اور نظر بہادر کو متعین کرکے خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے اچھی طرح حملہ آور فوج کی نگرانی کر سکے ججھار نے پہلے ہی سے کچھ فوج کمینگاہوں میں ٹھہرا رکھی تھی شاہی فوج قریباً دو فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی لیکن جب ججھار کا صدر مقام قریب آگیا تو دفعتہً اُسکے رسالے کمینگاہوں سے نکلکر شاہی فوج پر ٹوٹ پڑے ادھر خود ججھار بھی ایک جماعت کثیر لیکر آگے بڑھا شاہی لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آگیا اور نہایت بے ترتیبی و ابتری پڑگئی یہ دیکھکر بہادر خاں روہیلہ اور نظر بہادر نے فوج کے سنبھالنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کی مگر کمینگاہوں کے رسالوں نے کچھ ایسی ابتری ڈالدی تھی کہ شاہی فوج اُنکے سنبھالے سنبھل نہ سکی اتنے میں مخالف کی فوج نے شاہی میمنہ و میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ تمام لشکر کے قدم اُکھڑ گئے تاہم بہادر خاں روہیلہ اور نظر بہادر بڑے استقلال اور ثابت قدمی سے کھڑے رہے اور دوبارہ فوج کو ترتیب دیکر اہل علم پر اس تیزی سے حملہ آور ہوئے کہ اُنکے ہوش اُڑ گئے انکے متواتر حملوں نے علم برداروں کی صفیں اُلٹ دیں پھر کچھ ایسی ہلچل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہوگئی اُسوقت چونکہ بہادر خاں اور نظر بہادر تنہا رہ گئے تھے اور لڑائی کے مرکز سے دور بھی پڑ گئے تھے اسلئے اُنھوں نے چاہا کہ چند قدم پیچھے ہٹکر فوج کو مرتب کریں اس ارادہ سے چند قدم پیچھے ہٹے ہی تھے کہ سامنے شاہی فوج نظر پڑی جسے ججھار کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں نظر بہادر اپنی فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کر سکا اور فوراً آگے بڑھا بہادر خاں روہیلہ بھی اسکے ساتھ تھا دونوں ملکر ججھار پر حملہ آور ہوئے اور معرکہ جنگ میں اپنی شجاعت کے بے مثل نمونے دکھائے۔

جانبین سے فوجیں صف آرا تھیں اور دونوں طرف سے پے درپے حملے ہو رہے تھے کہ جہاں پناہ کے گوالیار میں جلوہ آرا ہونے کی خبر سارے لشکر میں پھیل گئی جسنے شاہی فوج میں عام طور پر تقویت و دلیری کی تازہ روح پھونکدی اور خود ججھار اور اُسکے تمام فوجی افسروں کے دلوں میں تہلکہ ڈالدیا وہ اپنی تمام فوج کو معرکہ جنگ سے ہٹا لایا اور قلعہ ایرچ میں جو اُس کی پناہ کی جگہ تھی محصور ہوگیا اور فوراً ایک زبان فہم اور بلیغ و فصیح وکیل کو اپنے عفو جرائم اور خطا بخشی کے لئے شہنشاہ

کے حضور میں روانہ کیا۔ وکیل نے باریابی کی اجازت پاکر معروض خدام والا کیا کہ جھجہار دست بستہ عرض کرتا ہے کہ اگر حضور اس سیہ کار کے صفحہ اعمال کو عفو کے پانی سے دھو دیں تو پھر اپنی زندگی تک حضور کی نافرمانی پر جرأت نکرے اور کبھی اطاعت اور فرمانبرداری کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھے اسی اثنا میں ایک شاہی ہرکارے نے آکر شہنشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ عبداللہ خاں اور بہادر خاں روہیلہ اور بھارت سنگھ نے کمند ہمت سے قلعہ ایرچ کو فتح کر لیا جو اس غول وحشت اور بانکا ملجا تھا اور محصورین میں سے تین ہزار کافروں کو قتل کیا اور بقیۃ السیف حلقہ اطاعت میں آ گئے جھجہار قلعہ سے فرار ہو گیا ہر چند کہ اسکا تعاقب کیا گیا مگر کہیں سراغ نہیں چلا۔ اسکے چوتھے روز شاہی لشکر فتحیاب اور کامرانی کے ساتھ گوالیار میں واپس آکر ٹھہرا اور وہ امرائے دربار جو دولت مغلیہ کے قدیم خیر خواہ اور سچے جان نثار تھے اپنی جانبازیوں کے صلہ میں عنایت شاہانہ اور مناصب جلیلہ سے ممتاز و معزز ہوئے بھارت سنگھ بندیلے کو اسکی نمایاں کوششوں کے صلہ میں خلعت فاخرہ عنایت ہوا اور تمام فوجی افسروں کی گودیاں زر و نقد سے لبریز کر دی گئیں بھارت سنگھ اور یمین الدولہ وغیرہ کی سفارش سے رحمدل اور نیک نہاد بادشاہ نے بد قسمت جھجہار کی جرائم تقصیرات پر قلم عفو کھینچ دیا اور جب وہ دست بستہ حضور شاہی میں حاضر کیا گیا تو بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے اسکے سر پر معافی کا تاج رکھا جھجہار نے ہزار اشرفیاں پندرہ لاکھ روپیہ چالیس ہاتھی اس جرأت بیجا کے جرمانے میں بادشاہ کے نذر کیے اور وہ تمام مفتوحہ مقامات جو بطریق غصب اپنے تصرف میں لے آیا تھا مالک محروسہ میں داخل کر دیئے بادشاہ نے چار ہزار سوار اس کی ماتحتی میں دیکر اسے اسکی آبائی جاگیر پر قبضہ دے دیا اور باقی عبداللہ خاں اور خان جہاں لودی کی تنخواہ میں اضافہ کر کے اسکے تمام مقبوضہ مقامات اور ساز و سامان سرکار میں ضبط ہو گئے۔

اسکے بعد جھجہار سنگھ خان خاناں کے ہمراہی میں دکن روانہ ہو گیا اور بہت روز تک نمایاں بڑے بڑے کار نمایاں ظاہر کرتا رہا اس سے خان خاناں اور خود جہاں پناہ کو اسکی خیر خواہی اور صاف دلی کا قدرے اطمینان ہوتا چلا مگر انجام کار وہ بدنہاد اپنی بد طینتی اور اندرونی ناپاکی کا جوش ضبط نہ کر سکا خان خاناں سے رخصت ہو کر وطن مالوف میں پہنچا اور اپنے چھوٹے فرزند بکرماجیت کو اپنی جگہ اپنا قائم مقام کر گیا موروثی مسکن میں آیا تو قدیم مفسدہ پردازی اور فتنہ انگیزی شروع کی اور قرب و جوار میں بغاوت کے شعلے بھڑکا دیئے۔ بھیم نرائن شاہی تعلقہ دار کو حیلہ آمیز تدبیر سے اسکے وطن سے بلایا اور جب وہ پہونچا تو اسے مع ہمراہیوں کے قتل کر ڈالا اور اسکے خزانہ عامرہ

قلعہ پر متصرف ہوگیا۔ بھیم نرائن کا فرزند جو حضور شاہی میں موجود تھا اپنے مظلوم باپ کے یوں قتل کئے جانے پر نہایت افروختہ ہوا اور جھجار کی اس ظالمانہ کارروائی کی حضور کو اطلاع دی حکم ہوا کہ جھجار بدنہاد کو ایک نصیحت آمیز فرمان لکھا جائے تاکہ وہ اپنے اس غدر و بیوفائی سے باز آئے اور بھیم نرائن کا سارا مال و متاع اسکے ورثہ کو مسترد کردے لیکن مغرور جھجار پر اس فرمان کا کچھ اثر نہیں پڑا اور چونکہ اس کے سر پر موت سوار تھی اسلئے وہ ناعاقبت اندیش اپنے انجام کار کی طرف ذرا متوجہ نہیں ہوا بکرماجیت جو ہنوز دکن میں اپنے باپ کی جگہ موجود تھا اسکا اشارہ پاتے ہی نکل کھڑا ہوا اسوقت خان خانان برہان پور کی مہم میں مصروف تھا اسنے بکرماجیت کی فراری ہونیکی خبر سنی تو مالوے تک تعاقب کرتا ہوا آیا یہاں دونوں کی مٹھ بھیڑ ہوگئی اور سخت معرکہ ہوا طرفین کے بہت سے آدمی قتل ہوئے اور کچھ مجروح و زخمی بکرماجیت نے بھی اگرچہ چند زخم کھائے مگر چونکہ وہ ایسے کاری نہ تھے لہذا جان بچاکر نکل گیا اور بہت جلد باپ سے جاملا۔

بادشاہ مغرور جھجار کی یہ بے پروائی اور بیجا جرأت دیکھکر سخت غیظ میں آیا اور اس نے انتہائے طیش میں عبداللہ خاں بہادر اور سید خان جہاں کو فوج کی تیاری کا حکم دیا یہ دونوں تجربہ کار اور بہادر افسر دس ہزار مسلح فوج کو لیکر قلعہ ایرچ کی طرف بڑے ساز و سامان سے بڑھے۔ خان دوراں خاں جو بکرماجیت کے تعاقب کے بعد مالوے میں فرمان شاہی کا منتظر تھا زرہ پوشوں کے دو جرار رسالے ہمراہ لیکر عبداللہ خاں اور سید خان جہاں سے آملا اور تینوں افسر اس فوجی جاہ و حشم کے ساتھ روانہ ہوئے جھجار کو یہ خبر ہوئی تو مکار نے پھر اپنے وکیل کو حضور شاہی میں روانہ کیا اور خان خانان اور آصف خاں کو اپنے جرائم کا شفیع مقرر کیا بادشاہ نے ارکان دولت کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا رائے ہے سب نے متفق اللفظ ہوکر کہا کہ ایسے متمرد باغی کی سزا قتل ہے مگر آصف خاں وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف برگشتہ بخت جھجار کی سفارش کی اور کہا جہاں پناہ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا ہے لیکن اگر جھجار کی اس جرم سے اغماض فرماکر اسے بخش دیں تو ہم آپکی فیاضی اور رحمدلی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے۔ بادشاہ نے سر جھکالیا اور قدرے تامل کے بعد فرمایا کہ بیشک یہ سچ ہے لیکن تاوقتیکہ دشمنان دولت اپنے جرائم اور بے عنوانیوں کی کافی سزائیں نہ پائیں اور انکی بغاوت کے بھڑکتے ہوئے شعلے آب تلوار سے نہ بجھائے جائیں ملک میں امن و امان کا قائم رہنا مشکل اور سخت مشکل ہے یہ کہکر بادشاہ دربار عام سے اٹھ کھڑا ہوا اور حرم سرا میں جلوہ آرا ہوکر خواب گاہ میں چلا گیا۔

دوسرے روز جہان پناہ نے سندر کب رائے کو جو پایۂ تخت ہند کا ایک بڑا نامور اور مشہور شاعر تھا اور ججھار سے قدیمی تعلق رکھتا تھا فوج کا ایک زبردست دستہ دیکر روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ججھار وہ تیس لاکھ روپیہ جو اُس نے سرکاری تعلقہ داروں سے اپنی حیلہ سازیوں سے وصول کیا ہے شاہی خدام کے حوالہ کردے اور اپنے چھوٹے فرزند بکرماجیت کو خان زمان کے پاس دکن میں بدستور سابق بھیجدے تو میں اُسکے قصوروں کو معاف کر دونگا۔ سندر کب رائے ججھار کی جان بخشی کا مژدہ سنکر قاعدے کے مطابق آداب بجا لایا اور بڑی تیزی کے ساتھ آندھی مینہہ کی طرح شاہی لشکر سے بہت پہلے پہونچ گیا ججھار سے ملا تو قومی ہمدردی اور قدیم تعلق کے لحاظ سے اُسے بہت کچھ سمجھایا اور اُسکی ناعاقبت اندیشی اور بغاوت کے بُرے نتائج کو ہر پہلو سے ذہن نشین کیا مگر وہ فتنہ انگیز اپنے تمول کی کثرت پر اس درجہ مغرور اور خاردار درختوں سے بھرے ہوئے جنگلوں اور پیچ درپیچ اور دشوار گزار گھاٹیوں پر ایسا مطمئن تھا کہ سندر کب رائے کی کسی بات کا اُسپر اثر نہیں ہوا اُسکی ساری کوششیں ضائع و برباد گئیں اور کوئی تدبیر نہ چل سکی مجبور ہو کر واپس آیا اور تمام واقعہ بادشاہ کے حضور میں عرض کیا بادشاہ نے شہزادہ محمد اورنگ زیب عالمگیر کو جو مہم دکن سر کرنے کیلئے روانہ ہونیوالا تھا بنا بر مزید احتیاط تمام فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے ججھار کے قلع و قمع کیلئے روانہ کیا شائستہ خان اور رستم خان دکھنی کے علاوہ دیگر نامور اور مشہور امرا شہزادے کے ہمرکاب ہوئے اور یہ فوج بڑے احتشام سے بدقسمت ججھار کی طرف بڑھی۔ شہزادے کے پہونچنے سے پیشتر ہی فوج ہراول قلعہ اوندچہ کے نزدیک جادہکی جو ججھار کا پرگنہ خاص تھا اور جہاں اُسنے جنگ کے تمام ساز و سامان مہیا کر رکھے تھے تجربہ کار امرا نے ہزاروں بیلدار اور تبردار جس جنگل کے گھنے اور درختوں کے جھنڈ کاٹنے اور دشوار گذار راہوں کے ہموار و مسطح کرنے پر مقرر کئے جنہوں نے بڑی مستعدی کیساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا۔

ججھار نے جب شاہی فوج کے اسطرف بڑھنے کی خبر سنی تو اُس نے بہت سے سوار و پیادے اطراف و جوانب راہوں پر متعین کئے اور کئی ہزار آدمی راستہ کے دائیں بائیں گھاٹیوں اور گنجان درختوں کی کمینگاہوں میں بٹھادئے تاکہ جس وقت شاہی لشکر اس طرف سے گذرے یہ لوگ سد راہ ہو کر کمینگاہوں سے تیر و تفنگ کا مینہہ برسائیں اور جب سراسیمگی اور بے سروسامانی کے ساتھ بھاگیں تو سارے کمینگاہوں سے نکلکر ان پر ٹوٹ پڑیں اور خود پانچہزار خونریز سواروں کو ساتھ لیکر قلعہ اوندچہ میں محصور ہو گیا۔

قلعہ اوندچہ جب ایک منزل رہ گیا تو شہزادہ عالمگیر نے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دیکر آگے

روانہ کیا تاکہ لشکر کے لئے کوئی محفوظ اور امن کا مقام معین کر سکے جب یہ مختصر سی فوج اس جنگل میں
داخل ہوئی تو کمینگاہوں کے رسالوں نے دفعتہً چھاپا مارا لیکن اسنے نہایت استقلال سے مقابلہ
کیا اور ایک قاصد کو دوڑایا جسنے شاہزادہ عالمگیر کو اس واقعہ کی خبر دی۔ شہزادہ نے چھاپا کی یہ دغا
بازی معلوم کی تو نہایت طیش میں آکر نہایت تیزی سے ساتھ اُنکے سر پر پہونچا اور ایسا حملہ کیا کہ تمام لوگ
پریشان ہوگئے بہت سے کفار مارے گئے اور بقیۃ السیف کمینگاہوں اور پہاڑیوں کی تیرہ و تاریک
گھاٹیوں میں جا چھپے۔ اگرچہ اب بظاہر اس سرزمین میں کوئی شخص شہزادہ عالمگیر کا سد راہ نہ تھا
تاہم اُس نے نہایت احتیاط و حزم سے کام لیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان صعب و دشوار گذار رستوں
کو طے کر کے قلعہ اوندچہ پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے ہزاروں گنجان درختوں کے جھنڈ
اور صدہا غار و کھنڈر طے کرنے پڑتے ہیں جو نہایت ہی پُر خطر اور ہولناک ہیں شہزادہ نہایت تدبیر
سے چند بڑے بڑے نامور اور مشہور فوجی افسر جو اسکی ہمرکاب تھے اُنکو خاص خاص حصوں پر متعین کیا اور
سبکو عام منادی کرا دی کہ جو لوگ حلقہ اطاعت میں آتے جائیں اور لڑائی کے ہتھیار ڈالدیں انہیں امن
و امان دیا جائے اور جو اطاعت قبول نہ کریں انھیں فوراً قتل کر دیا جائے چنانچہ بڑی بیرحمی اور سفاکی
سے ان احکام کی تعمیل ہوئی اور ہزاروں آدمی خون کے دریا میں نہلا دئے گئے جو لٹیرے پہاڑیوں کی
گھاٹیوں اور کمینگاہوں میں بیٹھے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے اُن سے شاہی فوج کو اگرچہ بہت کچھ
نقصان پہونچا مگر عالمگیر کی ماتحتی فوج نہایت دلیری سے لڑی اور دشمنوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر
قتل کرنے لگی تین روز تک برابر قتل عام رہا اور بقیۃ السیف عاجز ہو ہو کر شہزادہ کی پناہ میں آتے
گئے اب صرف یہاں کے اوباش و عیار لوگ باقی رہ گئے تھے جو عالمگیری فوج کے سد راہ تھے اور
حقیقت یہ ہے کہ انکے زیر کرنے میں شہزادہ عالمگیر نے جو مشکلیں اور دقتیں اُٹھائیں بڑے بڑے
معرکوں میں نہیں اُٹھائی تھیں ان خاردار درختوں سے بھرے ہوئے جنگلوں اور پہاڑیوں کی پُر خطر
گھاٹیوں کی مسافت طے کرنے میں جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اُن سے بڑے بڑے تجربہ کار فوجی کے
دل ہٹ گئے قلعہ اوندچہ سے تین میل اس طرف ایک کھلے میدان میں اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ عالمگیر
کی بہت سی فوج ضائع ہوئی اور کئی مشہور افسر مارے گئے۔

الغرض شہزادہ عالمگیر عیاروں کے گروہ کو زیر و زبر کرتا ہوا اس مقام پر پہونچ گیا یہاں سے
قلعہ اوندچہ صرف ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا شاہی فوج نے اسی مقام پر پڑاؤ ڈالدیا اور راجہ دیبی سنگھ
ہمراہوں نے بڑی جرأت کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں حصار کے بہت سے مورچے فتح کر لئے

قلعہ کی عین دیوار کے نیچے پہونچ گیا اور تین طرف کا محاصرہ کر کے باقاعدہ فوجیں لگادیں عالمگیر نے جگہ جگہ راستوں
پر جنگی پہرے بٹھا دیئے اور تاکیدی حکم دیا کہ باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آنے پائے۔ جھجھار اپنے
پانچ ہزار ہمراہیوں کو لئے ہوئے قلعہ کی فصیلوں پر موجود تھا اور ہر طرف سے تیروں اور آتش بار
گولوں کا مینہ برسا رہا تھا۔ رانی پاربتی بھی منہ پر نقاب ڈالے اور بدن پر مردانہ ہتھیار لگائے ہوئے
بھائی کے پہلو میں موجود تھی اور محاصرین کے پر زور حملے بڑی سرگرمی سے روک رہی تھی سچ یہ ہے کہ اسوقت
پاربتی نے اپنی فطری شجاعت و بہادری سے وہ جوہر دکھائے جس سے بڑے بڑے بہادروں کے منہ پھر گئے
محاصرے کے زمانے نے کو بہت طول کھینچا اور شاہی لشکر ہزاروں نئی نئی تدبیریں چلا مگر رانی پاربتی
کی اصابت رائے اور بے مثل شجاعت نے اسکی تمام تدبیریں خاک میں ملا دیں اور متواتر گولہ باری اور روز
آئے دن کے زبردست شبخون نے شاہی لشکر کے حوصلے پست کر دیئے۔ رانی پاربتی کی شجاعت کی یہ پہلی
نظیر ہے کہ وہ اپنے باڈی گارڈ کے ہتھیار لگے ہوئے اور قلعہ کے دروازہ کی اوٹ میں ہو کر تین وقت
شاہی لشکر پر حملہ اور فوج پر گولہ باری کرتی رہی آخرکار شہزادہ عالمگیر بہت سے جلادت پیشہ اور خونریز سواروں
کو ساتھ لیکر آگے بڑھا اور اپنی بہادری اور اصابت تدبیر سے محصورین کو پریشان کر دیا ایک
رات جھجھار شاہی فوج پر شبخون مارنے کی غرض سے قلعہ سے نکلا اور تمام فوج کو مستعد کر کے باہر
لایا رانی پاربتی بھی اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کے لیے جسم پر ہتھیار لگائے ہوئے ایک ہیل پیکر
گھوڑے پر سوار ساتھ تھی اور بڑے زور سے حملہ آور فوج پر چھاپہ مارا اتفاق سے عالمگیر اسوقت اپنے خیمہ
میں بیٹھا ہوا کچھ غور کر رہا تھا جس ہی اسنے گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدائیں سنیں فوراً چونک پڑا اور
بہت مسلح ہو کر خیمہ سے باہر نکلا دیکھا تو شاہی فوج دشمنوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں پامال اور قتل
ہو رہی ہے۔ یہ ایک ایسا نازک اور خطرناک وقت تھا کہ کیسا ہی بہادر اور جری شخص ہوتا اسے اپنی
جان بچانے اور بھاگ جانے کے علاوہ اور کچھ کرتے ہی بن نہ آتا لیکن وہ تو عالمگیر ہی ایک ایسا بہادر
اور مشہور آدمی تھا جس نے بڑے استقلال اور ثابت قدمی سے کام لیا اس جری اور نامور شہزادے کی
غیرت و حمیت نے گوارا نہیں کیا کہ خود تو جان بچا کر چلا جائے اور غافل لشکر کو کٹوا دے اس نے ایک
ایسے غضب کی آواز میں للکار کے کہا کہ او دغا باز جھجھار سامنے آ اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا اتنے میں تمام
فوج مسلح ہو کر تیار ہو گئی شہزادہ عالمگیر اپنی تمام فوج کو ساتھ لیکر لشکر غنیم پر چل پڑا پہلے ہی حملہ میں جھجھار
اور اسکے ہمراہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور سخت معرکہ کے بعد اسے مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا اس میں شبہ
نہیں کہ اس معرکہ میں شاہی فوج بہت ضائع ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسی ایک اسنے سامنے

کی لڑائی نے بدقسمت جھجار کی جنگ کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کردیا۔ اسکے بعد پھر اسے شاہی فوج سے
مقابلہ کرنیکی کبھی جرأت نہیں ہوئی اگر صرف آدھ گھنٹہ وہ میدان میں اور ٹھیر جاتا تو بھی اسکی
قسمت کا آخری فیصلہ ہوجاتا مگر خیر یہ ہوئی کہ وہ فوراً قلعہ بند ہوگیا اور معرکہ سے اپنی جان بچاکر لے گیا۔
صبح ہوئی تو جھجار نے برقندازوں کی کثیر جماعت ایک راجپوت افسر کی ماتحتی میں تعینات
کی اور نقد و جواہرات کے خزانوں میں سے جس قدر ساتھ لیجا سکا لیا اور اپنے [illegible] کو
ہمراہ لیکر دھامونی کیجانب نکل کھڑا ہوا جو نہایت مستحکم و مضبوط عمارت تھی اور جسے [illegible]
نرسنگ دیو کی بنوائی ہوئی تھی شاہی فوج میں جب اسکے بھاگ جانے کی خبر پہنچی تو فتح کے نقارے
پر چوٹ پڑی کہ اس ولایت کے دل باختوں کے کلیجے ہل گئے۔ اور قلعہ کی بنیادوں میں تزلزل
پڑگیا قلعہ کشا بہادروں نے تین رات دن کے تردد اور کوشش کے بعد قلعہ فتح ہوگیا اور تھوڑے
سخت معرکے کے بعد مشرقی دروازہ سے شہزادہ عالمگیر مع لشکر کے داخل قلعہ ہوا [illegible] پر علم
اسلام نصب کیا گیا اور قلعہ کی فصیل پر اذان دیگئی جسکی با جلال و جمال صدا نے کافروں کے دل
دہلا دیئے عالمگیر نے قلعہ کا انتظام کرکے اُسے راجہ دیبی سنگھ کے حوالہ کیا اور خود قلعہ دھامونی
کیطرف بڑی تیزی سے بڑھا و پڑاؤ کرکے تیسرے روز لشکر دھامونی کے وسیع جنگل میں پہونچا
اور دمدموں کے درست کرنے اور نقبوں کے کھودنے میں بڑی گرمی کے ساتھ معروف ہوا
ہر چند کہ اس سرزمین کی سطح ایسی سخت تھی کہ بجز آہن فولاد کے اور کوئی چیز اسمیں اثر کرتی تھی
تاہم کوہ کن بہادروں نے کمر ہمت چست باندھکر بہت تھوڑے عرصہ میں سارا ساز و سامان ٹھیک ٹھاک
کرلیا محصورین باوجودیکہ دل برداشتہ اور ہر طرف سے مایوس تھے مگر تو بھی اپنی بانی سے باز نہ آتے
تھے اور آتش فشاں آلات اور منجنیقوں کے ذریعہ سے پتھر پھینکنے میں کمی نہ کرتے تھے [illegible]
شاہی فوج پر آگ برستی تھی اور سینکڑوں آدمی روزانہ ضائع ہوتے تھے آخرکار شاہی فوج نے
تنگ ہوکر ہوش ربا مندین اور آسمان پایہ زینہ مہیا کرکے باہم تجویز کی آج شب کو جس طرح بن پڑے
قلعہ پر چڑھ جانا چاہیے۔ اور ایک دم سے یورش کردیں۔ دل باختہ جھجار کو یہ خبر پہنچی تو [illegible]
کے آتے ہوش و حواس جاتے رہے اور ایک وکیل کو روانہ کرکے طالب پناہ ہوا۔ ابھی [illegible]
کے کانوں میں گفتگوئے صلح کی آواز نہ پہنچی تھی کہ بہادران رہیلا [illegible] اپنی شجاعت
کے فطری جوش کو ضبط نہ کرسکے اور جنوبی حصے کی طرف سے قلعہ میں پہونچکر دروازہ میں [illegible]
اور بہت سے جانباز مردانہ دلیرانہ قلعہ میں گھس گئے جھجار سنگھ انہیں کے پاس اور [illegible]

میں قلعہ سے باہر نکل آیا اور تاریک رات میں درختوں کے جھنڈوں میں سے ہوتا ہوا ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا۔

غرض قلعہ میں سخت معرکہ ہوا اور اگرچہ تھوڑی دیر میں صدائے دار و گیر اور محصورین کے فریاد کی آواز خاموش ہوگئی مگر چونکہ شہزادہ عالمگیر کو بدنصیب جھجھار کے فرار ہونیکی خبر پہنچ چکی تھی اسلیے اس نے تمام لشکر میں عام منادی کردی تھی کہ دن نکلنے سے پہلے قلعہ میں داخل نہ ہونا چاہیئے غارت پیشہ لوگ جو کہ اسی طرح قلعہ میں داخل ہونیکے لیے بیقرار تھے اپنے سرداروں کا حکم بالائے طاق رکھکر قلعہ میں گھس گئے اور تاخت و تاراج میں پیش دستی کو غنیمت جانا جسقدر نقد و اسباب قلعہ میں موجود تھا لوٹ لیا گیا اور عورتیں بچے سب قید کر لیئے گئے خاندوراخاں کو خبر ہوئی تو وہ ایک فوجی دستہ کو ساتھ لیکر قلعہ میں آیا اور اُس نے اس بیرحمی کو پسند نہ کرکے غارتگری سے منع کیا۔ خاندوراخاں ہنوز قلعہ میں تھا کہ مشرقی برج سے ایک بلند صدا پیدا ہوئی جس سے قلعہ کے تمام دیواریں گونج اٹھیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اہل قلعہ کی ایک جماعت کثیر فرصت فرار نہ پاکر تیغ اجل کا انتظار کھینچ رہی ہے۔ محمد جعفر کا فرزند محمد اصغر انکی گرفتاری کو آگے بڑھا ہرچند کہ خاندوراخاں نے تاریکی شب کا عذر کرکے اُسے بہت روکا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ جس طرف سے یہ صدا پیدا ہوئی تھی وہاں بارودخانہ تھا جب یہ نوجوان مشعل لیکر اسطرف کو بڑھا تو مشعل کا گل بارودخانہ میں گر پڑا اور اسمیں آگ لگ گئی اور نمونہ محشر بپا ہوگیا قلعہ کا برج اور قریباً اسی گز دیوار اُڑ گئی اور دو سو آدمی جو وہاں موجود تھے ہلاک ہوگئے برج اور دیوار کے گرنے سے تقریباً سو راجپوت جو قلعہ کے باہر برج کے نیچے کھڑے تھے دبکر مر گئے الغرض دوسرے روز خاندوراخاں مدفون خزانوں کے تفحص اور ضبط اموال میں مصروف ہوا اور جابجا آدمی تعینات کیے تھوڑی دیر میں لوگوں نے آکر خبر دی کہ فلاں جنگل میں ظروف نقرہ اور سونے روپے سے بھرا ہوا کنواں پایا گیا ہے خاندوراخاں وہاں پہونچا اور دوسرے کنوؤں کی جستجو میں مشغول ہوا اسکے علاوہ تین اور کنویں زر و نقد سے لبریز دستیاب ہوئے۔

شہزادہ عالمگیر نے خان جہاں کو حکم دیا کہ وہاں پہنچکر کافی طور پر بندوبست کرے اور خود خاندوراخاں اور عبداللہ خاں کو ساتھ لیکر جھجھار کے تعاقب میں بڑھا جھجھار سنگھ قلعہ دھامونی سے فرار ہوکر شاہ پور میں پہونچا اور جب یہاں بھی اُسے چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا تو اُس نے قلعہ کو توڑ پھوڑ دیا اور تمام عمارات اور اثاث البیت کو جسے ساتھ لیجانے سے عاجز ہوگیا تھا جلاکر خاک کرڈالا البتہ جواہر اور کچھ زر و نقد اور کچھ سونے روپے کے ظروف لیکر صرف دو ہزار سوار دن

کے ساتھ رات کے وقت دیوگڈھ کی جانب روانہ ہوا اہل وعیال کو بڑے بڑے قیمتی ہاتھیوں اور راہوار گھوڑوں پر سوار کیا اور باربرداری کے سامان کے ساتھ انہیں رہنے کا حکم دیا ادھر خاندوراںخان اور عبداللہ خان تعاقب کرتے ہوئے شاہ پور میں پہونچے اور جو چیز یہاں باقی رہ گئی تھی۔ ضبطی میں کرکے جھجار کے عقب میں روانہ ہوئے غرضکہ شہر بہ شہر اور قصبہ بہ قصبہ کامل پندرہ روز تک رات دن جھجار کا تعاقب کرتے رہے اور آخر کار عین غروب آفتاب کے وقت ایک موقع پر جھجار سنگھ شاہی فوج کے نرغے میں آگیا۔ جب تک درمیان میں کچھ فاصلہ رہا دونوں فوجیں تیر و نیزے سے کلہ بکلہ جواب دیتی رہیں لیکن آخر کار برچھیوں اور نیزوں کو چھوڑ کر دونوں نے تلواریں علم کرلیں اور سخت گھمسان کی لڑائی ہوئی اسوقت رانی پاربتی نے اپنی شجاعت و بہادری کے جو قابل تعریف نمونے دکھائے وہ تاریخ میں آجتک جلی حرفوں میں لکھے نظر آتے ہیں اس مردانہ ہمت عورت نے اس موقع پر وہ تیغ رانی کی جو کسی بہتر سے بہتر شجاع مرد سے ممکن نہ تھی جس طرف تلوار چلاتی تھی ایک دو سر ضرور زمین پر گرتے نظر آتے تھے غرضکہ اس کوشش و کشش میں رات ہوگئی اور عزت باختہ جھجار سنگھ اور اسکا فرزند بکرماجیت دونوں اہل وعیال اور مال و متاع کو چھوڑ کر فرار ہوگئے رانی پاربتی اور دوسری رانیاں اور تمام اہل وعیال شاہی فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے اور مرصع آلات و جواہرات اور زر و نقد سب شاہی فوج کی ضبطی میں آیا۔ خاندوراںخان کو جب جھجار اور بکرماجیت کا سراغ نہیں ملا تو اُسے سخت افسوس و افسوس کے ساتھ بیحد ملال ہوا مگر چونکہ اب گھوڑوں اور آدمیوں میں کچھ بھی جان باقی نہیں رہی تھی اسلیئے ناچار ہوکر اُسنے ایک وسیع تالاب کے کنارے فوج کا پڑاؤ ڈالدیا اور بالا بالا جھجار اور اسکے فرزند بکرماجیت کی تحقیق خبر میں سراغ لگانے لگا صبح ہوئی تو دونوں کے سر لائے گئے خاندوراںخان نے فتح قطعی کے شادیانے بجنے کا حکم دیا اور جہاں پناہ کو ان مختصر لفظوں میں مژدۂ فتح لکھا کہیں نے جہاں پناہ کے اقبال سے فتح قطعی حاصل کی جھجار اور اُسکے فرزند بکرماجیت کے سر میرے سامنے ہیں اور اُسکی مہر انگشتری میری انگلی میں ہے قاصدوں نے اتنی دور و دراز مسافت جو پانسو فرسنگ سے کم نہ تھی چھ دن میں طے کی اور ساتویں روز شاہجہان کے دربار میں حاضر ہوئے دو دن کے بعد جھجار اور بکرماجیت کے سر پہونچے اور بنظر عبرت تمام آگرہ میں تشہیر کرکے محل کے دروازہ پر لٹکائے گئے۔ رانی پاربتی اور جھجار کی تمام اہل وعیال جو شاہی فوج کی گرفتاری میں تھی عین اُسوقت بادشاہ کے حضور میں پیش کی گئی جبکہ شاہانہ جشن کی مجلس مرتب تھی بادشاہ نے اول

رانی پاربتی پر اور پھر اور لوگوں پر اسلام پیش کیا اور انھوں نے بڑی خوشی کے ساتھ قبول کیا اسپر بادشاہ نے انہیں خلعت فاخرہ عنایت فرمایا اور حرم سرا میں داخل کر لیا۔

رانی تارا بائی

یہ اصل میں رام راجہ کی چہیتی رانی تھی جو عقل و فراست میں شہرۂ آفاق تھی۔ رام راجہ سنبھا تعلقہ دار کا حقیقی بھائی تھا جسنے شہنشاہ عالمگیر سے بغاوت کر کے شاہی فوج کو بے اندازہ نقصان پہونچایا اور تقریباً دو سال تک بڑی جرأت و بیجگری کے ساتھ معرکہ آرا رہا۔ آخرکار سنہ ١١٠٩ ہجری میں مرہٹوں کے دس ہزار جونخوار سواروں نے شاہی فوج پر حملہ آور ہوا اور ایک عظیم الشان معرکے کے بعد عالمگیری فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر سزائے قتل کو پہونچا۔ سنبھا کے قتل ہونے کے بعد رام راجہ اپنے تعلقہ کو چھوڑ کر برار کے پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپا اور ایک عرصہ تک پہاڑوں کی دشوار گزار گھاٹیوں اور پُر خطر صحراؤں میں زندگی بسر کرتا رہا۔ جس زمانہ میں شہنشاہ عالمگیر صوبہ برار کی طرف متوجہ ہوا اور قلعہ ستارہ کی تسخیر کیلئے عظیم الشان فوج لیکر بڑھا تو رام راجہ یہ خبر سنکر بہت سے مرہٹوں کو ساتھ لیکر ادھر روانہ ہوا اور تمام قصبہ جات اور معمور پرگنوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا برار تک آ پہونچا اسوقت رام راجہ کی ہمراہی میں بارہ ہزار سوار تھے جو ہمیشہ پیشہ کے طور پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے برار کے کھلے ہوئے میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور سخت معرکہ ہوا اس اثنا میں دیوگڈہ کا زمیندار جو مناقشہ وطن اور دیگر ورثہ کے غلبہ کے سبب سے عالمگیر کی پناہ میں آکر مشرف باسلام ہو چکا تھا اور بلند بخت کے لقب سے مشہور ہو کر ایک مدت تک دربار کے معزز اور ممتاز لوگوں میں شمار کیا جاتا رہا۔ رام راجہ کے برار میں آنے اور فوج شاہی سے مقابلہ کرنیکی خبر سے فرار ہو گیا۔ اور دیوگڈہ میں پہونچکر بہت سا زر و نقد تحصیلداروں سے وصول کر کے رام راجہ سے جا ملا دونوں نے اتفاق کر کے غارتگری کے ہاتھ کھولے اور ہر طرف فساد و خرابی کی آگ بھڑکا دی۔ عالمگیر کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے شہزادہ بیدار بخت کو حکم دیا کہ اپنی شائستہ اور سفاک فوج کو رام راجہ اور بلند بخت کی تنبیہ کے لیئے جسے اب نگون بخت کے نام سے پکارا جاتا تھا آگے بڑھے اور جب بیدار بخت کی فوج آراستہ ہو کر برار سے نکلی تو شہنشاہ نے تاکیدی حکم دیا کہ مرتضے آباد میں اپنی بار برداری اور سامان زائد کو چھوڑ کر بطریق یلغار مسافت طے کرے اور نہایت عجلت کے ساتھ دشمنوں کا تعاقب کر کے انکے قتل و قید میں سرگرمی ظاہر کرے۔

شہزادہ بیدار بخت ایک عظیم الشان فوج لیکر آگے بڑھا اور دشمنوں کا تعاقب کرتا ہوا دور

تک نکل گیا اگرچہ دو ایک موقعوں پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مگر رام راجہ کسی جگہ جم کر نہیں
لڑا۔ بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک جنگل سے دوسرے جنگل کی طرف بھاگتا رہا انجام کار برار کے
کوہستان میں اپنی طبعی اجل سے مرگیا اور دنیا کے ان تمام خرخشوں سے چھوٹ کر اپنے اصلی ٹھکانے
پر جا پہونچا۔ شہزادہ بیدار بخت جب رام راجہ کے تعاقب سے اکتا گیا اور اسکا کہیں سراغ
نہیں چلا تو وہ واپس چلا آیا یہاں مخبروں نے خبر دی کہ رام راجا برار کے فلاں جنگل میں دو رانیاں
اور دو خوردسال لڑکے چھوڑ کر مرگیا۔ اسکے عقب سے یہ خبر بھی موصول ہوئی کہ اسکا بڑا لڑکا
جو پانچ سال کا تھا اُس نے مرض چیچک میں جان دی۔ رام راجا کے اوباش و غارتگر ہمراہیوں نے اسکی
بڑی رانی تارا بائی کو جو عقل و فراست اور ملک و فوج کی غور و پرداخت میں اپنے شوہر کی زندگی
ہی میں شہرت رکھتی تھی اُسکا قائم مقام مقرر کیا ہے اور حکومت کی باگ اُسکے ہاتھ میں دیدی ہے
لیکن رانی تارا بائی اس وجہ سے کہ وہ عقل و دانائی کا قیمتی جوہر رکھتی اور حزم و احتیاط۔ اور
عاقبت بینی و دور اندیشی سے کام لیتی ہے کوہستان کی دشوار گذار پہاڑیوں اور مضبوط و مستحکم
قلعوں سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتی ہر چند کہ اسکے اوباش ہمراہی جنہیں تاخت و تاراجی کی چاٹ
لگ گئی ہے اور غارتگری اُنکی گھٹی میں داخل ہو گئی ہے اُسے پہاڑیوں کی پُرخطر راہوں سے نکلنے پر آمادہ کرتے
ہیں مگر وہ اپنی عافیت اسی میں سمجھتی ہے کہ بقیہ زندگی جنگل و صحرا ہی میں بسر کر دے۔

رانی تارا بائی اگرچہ جاہل قوم کی عورت تھی اور اُسکے دل میں اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی سرایت
کر گئی تھی مگر تاہم اُسکے تمدنی اخلاق اور معاشرت عام ایسے بُرے نہ تھے وہ اپنی دانش افروز عقل
سے اچھے بُرے میں ضرور تمیز کر سکتی اور حق و باطل میں فرق کرنیکی قوت رکھتی تھی مگر افسوس اُسکے
گمراہ اور بے دین ہمراہیوں نے شہنشاہ عالمگیر کے مقابلہ میں اکسا کر اُسے کہیں کا نہ رکھا اور ملکداری
کا ہرا باغ دکھا کر اسکی آزاد جان کو مبتلائے مصیبت و عذاب کر دیا۔

الغرض شہنشاہ عالمگیر کو جب یہ خبر پہونچی تو اُس نے فتح کے شادیانے بجانے کا حکم دیا اور ایک
موذی کافر کے رفع شر کے شکریے میں جس سے مخلوق میں عام بے چینی پھیلی ہوئی تھی شاہانہ جشن
مرتب کیا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ فوج کی گودیاں زر و نقد سے لبریز کر دیں ہوا خواہان
دولت نے اپنی عقیدتمندی اور بہی خواہی کا ثبوت بڑے قیمتی اور وزنی لفظوں میں دیا اور اکثر
ظاہر بینوں نے جو ارادہ کارخانۂ الٰہی سے ناواقف تھے خدا پرست اور دین پرور بادشاہ کیلئے شکر و
تہنیت کے ترانے گائے اور نہایت ناموزوں سُروں میں گائے مبارکبادی کی صدائیں ہر طرف

سے کانوں کو بہرا کر دیا اور خوشی کے بلند نعروں سے سارا میدان گونج اٹھا جو وقت رام راجہ کا بھائی
سنبھا فوج شاہی کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر سزائے قتل دیا گیا تھا تو اگرچہ رام راجہ زندہ موجود تھا مگر تو بھی
ناعاقبت اندیش لوگ اپنی کثرت اور جاہ و حشم پر اس درجہ مغرور تھے کہ دنیا و مافیہا سے بیخبر ہو کر اسی قسم کے
بیجا اور ناموزوں نعرے لگاتے پھرتے تھے اور خوش ہو ہو کر کہتے تھے کہ اب مادہ فساد دکن برطرف ہو گیا
اور سارا میدان ہمارے واسطے صاف ہو گیا خدا نے انکی یہ بیجا خوشی اور نازیبا غرور پسند نہیں کیا اور
رام راجہ کے ہاتھ سے انہیں وہ تکلیفیں اور مصیبتیں پہونچیں جو ایک عرصہ دراز تک زمانہ کی یاد سے
فراموش نہیں ہوئیں۔ مناسب تھا کہ یہ لوگ اسوقت اپنے بیجا دعوؤں کو بھولکر شکر خدا بجالاتے اور
اپنی موجودہ قوت اور نمایاں فتوحات پر بھروسہ نہ کرتے لیکن یہ آدمی کی جبلی عادت ہی کہ ادنے سی
کامیابی پر پھولا نہیں سماتا اور اپنی بساط سے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتا ہی چنانچہ اس موقع پر
عالمگیری لشکر نے اپنی نمایاں فتوحات پر نظر کر کے انتہا سے زیادہ خوشی کے سامان فراہم کئے۔
اور ادنے سے لیکر اعلیٰ درجہ تک کے لشکری کی زبان پر جاری ہوا کہ اب مرہٹوں کی ہستی کی عمارت
جڑ بنیاد سے گر پڑی اور انکی حکومت کا درخت کاٹ ڈالا گیا اور دو شیر خوار بچے اور ایک بے دست
وپا عورت کسی طرح ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اب ہندوستان و دکن دونوں ہمارے قدموں تلے
ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہنشاہ عالمگیر اپنے زمانہ زندگی میں رانی تارابائی پر فتحیاب نہیں ہو سکا اور
شاہی فوج دو تین سلطنتوں تک برابر اسکی طرف سے مصیبتیں جھیلتی رہی چنانچہ تاریخ سے اس
بات کا کافی ثبوت ملتا ہی کہ عہد عالمگیر سے لیکر زمانہ فرخ سیر تک رانی تارابائی اور مرہٹوں کی
سلسلۂ جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا اور آئے دن کے طرح طرح کے خرخشے سر نکالتے ہی رہے جس سے
فوج شاہی کو ایک دن اطمینان اور چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔

الغرض رام راجہ کے مرنے کے بعد رانی تارابائی نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور افسران
مرہٹہ کی کوشش اور مشورہ سے برار کے کوہستان سے باہر نکل کر دکن کے ہر صوبہ میں بغاوت کی
آگ بھڑکانے میں کوشش کی افواج مرہٹہ جو اس سے پیشتر جہاں تہاں بےسر سامانی کیوجہ سے
مخفی ہو گئی تھی سب رانی تارابائی کے جھنڈے کے نیچے آ جمع ہوئی۔ اور بدستور قدیم غارتگری
کرنی شروع کی۔ پرسرام نام جو ایک بڑا بہادر اور جری مرہٹہ تھا اور رام راجہ کی طرف سے قلعہ پہلی
کا دیوان تھا۔ رام راجہ کی موت کی خبر سنکر فوج شاہی میں آملا بادشاہ نے اسے پناہ دی اور ایک
معزز منصب پر مامور فرمایا پہلی کے قلعہ دار نے جب یہ دیکھا کہ دیوان پرسرام نے شاہی فوج سے

سازش کرلی ہی تو اُنسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور فوراً صلح کا پیغام دیا۔ مگر شہزادہ محمد اعظم شاہ نے
قلعہ ستارہ کے فتح کرتے ہی پرلی کا محاصرہ کر لیا اور ایک عرصہ تک فوج شاہی بیہودہ میں مصروف رہی
دسویں ذی الحجہ سنہ ۱۱۱۱ کو محصورین نے بڑے زور شور سے شاہی فوج پر حملہ کیا اور دو ادو رنگی یورش
بے انتہا آدمی شہید ہوئے اگرچہ فتح اللہ خاں کی جانفشانی اور تربیت خاں کی کوشش نے محصورین
کا قافیہ بالکل تنگ کر دیا تھا مگر شب و روز کے باران شدید اور غلہ و گھاس کی رسد بند ہونیکی وجہ سے
شاہی فوج نہایت پریشان ہو گئی تھی اور غلہ کی نایابی کی وجہ سے آدمیوں اور جانوروں میں
اسقدر قوت باقی نہیں رہی تھی کہ کوئی ذی حیات جگہ سے حرکت کرنیکی طاقت رکھتا ہو اسی وجہ سے
قلعہ نشین گاہ بیگاہ شاہی فوج کو غافل پا کر قلعہ سے اُتر آتے اور وقتاً فوقتاً شوخی و گستاخی کیا
کرتے یہانتک کہ فتح اللہ خاں کی آخری تدبیر اور کوشش سے محرم الحرام کی ابتدائی تاریخوں
میں ڈیڑھ مہینے کے بعد قلعہ فتح ہوا۔ اور اہل قلعہ امان شاہی میں داخل ہوئے۔

رانی تارا بائی نے رام راجا کے مرنے کے بعد اپنے ۔۔ سالہ فرزند کو اسکے باپ کے قائم مقام قرار دیکر ملک
کے تمام کاروبار اور افسروں کی تغیر و تبدل اور آبادی و ویرانی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور چند ہی روز میں
اپنی عقل اور دور اندیشی کے زور سے تمام صوبہ دکن اور سرحد سرونج سے مندسور اور صوبہ مالوہ تک قابض
ہو گئی لشکر کشی اور قلعہ گیری میں وہ وسعت پیدا کی کہ عالمگیر جیسا مقتدر بادشاہ اپنی زندگی میں
اسپر فتحیاب نہ ہو سکا اور کفار کی سرکشی کا مادہ باوجود ہزار کوشش کے قطع نہ کر سکا بلکہ جس دار
شمشیر رانی اور خرچ کلی کرتا گیا مرہٹوں کی شوخی اور سرکشی زیادہ ہوتی گئی سنہ ۱۱۱۳ ہجری میں شجاعت
خان کے واقعہ کے بعد جب احمد آباد کی صوبہ داری شہزادہ محمد اعظم شاہ کے نامزد ہوئی تو اس سے
پیشتر کہ شہزادہ وہاں پہنچے یا کوئی مستقل نائب مقرر کرے خواجہ عبد الحمید خاں دیوان احمد آباد کے
نام سند نیابت بھیجدی گئی تھی اور اس نے فوراً احمد آباد کا خاطر خواہ بندوبست کر لیا تھا اثنا
میں تارا بائی سولہ ہزار سواروں کو ساتھ لیکر بندر سورت پر چڑھ آئی اور خاص سورت اور اسکے مضافات کو تاخت
و تاراج کر کے احمد آباد کی طرف بھی دریائے نربدا کو جو احمد آباد اور بندر سورت کے درمیان بڑے زور شور
سے بہتا ہی عبور کر کے شہر احمد آباد پر آدھمکی اور لشکر نے غارتگری کا ہاتھ کھولا عبد الحمید خان جو شہزادہ
محمد اعظم شاہ کا نائب مقرر ہوا تھا اُس نے نہایت عجلت کے ساتھ صوبہ احمد آباد کے تمام فوجداروں کو
جمع کیا اور باہمی مصلحت و اتفاق سے ایک بڑی جرار فوج محمد بیگ خاں و نظر علی خاں اور التفات خان
وغیرہ افسروں کی سرکردگی میں روانہ کی یہ اکیس ہزار فوج تھی جنمیں چودہ ہزار سوار اور سات ہزار پیدل

پیادہ تھے۔ تارا بائی نے جب شاہی فوج کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اُسنے خاص احمد آباد میں مقابلہ کرنا مناسب نہ جانا لشکر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور نربدا کے اُس پار جاکر مورچے قائم کئے شاہی فوج نربدا سے عبور کرکے عین کنارہ پر خیمہ زن ہوئی اُسوقت افواج مرہٹہ اور لشکر شاہی میں صرف سات میل کا فاصلہ تھا دوسرے روز علی الصباح تین ہزار سوار قزاق پیشہ مکلف و آراستہ گھوڑوں پر سوار ایک طرف سے نمودار ہوئے فوج احمد آباد دیکھکر مسلح ہوگئی اور بڑی تیزی کے ساتھ کیا تقریبًا دو گھنٹے تک سخت لڑائی رہی آخرکار غنیم نے شکست کھائی اور فوج شاہی کے افسر نے دو تین میل تک تعاقب کیا اسباب و خزانہ اور چند عمدہ گھوڑے اور بہت سے ہتھیار غنیمت میں آئے اور نقارہ فتح بجاتے ہوئے لشکرگاہ کی طرف واپس پھرے۔

شاہی لشکر نہایت دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ اپنے قیام گاہ پر واپس آیا تو اس خیال سے کہ ہم غنیم کو شکست فاش دے چکے ہیں ہتھیار کھول ڈالے گھوڑوں کی پشتوں پر سے زین اُتار لئے بعض پاؤں پھیلا کر آرام سے سو گئے اور بعض کھانا پکانے اور کھانے میں مشغول ہوئے کہ دفعۃً آٹھ ہزار سوار سیلاب بلا کی طرح لشکر شاہی پر ٹوٹ پڑے اور اس تیزی کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ احمد آباد کی فوجیں ہتیار بھی نہ سنبھال سکیں صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی اور وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی اتنی فرصت پاکر تجربہ کار افسروں نے بھی ہتیار سنبھال لئے اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی لیکن جو لوگ ناتجربہ کار و کمسنیوں کے دست برد سے ناواقف تھے ہتیار سنبھالنے اور مسلح ہونے کی فرصت نہ پاکر عقل و ہوش سے بیگانے ہوگئے اور قتل کئے جانے لگے چونکہ ایک طرف دریائے نربدا بڑے زور سے بہ رہا تھا اور ایک طرف سیلاب فوج اُمڈا چلا آتا تھا لشکر شاہی میں تزلزل عام پیدا ہوگیا اور اس تشویش میں بہت سے لوگ مجروح و مقتول ہوئے اور ایک کثیر جماعت دریا میں گر کر غرق ہوگئی نظر علی خاں اور خواجہ عبد الحمید خاں چند مشہور سرداروں سمیت دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے اتفاقات خانم گھوڑے دریا میں کود پڑا اور بدقت تمام پار ہوکر جان سلامت لیگیا رانی تارا بائی کے لشکر میں فتح کے شادیانے بجنے لگے اور افواج مرہٹہ نے غارتگری اور تاخت و تاراج کے حوصلے پورے کئے دوسرا روز ہوا تو فوج غنیم شہنشاہ عالمگیر کے خوف سے پیچھے ہٹ گئی اور بندر سورت میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کرکے درستی سامان میں مصروف ہوئی۔

احمد آباد اور بندر سورت میں یہ ہنگامے برپا تھے اور شہنشاہ عالمگیر راجگڈھ کی معرکہ آرائیوں میں مصروف تھا وہ بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا قلعہ تورنا تک پہونچ گیا قلعہ بنی شاہ گڈھ کا محاصرہ کیا

اور شوال کی اخیر تاریخوں میں اُسے فتح کرکے برباد کر دیا۔ قلعہ تورنا کے لوگوں نے خود اطاعت
قبول کی اور وہ بے لڑے بھڑے فتح ہو گیا۔ روح اللہ خان کے نامور فرزند خان زادہ خان کو
قلعہ سکر کی تسخیر کیلئے روانہ کیا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بھی گرفتار کرکے ہمراہ لایا اسیطرح قلیچ خان
بہادر اور تربیت خان وغیرہ نے جو عالمگیر کے مشہور اور ممتاز افسر تھے قلعہ اپجوریر پر فتح کے پھریرے اُڑا دئے۔

شہنشاہ عالمگیر انہی کامیابیوں اور فتوحات کے بعد احمد آباد کو واپس آیا مگر جلوس کے انچاسویں برس
کے آغاز میں یہ خبر سنکر کہ پریا نائک زمیندار نے واکنکیرا میں ایک بڑا مضبوط اور مستحکم قلعہ بنا کر اور بہت
سی جمعیت فراہم کرکے علم بغاوت اونچا کیا ہے بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ دوبارہ سکر پر چڑھائی کی
ادہر عالمگیری جھنڈے قلعہ واکنکیرا کی طرف اُٹھے اور اُدہر ملک کے بڑے بڑے فوجداروں اور ممتاز
افسروں کی طلبی میں فرامین روانہ کئے گئے۔ فیروز جنگ کے فرزند رشید قلیچ خان بہادر کو جو ان دنوں
بیجاپور کی صوبہ داری پر متعین تھا اور نواح واکنکیرا کے پرگنات پر حکومت کر چکا تھا یہ مضمون
فرمان لکھا گیا "اپنی تمام فوجی طاقت اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ حاضر خدمت ہو اور مابدولت
کے جلوہ آرا ہونے سے پیشتر قلعہ واکنکیرا کی نواح میں پہونچ جاؤ" ساتھ ہی بخشی الملک ذو الفقار خان بہادر
نصرت جنگ کو شقہ روانہ کیا گیا جسکا مضمون یہ تھا مابدولت قلعہ واکنکیرا کی تسخیر کے عزم سے اسطرف
متوجہ ہوتے ہیں تمہیں مناسب ہے کہ اپنی تمام فوج و حشم کے ساتھ نہایت عجلت اور تیزی کیساتھ
قلعہ واکنکیرا کو روانہ ہو جاؤ۔ اسیطرح دیگر فوجداران عمدہ اور نامی گرامی افسروں کے نام فرامین جاری کئے گئے
اور شوال سنہ ۱۱۱۶ ہجری کی اخیر تاریخوں میں خود شہنشاہ عالمگیر بڑے ساز و سامان اور فوجی تزک و
احتشام کے ساتھ قلعہ مذکور کی طرف بڑھا۔ قلیچ خان بہادر اور دیگر فوجی افسر بادشاہ سے دو روز پیشتر
ہی مقام متعینہ پر پہونچ گئے تھے سب نے ملکر بادشاہ کا بڑے جوش مسرت کے ساتھ خیر مقدم ادا کیا
اور بڑی عجلت کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔

شہنشاہ عالمگیر نے اپنے نامور فرزند محمد اعظم شاہ اور بیدار بخت اپنے پوتے سے کہا کہ آج
تمہارے حوصلوں اور بہادریوں کیلئے دشمن کا وسیع ملک جولانگاہ ہے فتوحات کیلئے جسقدر ملک
چاہو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں دونوں نے نہایت ادب کے ساتھ سر جھکا لیا اور تلوار کا قبضہ
پکڑے ہوئے لشکرگاہ میں چلے گئے۔ دوسرے روز قلیچ خان کو حکم ہوا کہ اپنی فوج کو کمال ترتیب اور
آراستگی کیساتھ آگے بڑھائے اور تربیت خان محمد امین خان اور دیگر جنگ آزما اور تجربہ کار بہادروں
کی نسبت ارشاد ہوا کہ قلیچ خان کی رفاقت میں رہیں اور جو کچھ وہ حکم دے سرمو انحراف نکریں انکی تعمیل کریں

کر ظالم ہوشیار ہو پر یا ناک کو کہیں سے مدد پہونچے قلعہ واکنکیرا کا فوراً محاصرہ کر لیں جہاں آشوب توپخانے مناسب موقعوں پر لگائیں اور مورچال اچھی طرح درست کریں پر یا ناک کو شاہی فوج کے بڑھنے کی خبر ہوئی تو اُس نے قلعہ کی استحکامی مضبوطی میں انتہا درجہ کی کوشش کی اور غلہ کی فراہمی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا متفرق اور پھیلی ہوئی فوج کو جمع ہو جانے کا حکم دیا اور تمام لوگ سب طرف سے سمٹ سمٹا کر قلعہ میں آ جمع ہوئے۔

رانی تارا بائی اور دیگر سرداران مرہٹہ کو اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے کمک میں بڑی سرگرمی ظاہر کی رانی تارا بائی نے اپنی تمام فوج میں سے دس ہزار سوار منتخب کئے جو سفاکی و خونریزی میں مشہور ہونے کے علاوہ بہت سے موقعوں پر فتح کا فخر حاصل کر چکے تھے جانبین میں صلح کے پیغام و سلام جاری ہی تھے کہ رانی تارا بائی دس ہزار سواروں کو ساتھ لئے ہوئے آموجود ہوئی اور آتے ہی آتشبار توپخانوں سے شاہی افواج پر آگ کے گولے برسانے لگی یہ دیکھکر شاہی فوج جو ابھی تک غیر مسلح اور جنگ کے کیلئے تیار نہ تھی حیرت زدہ ہو گئی مگر ذوالفقار خاں بہادر کی فوج مسلح تھی جس نے نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ دشمنوں کو گلہ بگلہ جواب دیئے۔ اتنی فرصت پا کر باقی فوج بھی درست ہو گئی اور قلعہ شکن توپوں کے فیر سے اہل قلعہ کے دل ہلا دیئے۔

دوسرے روز خود رانی تارا بائی اپنے سفاک سواروں کو ساتھ لیکر قلعہ سے باہر آئی اور ایک وسیع میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں جانبین کے بہادروں و جانبازوں نے اپنی ہمت اور لاثانی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور تقریباً دو گھنٹے تک فوجی دریا بڑے زور شور سے لہریں لیتا رہا۔ یہ ایسا سخت معرکہ تھا جسے بڑے بڑے مسن اور تجربہ کاروں نے کبھی نہ دیکھا ہوگا ہر طرف سے تلواروں کی شائیں شائیں کی آوازیں اور تیر و تفنگ کی صدائیں چلی آتی تھیں اور بہادروں کے خون سے واکنکیرا کا سارا جنگل خونی سمندر بنگیا تھا اس جنگ میں شاہی افواج کے بہت سے لوگ درجۂ شہادت کو پہنچے اور بیشمار فوج مجروح و زخمی ہوئی افواج مرہٹہ کو گو فوجی نقصان پہونچا مگر وہ فوج شاہی کے مقابلہ میں بہت کم تھی اسلئے انہیں اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا اور مغلوب ہونیکا خیال تک نہ تھا اسی بنا پر اُنھوں نے آج کی لڑائی کو کل کیلئے اُٹھا رکھا اور خوشی کے نعرے بلند کرتے ہوئے قلعہ میں واپس چلے گئے۔

اس لڑائی کا سلسلہ ایک عرصہ تک چلا گیا اور رانی تارا بائی کی کمک میں کامل ایک مہینے تک فوجی تماشا ہوتا رہا۔ روزانہ دونوں فوجیں نہایت جوش کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ آور

ہوتی تھیں اور ہزاروں بہادروں کے خون سے زمین سُرخ ہوتی تھی یہاں تک کہ ایک روز محمد امین خاں اور
تربیت خاں اور قلیچ خاں بہادر و عزیز خاں روہیلہ قلعہ کے گرد اگرد گھومتے ہوئے ایک بڑے اونچے پشتہ پر
پہونچے جو لال ٹیکری کے ساتھ شہرت رکھتا تھا یہاں برقندازوں کی ایک کثیر جماعت سے سخت معرکہ
ہوا جو اسجگہ کی نگاہبانی پر تعینات تھی اہل قلعہ نے یہ خبر پاکر بڑے جوش سے لال ٹیکری کی طرف رُخ کیا
اور دفعتًا تمام میدان میں فوجیں پھیلادیں عین موقع پر شاہی لشکر بھی پہونچ گیا اور قریب تھا کہ لال ٹیکری
پر اسلامی پھریرا اڑادیا جائے لیکن تارا بائی ایک فوج کثیر کے ساتھ آپہونچی اور قلعہ کے اندر و باہر ہر
طرف سے دشمن سیلاب بلا کی طرح ٹوٹ پڑے شاہی فوج خود محاصرہ میں آگئی - عزیز خاں روہیلہ
جو شاہی فوج کے پیش پیش تھا نہایت بہادر و بہشن بہادر تھا اُسنے نہایت عجلت کے ساتھ اپنی فوج کی حفاظت کیلئے
ایک بڑی خندق تیار کرائی اور اُس سے کچھ فاصلہ پر عمیق گڑھے کھدوائے اور انپر گھانس پھونس
بچھوادی رانی تارا بائی کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا اور نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑہی
مگر جیقدر آگے بڑہی اپنی ہی لاشوں سے گڑھوں کو بھرتی گئی یہ مہم تو سر ہو گئی مگر دوسرے ہی روز پریا ناک ایک بڑی
سنگین فوج لیکر رانی کی مدد کو آپہونچا اور شاہی افواج کی پشت پر حملہ آور ہوا محمد امین خاں اور تربیت خاں
وغیرہ نے مجبور ہوکر لال ٹیکری سے ہاتھ اٹھایا اور چاہا کہ اپنے قیام گاہ میں واپس چلے آئیں لیکن
مرہٹہ فوجوں نے تمام رستے روک لئے باوجودیکہ شہنشاہ عالمگیر نے شہزادہ محمد کام بخش کو مع امیر الامرا
اسد خاں و دیگر ارکان جو افسر تھے محمد امین خاں و تربیت خاں وغیرہ کی کمک کے لیئے روانہ کیا اور ان لوگوں
نے پہونچکر رستمانہ جنگ کی لیکن دشمنوں نے انکے قدم جمنے نہ دیئے - جانستاں گولوں کے متواتر اور پے درپے
برسنے سے شاہی فوج کے بہت لوگ ضائع ہوئے اور بان کے صدمے سے محمد امین خاں و تربیت خاں
کے گھوڑے ہلاک ہوگئے ان دونوں بہادروں نے پاپیادہ حملہ کیا اور بڑی جانبازی کیساتھ دشمنوں کی
فوج میں تہلکہ ڈالدیا اور تین روز میں بڑے کشت و خون کے بعد لال ٹیکری کو چھین لیا تیسرے روز
حمید الدین خان بہادر جانباز دلاوروں کی ایک جماعت لیکر دوسرے پشتہ پر جو بینٹھہ بازار کے مقابل
واقع تھا جا پہونچا اور بہادرانہ تجربہ کے ساتھ ایک کثیر جماعت کو خون میں نہلا کر قابض ہو گیا مفسدوں
کی جماعت جو پشتہ لال ٹیکری پر پھیلی ہوئی تھی سب طرف سے سمٹ کر حمید الدین خاں کے مقابلہ میں
آگئی اور جانبین سے تیر و تفنگ کا مینہ برسنے لگا اسی اثنا میں سلطان حسین عرف میر ملنگ
محمد کام بخش کی فوج کو ہمراہ لیکر حمید الدین خاں کی مدد کو آپہونچا اور بڑے معرکہ کی لڑائی ہوئی مسلمانوں
کی جانبازیوں اور رستمانہ حملوں نے کفار کو تنگ کردیا اور قریب تھا کہ قلعہ وانکنیر پر اسلامی جھنڈا

گر جائے لیکن اس خبر کی اشاعت نے شاہی فوج کے حوصلے پست کر دیئے کہ بد اندیش مرہٹوں کی فوج شگین رانی تارا بائی کی امداد میں آپہونچی ہے۔

دوسرے روز دھنا جادو اور ہندو راؤ جنکے اکثر رشتہ دار اور زن و فرزند قلعہ واکنکیرا میں محصور تھے اور نو ہزار سوار اور بے شمار پیادوں کی جمعیت کے ساتھ دور سے نمودار ہوئے اور فوج کے برابر کے دو حصے کر کے ایک حصہ شاہی لشکر کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا اور دوسرا حصہ قلعہ واکنکیرا کیطرف متوجہ ہوا جو نہایت چالاکی کے ساتھ محصورین کو باہر نکال لایا اسوقت شاہی افسروں کو سخت مشکل درپیش تھی اور لڑائی کا یہی موقع نہایت اندیشناک اور پر خطر تھا افواج مرہٹہ چاروں طرف مور و ملخ کی طرح پھیلی ہوئی تھی اور ہر جانب سے گولوں اور تیروں کا مینہہ برس رہا تھا خود عالمگیر اور اُس کے افسروں نے اس جنگ میں وہ دقتیں اٹھائیں جو بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اٹھائی تھیں محصورین کے لیجاتے وقت اُن لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ شاہی فوج کے بیشمار لوگ ضائع ہوئے اور چند مشہور اور نامور افسر مارے گئے مورخین کا بیان ہے کہ دکن کی مہموں سے لیکر آجتک عالمگیر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی قلیچ خاں بہادر اور حمید الدین خاں کی جانبازیوں نے وہ کارنمایاں کیئے اور فطری شجاعت کے جوہر دکھلائے کہ آجتک تاریخی صفحات میں جلی حرفوں سے نظر آتے ہیں۔

دو تین روز تک جانبین سے متواتر اور پے در پے حملے ہوتے رہے آخرکار راجہ دہنا جادو اور ہندو راؤ نے رانی تارا بائی کو پیغام دیا کہ ہم اور تم باہمی رفاقت و اعانت سے چاہے کتنی ہی کوشش کریں اور بادشاہی فوج کے مقابل میں انتہا سے زیادہ ہاتھ پاؤں ماریں لیکن میدان جنگ سے جانبر ہونا مشکل اور سخت مشکل ہے بہتر یہی ہے کہ بادشاہ کی اطاعت قبول کریں اور اپنے موروثی ملک عجز اور فرمانبرداری سے محفوظ رکھیں یہ ظاہر امر ہے کہ ہماری فوجی قوت اور مالی طاقت کسی طرح بادشاہ کے مقابل نہیں ہو سکتی اور ہمارے فوجی سردار اُنکے مقابل ہونیکا بوتا نہیں رکھتے اور جب یہی تو بیجا لوگوں کی خونریزی اور خلق اللہ کی جانستانی کے اور کچھ فائدہ نہیں مغرور رانی اور اُسکے بد اصل سرداروں نے راجہ دہنا جادو اور ہندو راؤ کی یہ نصیحت آمیز باتیں رغبت کے کانوں سے نہیں سنیں بلکہ فوراً کچھ نقد و جنس اور کھانے پینے کا سامان بطریق ضیافت اُن کے پاس بھیجا اور کچھ اور سرداروں کیلئے روزانہ رقم مقرر کر کے لجاجت تمام جواب کہلا بھیجا کہ تا وقتیکہ محاصرہ نہ اُٹھے ہماری رفاقت اور اعانت سے پہلو تہی نکرو اور سامان جنگ وغیرہ کی جس قدر ضرورت ہو فوراً طلب کر لو۔ سرداران مرہٹہ

نے زرمفت کو غنیمت جانکر لنگرِ اقامت ڈالدیا اور طرح طرح کی شوخیاں و گستاخیاں کرنی شروع کیں۔
شہنشاہ عالمگیر نے جب مرہٹوں کی حد سے بڑھی ہوئی گستاخیاں دیکھیں تو وہ غصہ سے بیتاب ہوگیا اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے از سرِ نو تازہ ہوگئے خود قصدِ جہاد اور آرزوئے شہادت کے ارادے سے جسکی تمنا مدتوں سے بادشاہ کو لگ رہی تھی اور وہ غازی بادشاہوں کی فہرست میں اپنا نام داخل کرانیکی خواہش کرتا تھا سوار ہوا اور بڑے تزک و احتشام کیساتھ میدان کارزار میں جلوہ فرما ہوا ذوالفقار خاں بہادر جو ابھی کوہستان سے فتوحات نمایاں حاصل کرکے آیا تھا اپنے ممتاز اور مشہور سرداروں کو ساتھ لیکر بادشاہ کے میمنہ پر متعین ہوا اور تربیت خاں اور حمید الدین خاں و ریگر نامور خاں اپنی اپنی فوجوں کو مرتب اور آراستہ کرکے میسرہ پر قائم ہوئے نظر علی خاں اور دیگر درجہ افسروں نے نہایت ترتیب اور آراستگی کے ساتھ بادشاہ کی پشت پر جگہ لی اور بڑی آن بان کے ساتھ قلعہ واکنکیرا کی جانب بڑھے مخالفوں نے یہ دیکھکر اپنی تمام فوج کو سمٹ جانے کا حکم دیا اور سب ملکر دفعتہً شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑے جلادت پیشہ مبارزوں اور جانباز بہادروں نے سینہ سپر ہوکر کلمہ بکلمہ جواب دیا اور توکل کی ڈھالیں منہ پر رکھکر پیادہ ہوگئے اور مخالفوں کے حملہ کے مقابلہ میں شعلہ وار اندر گھسے چلے گئے ہر طرف سے مقتولوں کی خانخراش صدائیں بلند ہوئیں اور زخمیوں کے جانگزا نعروں نے بہادروں کے دلوں میں ہلچل ڈالدی قیامت زا ہنگامہ برپا ہوا اور دونوں طرف مقتولوں اور زخمیوں کے پشتے لگ گئے۔ بیت

زبس کشتہ افتاد در کوہ و دشت جہاں گفت بس بس کہ از حد گذشت

آخرکار مغلوب ہوئے اور شاہی فوج کے دو تین حملوں میں لال ٹیکری وغیرہ کے پشتے فتح ہوگئے پریا نائک اور تارا بائی کے لشکر شکست کھاکر بھاگ گئے اور تہور پیشہ جانباز دلاور پا پیادہ ایک میل تک تعاقب کیا اسمیں بہت سے کوتاہ اندیش مرہٹے قتل ہوئے اور بقیۃ السیف اسلامی فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہوکر آئے اہل قلعہ بسر اسیمہ وار زن و فرزند اور زر و زیور میں سے جو کچھ ساتھ لیجاسکے قلعے کے چور دروازے سے لیکر نکل گئے اور چلتے وقت معبدخانوں اور تمام مکانات میں آگ لگا گئے۔ آتش فشاں آلات کی شرر باری کم ہوئی اور قلعہ میں جو آگ بھڑک رہی تھی اسمیں کچھ سکون واقع ہوا تو داؤد خاں و منصور خاں جو حملہ آور فوج کے پیش پیش تھے دلاوروں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ داخل قلعہ ہوئے دیکھا تو بجز چند زخمیوں اور بے دست و پا عورتوں کے اور کوئی شخص قلعہ میں نہ تھا چودھویں محرم الحرام کو قلعہ واکنکیرا شہنشاہ عالمگیر کے تصرف میں آیا اور اسلامی پھریرے قلعے کے شاندار برجوں پر اپنے زور شور سے لہرانے لگے

۱۱۱۹ھ ہجری کا آغاز ہی شہنشاہ عالمگیر کو انتقال کئے ہوئے ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہی اور اب سلطنت تیموریہ کا بارہواں تاجدار شاہ عالم بہادر تخت حکومت پر جلوہ آرا ہی رانی تارا بائی ہنوز زندہ ہی اور ناعاقبت اندیش مرہٹوں کے جرگہ میں دیکھی جاتی ہی - مگر چونکہ یہاں سے اُسکے تاریخی حالات تاریکی چھائی ہوئی ہی اسلئے ہم بھی اُسکی لائف یہیں ختم کئے دیتے ہیں -

تلسی بائی

یہ حسین وجمیل عورت ایک نامور اور مشہور صوبہ دار مرہٹہ کی رانی تھی جسکی دلگیر صورت اور زاہد فریب حسن وخوبی کی شہرت دور دور پھیل گئی تھی یہ پری تمثال وحسن کی بی بی جیسے ظاہری خوبصورتی میں لاثانی تھی ویسے ہی شجاعت وبہادری میں بے نظیر تھی اور اگرچہ اسکا شوہر اسکی کمسنی اور نوعمری کی حالت میں مرگیا تھا اور اُسکے حسن کی شہرت عام نے بڑے بڑے متمول اور صاحب حکومت لوگوں کے دلونکو اپنا گرویدہ کرلیا تھا لیکن اسکی شجاعت وبہادری نے حسن فروشی کو گوارا نہیں کیا اور شوہر کے مرنے کے بعد ہمیشہ آزادانہ زندگی بسر کیا کی - اسکی بہادری اور شجاعت کی حکایتیں بڑی دلچسپی کیساتھ تواریخ میں دیکھی جاتی ہیں چنانچہ میں اس مقام پر صرف ایک تمثیلی واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے اُسکی شجاعت کے نمونے ظاہر ہوسکیں گے

برہان پور اور اُسکے مضافات جنپر تلسی بائی کا شوہر اور قوم مرہٹہ ایک عرصہ تک قابض ہوچکی تھی شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ زندگی میں فتح ہوچکے تھے اور قوم مرہٹہ بڑی ذلت وخواری کیساتھ بیدخل کردیئے گئے تھے - لیکن جب ۱۱۱۸ھ ہجری میں عالمگیر کا انتقال ہوا اور شہزادہ شاہ عالم بہادر انتہا درجہ کی باہمی خانہ جنگیوں اور خانگی بغاوتوں اور خرخشوں سے نجات پاکر تخت حکومت پر جلوہ آرا ہوا تو مرہٹہ افسروں اور تلسی بائی کے خیالات انتقام تازہ ہوگئے اور قصاص کے فراموش شدہ حوصلوں میں نیا جوش پیدا ہوا چنانچہ اُس نے اپنے شوہر کے انتقام اور برہانپور کو قبضہ شاہی سے نکال لینے کے قصد سے کچھ فوج جمع کی اور ۱۱۲۱ھ ہجری میں سولہ ہزار جرار سواروں اور بے شمار پیادوں کو ہمراہ لیکر دکن پر چڑھ گئی اور تاخت وتاراج کرتی ہوئی قصبہ راویر کے متصل پہونچگئی جو برہانپور سے سات میل کے فاصلہ پر واقع تھا یہاں پہونچکر اُس نے اپنی فوج کو آراستہ کیا اور نہایت ترتیب کے ساتھ آگے بڑھی شہر راویر پر حملہ کیا اور تھوڑے سے کشت وخون کے بعد اُسکا محاصرہ کرلیا - اور فوراً امیر محمد خاں کو جو ان دنوں برہانپور کی صوبہ داری پر متعین تھا اور جوانمردی وبہادری میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا یہ مضمون بھیجا کہ میں سولہ ہزار سفاک سوار اور بے انتہا جانباز پیادے ساتھ لیکر اس غرض سے آئی ہوئی ہوں کہ تم برہانپور اور اُسکے اطراف وجوانب سے اپنا قبضہ اُٹھالو ہمارے حوالہ کردو یا گیارہ لاکھ روپیہ برہانپور کے معاوضہ

میں جیسے چوتھ کہنا چاہیئے سال بسال دینے کا اقرار کرو اور چڑھی ہوئی رقم حسابی قاعدہ سے فوراً ادا کردو۔

تلسی بائی کے اس خط کے پہونچنے سے پیشتر ہی میر احمد خاں کو اسکی بغاوت اور گستاخی کی خبر لگ چکی تھی اور اُسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ فساد ایک نہ ایک دن ضرور پھوٹ کر رہے گا مگر چونکہ وہ ایک بیوقوف اور ناتجربہ کار عورت کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہونا پسند نکرتا تھا اور اُسکی فطری شجاعت اسبات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ ایک کمزور اور ناقص العقل عورت پر حملہ آور ہو اسلیئے وہ اسکی شوخیوں اور بیجا گستاخیوں سے ہمیشہ طرح دیتا رہا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ گستاخ اور دلیر تلسی بائی سر پر چڑھ آئی اور اب بجز مقابلہ کے مفر کی کوئی صورت باقی نہیں ہی تو فوراً اطراف و نواح کے فوجداروں کے جمع ہونے اور لشکر کو مسلح و مرتب کرنیکا حکم دیا اتفاق سے اسوقت برہانپور کی فوج کا ایک بڑا حصہ دہلی میں تھا اور کسی دوسری مہم کے سر کرنیکی غرض سے بلایا گیا تھا میر احمد خاں نے جو فوج کا شمار کیا تو کل آٹھ سو سوار نکلے جنمیں اکثر منصبدار اور متصدی لوگ تھے ہر چند کہ فوج کی یہ تعداد تلسی بائی کے مقابلہ میں بالکل ناکافی تھی اور کسی طرح اُسکے حملہ سے برہانپور کو بچا نہ سکتی تھی۔ مگر میر احمد خاں نے اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کی بالکل پروا نہیں کی اور پرگنہ جاسود کے فوجدار کو جو ظفر خاں کے نام سے شہرت رکھتا تھا اور مشہور شجاعوں میں ایک بڑا جانباز اور بمثیل شجاع تھا فوجی کمانڈر انچیف مقرر کر کے نویں محرم کو کوچ کا حکم دیا اور پھر خود بھی چند نامور افسروں کو ساتھ لیکر برہانپور سے نکلا مغرور اور ناعاقبت اندیش تلسی بائی نے جب یہ خبر سنی کہ میر احمد خاں مقابلہ کے ارادہ سے برہانپور کو چھوڑ کر باہر آیا ہے تو اُس نے اپنی فوج کے تین حصے کیئے چار ہزار سوار اپنے ساز و سامان کی حفاظت اور محصورین کی نگرانی پر متعین کیئے اور پانچ ہزار تجربہ کار اور جنگ آزما سواروں کو ساتھ لیکر بڑے کر و فر اور تزک و احتشام سے میر احمد خاں کے مقابلہ میں بڑھی اور باقی فوج برہانپور کے اطراف و جوانب کے تاخت و تاراج کرنے اور محاصرہ کرنے کی غرض سے بڑی خونخواری اور سفاکی کے ساتھ ادہر اُدہر پھیل گئی۔

میر احمد خاں اپنی قلیل مگر بہادر فوج کو لیکر بڑھا اور ایک وسیع میدان میں صف آرا ہوا دو تین روز تک جانبین سے پُر زور حملے ہوتے رہے اور برہانپور کی فوج میں سے اکثر جانبازوں نے داد شجاعت دیکر جام شہادت منہ سے لگایا۔ میر احمد خاں کے جسم پر بھی اکثر جگہ زخم کاری لگے اور اُسکے ہمراہیوں میں سے کچھ لوگ شہید ہوئے اور کچھ مجروح تیسرے روز جب اُسے خبر ہوئی کہ فوج غنیم نے برہانپور کا محاصرہ کر لیا ہے تو وہ اسی حالت میں ظفر خاں کو معرکہ جنگ میں چھوڑ کر محصورین کی امداد اور کمک دینے کے قصد سے شہر کی طرف بھیج ہو یہاں دیکھتا کیا ہے کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے برہانپور کو گھیر رکھا تھا۔ محاصرہ کر لینا بڑی دہ

آتشبار آلات سے محصورین کو بہت کچھ نقصان پہونچا چکے اور پہونچا رہے ہیں یہ دیکھکر میر احمد خاں غصہ سے بیتاب ہوگیا اور اپنی فطری شجاعت کو ضبط نکرسکا فوراً فوج کو ترتیب دیکر دشمنوں میں گھس گیا اور لڑتا بھڑتا شہر میں جا پہونچا۔

میر احمد خاں کے چلے جانیکے بعد ظفر خاں بہت دیر تک لڑتا رہا اور جب وہ بہت زخمی ہوچکا اور آخر شب کو کفار کا غلبہ زیادہ دیکھا تو اُس نے تقاضائے مصلحت اسی میں دیکھی کہ میر احمد خاں کے ناموراور بہادر فرزند کو ساتھ لیکر شہر میں پہونچ جائے مگر افسوس کہ اسکی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی اور اثنا راہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے شہید ہوگیا۔ تلسی بائی نے جب میدان صاف پایا تو وہ تمام لشکر کو ہمراہ لیکر شہر کی طرف بڑھی اور ہر طرف سے برہان پور کو گھیر لیا۔ میر احمد خاں نے قلعہ بند ہوکر رہنا پسند نہیں کیا اور شہامت خاں چند اول کو بقیہ فوج کا گورنر مقرر کرکے بڑے زور سے فوج غنیم پر حملہ آور ہوا اس حملہ میں مرہٹوں کے قدم اُکھڑ گئے اور انہیں مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا مسلمانوں نے مرہٹوں کے پسپا ہوتے وقت آگے قدم رکھا اور تقریباً ایک میل تک تعاقب کیا اس اثنا میں دوسری طرف سے چار ہزار سوار اُنپر آپڑے اور سخت معرکہ ہوا شہامت خاں کے اکثر ساتھی شہید ہوے اور بعض زخمی ہوکر جان سلامت لیگئے اور کچھ کفار کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے میر احمد خاں باوجودیکہ زخموں سے چور تھا تنہا فوج کفار پر پے در پے حملے کررہا تھا اور ہر حملے میں دس پانچ کو جہنم کا رستہ دکھاتا تھا آخر کار جب اسکو زخموں نے بالکل نڈھال کردیا اور ضعف کی وجہ سے گھوڑے کی پیٹھ پر ٹھیر نہ سکا تو حالت تم جانی میں گھوڑے سے اتر کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے جام شہادت نوش کرکے ابدی عیش و آرام کے مقام روانہ ہوا۔

میر احمد خاں کے شہید ہونے کے بعد حملہ آور فوج شہر میں دررانہ گھس گئی اور بڑی بیرحمی اور سفاکی سے غارتگری کرنی شروع کی میر علی رضا جو برہانپور کا مشہور منصبدار اور سادات سبزوار کا ایک نہایت شجاع آدمی تھا جانبازی اور بہادری کے عمدہ جوہر دکھاکر شہید ہوا اسی طرح شہر کے تمام نامی گرامی منصبدار ستمگار مرہٹوں کے ظالم ہاتھوں سے درجہ شہادت کو پہونچے اور جو باقی بچگئے تھے طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہوئے چنانچہ شرف الدین نامی جو شہر کے معزز و ممتاز لوگوں میں شمار کیا جاتا اور فن موسیقی میں بڑا پایہ رکھتا تھا جب دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا تو اُسے اپنی مخلصی کی تدبیر بجز اسکے اور کچھ بن ہی نہیں پڑی کہ قوالوں کا روپ بھر کر اپنے تئیں مغنی ظاہر کرے چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا اور فارسی و ہندی اور مرہٹہ زبان کے اشعار سنا سنا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ کرلیا

سرداران مرہٹہ کو جب معلوم ہوا کہ شرف الدین شہر والوں سے کسی قسم کی سازش نہیں رکھتا بلکہ ایک معمولی قوال ہے۔ تو انھوں نے ایک دن سامنے بلا کر کہا کہ گو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تو امیروں کی مجلس کا قوال اور نغمہ سنج ہے اور اراکین شہر سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتا مگر اسکے ساتھ ہی ہمیں اسبات کا بھی یقین دلا دیا گیا ہے کہ تو متمول اور عزت طلب آدمی ہے لہذا تیری نسبت قطعی فیصلہ کیا گیا ہے کہ تو دو ہزار روپیہ نقد داخل کر کے اپنی جان قید سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ شرف الدین نے بہت ردوکد کے بعد ایک ہزار دو سو روپیہ پر رضامند کر کے سلامتی جان کی چٹھی حاصل کر لی اور روپیہ مرہٹوں کے حوالہ کیا۔

علی ہذا القیاس جب محمد نقی جو شہر کی عزیز پالیسی کا ایک بڑا عزیز و ممتاز ممبر اور امانت خاں بخشی کا پوتا برہانپور کا واقعہ نگار تھا مرہٹوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا تو اگرچہ بہت سے آدمیوں نے زبان فارسی اور نیز اشاروں میں اُسے سمجھایا کہ اپنے تئیں شہر کا منصب دار نہ ظاہر کرے مگر اسنے حالت گرفتاری میں بھی بڑے غیظ کے لہجہ میں کہا کہ میں اپنی قومیت اور منصب سے انکار کر کے حسب و نسب کے مخفی کرنے میں کوشش کرنی بیفائدہ اور لغو سمجھتا ہوں بلکہ اخفائے نسب و منصب کو قتل پر ترجیح دیتا ہوں چنانچہ جب اس سے دریافت کیا گیا تو بڑی آزادی اور دلیری سے بیان کیا کہ میں شہر کا بخشی اور امانت خاں دیوان دکن کا پوتا ہوں سرداران مرہٹہ محمد نقی کا یہ دلیرانہ کلام سنکر حیرت میں رہگئے اور نہایت عزت و توقیر سے پیش آکر بڑے عمدہ اور مزیدار کھانے اس کے دستر خوان پر چنے اور ضرورت کی سب چیزیں لا حاضر کیں اور اکثر سرداروں کے مشورہ سے یہ طے ہو گیا کہ اگر محمد نقی تیس ہزار روپیہ نقد اپنا فدیہ دے تو اسکی مخلصی کر دیجائے چنانچہ اُسنے فوراً تیس ہزار روپیہ دیکر اپنی جان بچائی۔

الغرض جب تلسی بائی باطمینان تمام شہر میں داخل ہوئی تو اپنے قاعدہ و قانون کے مطابق شہر کا بندوبست کیا اور فوجی افسروں کو زر نقد سے مالا مال کر دیا جس زمانہ میں برہانپور میں ہنگامہ برپا تھا شاہ عالم بہادر ایک بڑی خطرناک مہم کے سر کرنے میں مصروف تھا اور اُسے بالکل اطلاع نہ تھی کہ برہانپور کے صوبہ دار پر کیا گذر رہی ہے اور شہر برہانپور کس طرح پامال ہو رہا ہے مگر جب وہ اس مہم کو سر کر کے اپنے دار الخلافہ کی طرف لوٹا تو لوٹتے ہوئے اس حادثہ اور واقعہ کی خبر ہوئی میر احمد خاں کے شہید ہونے اور لشکر شاہی کے تباہ و برباد ہونے کا اُسے بہت افسوس ہوا اور اثنائے راہ ہی میں سے برہانپور کی طرف ایک فوج عظیم کے ساتھ متوجہ ہو گیا اور اس جوش و تیزی کے ساتھ چلا کہ بہت جلد برہانپور کے حدود میں پہونچ گیا تلسی بائی اور ناعاقبت اندیش مرہٹوں کو خبر ہوئی تو وہ بڑی مستعدی کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوئے اور جب فوج شاہی لڑائی کے ساز و سامان سے

آگے بڑھی تو تلسی بائی نے شہر سے باہر نکلکر لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور شاہی فوج کے مقابلہ میں سیدھی بڑھی چلی گئی عین ہرے وانویر کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور تین روز تک بڑے گھمسان کی لڑائی رہی آخرکار افواج مرہٹہ نے شکست کھائی اور تلسی بائی شاہی فوج کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوئی۔

امتہ الحبیب

یہ معزز اور شریف خاتون محمد معظم شاہ عالم بہادر غازی بادشاہ بن عالمگیر کی عزیز اور چاہتی بیگم ہے اس پری تمثال اور حسین بیگم کی دلگیر صورت اور زاہد فریب حسن و خوبی کی شہرت دور دور تھی اس عاقل بیگم میں حسن و جمال کے علاوہ بہت سی ایسی خصوصیتیں اور قابل تعریف باتیں پائی جاتی تھیں جنکی وجہ سے تاریخی صفحات اب تک روشن اور منور دکھائی دیتے ہیں اور جنہوں نے تمام مورخین سے اسکے لیے بہت سے تعریفی الفاظ مخصوص کرلئے ہیں۔ فطرت نے اُسے ہر بات میں وہ قابلیت عطا کی تھی جسکی مثال ایشیائی دنیا بالخصوص مشرقی حصوں میں بہت مشکل سے پائی جاتی ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ گو شاہ عالم غازی کی فتوحات کی وسعت کچھ کم وسعت نہ تھی مگر پھر بھی اسکے فتوحات نے عالمگیر کے فتوحات کے بسیط زمین پر ہاتھ پاؤں نہیں پھیلائے تھے تاہم جس بیجگری اور بہادری سے اسنے فتوحات حاصل کی ہیں وہ عالمگیری فتوحات سے زیادہ سخت اور شدید ہیں اور یہ سب کچھ امتہ الحبیب کی غیرت انگیز کوششوں اور اسکی بہادرانہ کارروائیوں کا نتیجہ تھا حقیقت میں یہ بیگم شاہ عالم کے بہت کام آئی اور اس نے ہر خطرناک اور پُرخوف مقام میں اپنے معزز شوہر کا نہایت جاں نثاری سے ساتھ دیا اور ہر موقع پر اسکی ترقی میں جان لڑادی۔ شاہ عالم اگرچہ خود بھی زبردست اور اپنی ہٹ کا پورا شخص تھا اور ہر ایک کام کو سوچ سمجھکر کرتا تھا مگر پھر بھی اپنے پولیٹیکل معاملات میں امتہ الحبیب کی رائے کو ضرور شریک کرلیا کرتا تھا۔

امتہ الحبیب کے دلچسپ واقعات میں ایک بہت بڑی اور قابل ذکر صفت یہ تھی کہ اپنے ملازموں کو ہمیشہ خوش رکھتی تھی اور ادنےٰ ادنےٰ سے کام پر ہزاروں روپیہ انعام میں دیدیتی تھی ایک لائق اور حکومت کے ہی خواہ مصاحب کو دم بھر میں دولتمند اور مالدار بنادینا اُسکے آگے کوئی بات ہی نہ تھی شاہ عالم کے تمام مصاحبین وخواص یہانتک کہ وزرا اور ارکان سلطنت سب اُس سے خوش تھے اور اسکی بات بات پر جان قربان کرنیکے لیئے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ شجاع اور بہادر ہوتا ہے اُس میں رحم اور رقت ذرا کم ہوتی ہی بلکہ اُس کی عادت ابتدا ہی سے تیز اور خونخوار ہوا کرتی ہی لیکن امتہ الحبیب کی خلقت و فطرت

اسکے بالکل خلاف اور نہایت مغائر تھی وہ اپنے ادنےٰ درجے کے ملازمین کو اپنے بچوں کی طرح رکھتی تھی اور جب کوئی ایسا وقت آپڑتا جسمیں انہیں مایوسی اور ناامیدی ہو جاتی تو یہ ہر ایک کی دلجوئی اور تشفی کرتی۔

گو شاہ عالم کی دوسری بیگم مہر پرور حسن و جمال اور عقل و دانش میں امتہ الحبیب سے کسی طرح کم نہ تھی مگر جو خاص باتیں قدرت کے نازک اور فیاض ہاتھوں نے امتہ الحبیب کی فطرت میں ودیعت کی تھیں انمیں مہر پرور کبھی اُسکی برابری نہیں کر سکتی تھی بیشک مہر پرور حسین تھی فیاض تھی ہوشیار تھی حوصلہ مند اور عالی ہمت تھی اپنی خداداد قابلیت اپنی فصیح البیانی اپنی شائستگی اپنی تہذیب میں بینظیر تھی یہ سب باتیں تھیں مگر جو چیز شاہ عالم کی روح تھی یعنی بہادری اور شجاعت وہ اس میں نہ تھی یہ وصف امتہ الحبیب میں بدرجۂ احسن پایا جاتا تھا اور اسی وجہ سے شاہ عالم بہادر جسکی طبیعت بچپن ہی سے تیز اور خونخوار تھی اس بہادر خاتون کی ہر ادا پر جان دیتا اور اسی لیئے وہ زیادہ تر ایک تاریخی منظر سمجھی گئی تھی۔

یہ ایک عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے تذکرے کی دونوں ہیروئن یعنی امتہ الحبیب یا حمیدہ بانو بیگم محل شاہ امیر تیمور اور امتہ الحبیب محل شاہ عالم نہ صرف نام ہی میں شرکت رکھتی ہیں بلکہ اکثر اوصاف واخلاق میں ایک دوسری کی قدم بقدم دکھی جاتی ہیں ایک منصف اور بےغرض مورخ جب ان دونوں نامور اور ممتاز بیگموں کی تاریخی زندگی پر نصفت پسند نظر ڈالیگا تو دونوکو طرز معاشرت اور اخلاقی خیالات تمدنی اور علمی ترقیوں میں برابر اور یکساں پائیگا جیسی حمیدہ بانو بیگم ایک پاک اور باعصمت خاتون تھی ویسی ہی یہ بیگم بھی نہایت پاکدامن و عفت مآب تھی جس طرح اُسنے اپنی جوانمردی اور بےمثل شجاعت سے تیمور جیسے قہرناک و رسنجیدہ بادشاہ کو اپنا فریفتہ اور شیدا بنایا تھا نیز اپنی بیجگری اور جانبازی سے کئی سخت اور کڑی مہمیں خود سر کیں تھیں اسی طرح اس جانباز اور بہادر بیگم نے اپنے معزز خاوند کی ترقی میں کئی خطرناک معرکوں میں جان لڑادی تھی جس طرح وہ زرہ بکتر پہن کر اور اسلحہ سے آراستہ ہوکر فوج کی کمان کرتی اور خود دشمن کے مقابلے کیلئے میدان میں جاتی تھی اسی طرح یہ خاتون مردوں کے لباس میں مسلح ہوکر مخالف کے عظیم الشان لشکر پر نہایت بیرحمی سے حملہ آور ہوتی علی ہذالقیاس جیسے حمیدہ بانو کا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تھا ویسے ہی اس خاتون کی علمی ترقی کو بہت بڑا عروج تھا جسطرح حمیدہ بانو نفاست پسندی اور حوصلہ مندی میں ورد سے مستثنےٰ تھی اسی طرح امتہ الحبیب ان باتوں میں شاہی بیگمات سے زیادہ ممتاز تھی مجھے ان دونوں نامور بیگموں کے موازنہ کے ذکر میں ایک ایسے واقعہ کے قلمبند کرنیکی ضرورت ہے جس سے امتہ الحبیب کی بہادرانہ کوششوں کا کافی ثبوت ملتا ہے اور میں ناظرین کتاب کو دکھانا چاہتا ہوں کہ جس بہادری سے امتہ الحبیب نے صرف ایک

سرکی ہی وہ حمیدہ بانو کی چند مہموں سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ وہ تاریخی منظر میں عالم دلچسپی اور نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہی نیز اس واقعہ سے امتہ الحبیب کی عقلمندی اور بیمثال تحمل اور ہمت واستقلال کا بھی ثبوت ہوتا ہی اور وہ واقعہ میدان جاجو کی جنگ ہی۔

اکبر آباد سے قریباً سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر ایک نہایت وسیع اور فراخ میدان ہے جسے جاجو کہتے ہیں اس مقام پر ۱۸۔ ربیع الاول سنہ گیارہ سو انیس میں محمد اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر کے دو خونخوار لشکروں کا بڑی خونریزی اور سفاکی کے ساتھ مقابلہ ہوا۔

محمد اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر دونوں سوتیلے بھائی تھے عالمگیر نے اپنی حالت زندگی ہی میں صرف ان ہی دونوں شہزادوں کو بلکہ اپنی تمام اولاد کو مختلف ملک تقسیم کر دیئے تھے بلکہ خاص اپنے قلم سے اس مضمون کا ایک وصیت نامہ بھی مرتب کر دیا تھا اور اس سے اس نیک نیت اور بیدار مغز بادشاہ کی صرف یہ غرض تھی کہ میرے انتقال کے بعد شہزادوں میں کوئی اس قسم کی نزاع نہ اٹھ کھڑی ہو جس میں ہزارہا بندگان خدا کی نہایت بیدردی اور بیرحمی سے خونریزی کیجائے اور ان کے باہمی تنازعہ سے صدہا بیگناہ مسلمان کاٹ ڈالے جائیں مگر افسوس عالمگیر کی اس آرزو کا اسکے جانشینوں کی باہمی خانہ جنگیوں نے بڑی بیباکی سے خون کر دیا اور اسکی اس دلی تمنا کو بالکل خاک میں ملا دیا۔

الغرض محمد اعظم نے ایک بڑے خونخوار اور جرار لشکر کے ساتھ دکن سے جنبش کی اور شاہ عالم بہادر کے سلطنت کے جلتے ہوئے چراغ کو اپنے تیز فوجی ہوا سے بجھانے کی فکر میں یلغار کرتا ہوا گوالیار کے قریب پہنچا اسوقت اسکی اردلی میں پیدلوں کے علاوہ پچاس ہزار نہایت خونخوار اور بہادر سوار تھے جنپر اسے ہر طرح سے کافی بھروسہ تھا۔ شاہ عالم بہادر کو جب خبر پہنچی کہ محمد اعظم شاہ ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ چڑھا آرہا ہی تو اسنے امتہ الحبیب کی رائے اور مشورہ سے پھر بھی یہ انسانیت برتی کہ ایک خط جواصل میں خود امتہ الحبیب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اسکے پاس بھیجا چونکہ وہ خط امتہ الحبیب کی ذہانت کا نمونہ نیز اس سے اسکی لیاقت کا کافی طور پر ثبوت ہو سکتا ہی اسلئے ہم ناظرین کی دلچسپی کیلئے بجنسہ نقل کرتے ہیں وہو ہذا

عزیزمن سلمہ تمہیں معلوم ہی کہ حضرت جنت آشیانی سلطان المعظم مرحوم و مغفور نے خاص اپنی قلم مبارک سے ایک وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا جسکی منشا کے مطابق ہمیں اور تمہیں ملک تقسیم کر دئے دکن کے چھ عظیم الشان صوبوں میں سے تمہیں چار صوبے مع صوبہ احمد آباد کے عطا ہوئے جو اسوقت تک تمہارے قبضے و تصرف میں ہیں مگر بڑی حیرت کی بات ہی کہ تمہارا حریص اور طامع نفس ان زرخیز اور حشمت انگیز صوبوں پر بھی قناعت نکر سکا اور زیادہ طلبی نے تمہاری بیمانہ تک

نوبت پہنچائی کہ اپنے ایک نہایت قدیم خیر خواہ بھائی کے خون میں اپنے گھوڑے کے سم بھگونے اور مسلمانوں کی خونریزی سے زمین تر کرنے کو بہادری سمجھنے لگے گو تمہارے یہ غلط اصول اور مغرورانہ ہٹ کوئی نتیجہ نہیں رکھتے تاہم اگر تم چاہتے ہو تو میں ایک دو صوبہ اور اپنی طرف سے تمہاری نذر کر سکتا ہوں کیونکہ میں اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ میری تمہاری اس ذلیل و حقیر نزاع میں ہزارہا مسلمانوں کی خونریزی کیجائے اور ایک کثیر التعداد خدا کی مخلوق بہادران لشکر کی خونخوار تلواروں سے معدوم اور نیست و نابود کر دی جائے میں کافی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک بیگناہ مسلمان کی خونریزی کے قصاص میں اگر ایک عظیم الشان شہر کی آمدنی بھی دیدیجائے تو بھی اُسکے خون کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ پس ہم تم کو چاہیئے کہ والد ماجد کی وصیت پر نہایت سرگرمی اور کوشش کے ساتھ عمل کریں خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چیز پر بدل راضی ہو جائیں اور جہانتک بن پڑے فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے بجھانے میں سعی کریں۔ اگر تمہاری زیادہ طلبی اور ناانصافی تمہیں اسی پر مجبور کرتی ہے اور تمہاری رگوں میں شجاعت و بہادری کا خون دوڑ رہا ہے تو اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں کہ میں اور تم بنفس واحد کسی معین میدان میں مقابلہ کر کے قسمت آزمائی کر لیں ہم میں اور تم میں تلوار فیصلہ کر دیگی اور بیشمار جانیں مفت ضائع ہونیسے بچ جائیں گی۔ مسلمانوں کی خونریزی سے میں کانپ کانپ اُٹھتا ہوں اور اسی لئے باصرار کہتا ہوں کہ تم اپنی اس غلط کاری اور نافہمی سے باز آؤ میں حجت تمام کر چکا اور تمہارے جواب آنے تک منتظر رہونگا۔ فقط راقم محمد معظم شاہ عالم بہادر ابن شہنشاہ عالمگیر جنت آشیانی۔

جب اعظم شاہ کے پاس اُسکے بڑے بھائی کا یہ نامہ اور پیام پہنچا تو اول اول وہ نہایت آشفتہ و برہم ہوا اور نہایت حقارت آمیز نظروں سے اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر جوں جوں خط کے مضمون پر اُسکی نظر آگے بڑھتی گئی ووں ووں اُسکی برہمی اور آشفتگی غیظ و غضب سے بدلتی گئی۔ انجام کار وہ خط کو پڑھکر نہایت غضبناک لہجہ میں بول اُٹھا کہ شاید اُس عقل و ہوش باختہ نے گلستان کا بھی مطالعہ نہیں کیا ہے اور اُسکی کوتاہ بین نظر فلاسفر سعدی کے اس مفید اور نتیجہ خیز فقرہ پر نہیں پڑی ہے کہ "دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند و دہ درویشے در گلیمے بخسپند"، اور پھر اپنے انتہائی جوش و ولولے میں بائیں جانب سے تلوار گھسیٹ کر یہ شعر بار بار پڑھنے لگا ؎

جو فردا بر آید بلند آفتاب من و گرز و میدان و افراسیاب

شاہ عالم بہادر ہنوز اپنے خط کے جواب کا منتظر ہی تھا کہ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محمد اعظم شاہ کی فوج بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی چلی آرہی ہے اُسکا خاص ارادہ ہے کہ دریائے چنبل کو عبور کر کے

اُسے اپنے تصرف میں لے آئے یہ خبر شاہ عالم بہادر کو کسی قدر گھبرا دینے والی تھی وہ نہایت متذبذب ہوا
کہ میں کیا کروں اگر اعظم شاہ کا حملہ نہیں روکتا اور اُسے اُسی کی حالت پر چھوڑتا ہوں تو اپنے اہل و عیال سمیت
قتل ہوتا ہوں اعظم شاہ نہایت بیرحم اور خونریز شخص ہی اُسے مخلوق خدا کے قتل کرنے میں ذرا دریغ نہیں
آتا اور وہ مسلمانوں کے خون میں اپنے گھوڑے کے سم بھگونا اچھے سمجھتا ہی اور جو مقابلہ کرتا ہوں اور ناکام
رہا تو مرجانا پڑیگا کیونکہ شکست کی حالت میں ایک بہادر حکمراں کا اپنے دار الخلافہ میں رہنا بڑی ہی
شرمناک بات ہی چنانچہ اسی فکر میں شاہ عالم امۃ الحبیب کے پاس گیا اور اسنے اپنے کمرہ میں علیحدہ لیجاکر جو
کیفیت تھی بیان کردی اور کہا کہ اب میں اس معاملہ میں کیا کروں - امۃ الحبیب نے دست بستہ عرض کیا
کہ حضور یہ کچھ فکر کی بات نہیں ہی آپکی حجت تمام ہو چکی ہی اور اب آپکو دشمن کے حملہ روکنے اور اسمیں
مسلمانوں کی خونریزی ہونے میں بھی کسی قسم کا شرعی مواخذہ نہیں ہو سکتا بالفعل آپ اس بات کی
تدبیر و انتظام میں کوشش کیجیے کہ دشمن دریائے چنبل سے عبور نہ کر سکے جبتک غنیم کی فوج دریا
کے عبور کرنیکی تدابیر میں مصروف رہیگی آپ اس عرصہ میں جنگ کا انتظام بخوبی کر سکیں گے اور اپنے
لشکر کو بخوبی تیار کر سکیں گے رسد کا بھی کافی طور پر سامان ہو جائے گا اور کسی بات کی زیادہ دقت
جھیلنی نہ پڑیگی شاہ عالم امۃ الحبیب کی اس عاقلانہ تدبیر سے بہت خوش ہوا پھر محل سے برآمد ہو کر اور فوراً
خاں زاد خاں اور صف شکن خان کو بلایا جو توپخانہ کے دو بڑے بہادر اور سردار تھے ان دونوں نے
آداب شاہی کے پابند ہو کر عرض کیا کہ اسوقت جس حکم کی بابت ہمیں ارشاد ہونیوالا ہی اُسکے بجالانے
کے لیے ہم مستعد ہیں ہم اسکی تعمیل میں اپنی جانیں لڑا دیں گے - شاہ عالم بہادر نے ایک نہایت خوش
آیند تبسم اور خندہ پیشانی سے فرمایا کہ تم اپنے ہمراہ چند فوجی بہادروں نیز اغر خاں قراول کو ساتھ
لیکر دریا کے پل پر قبضہ رکھو اور کسی طرح دشمن کی فوج کو عبور کرنے نہ دو اسی اثنا میں جاسوسوں نے رپورٹ
بایں مضمون خبر دی کہ اعظم شاہ کا ارادہ ہے کہ سموگڈھ کی گزرگاہ سے نکلکر اور اکبر آباد کو پس پشت
چھوڑ کر سامنے سے حملہ آور ہو شاہ عالم بہادر نے حکم دیا کہ فوج کا ایک بھاری دستہ سامنے جا کر جو
کے نالے پر نہایت ہوشیاری کے ساتھ کھڑا رہے اور رستم خاں کو حکم ہوا جو شاہ عالم کی فوج کا ایک بڑا
تجربہ کار افسر اور بہادر جنرل تھا کہ اپنے ہمراہ دو تین فوجی افسروں اور کثیر التعداد توپخانہ کے سواروں کو لیکر
[illegible] ترتیب سے اور دشمن کے لشکر کی ہر حرکت و سکون سے متواتر خبریں پہنچاتا رہے -
اسکے بعد شاہ عالم بہادر نے اپنی موجودہ فوج کے دو حصے کئے ایک حصہ تو امۃ الحبیب کی سرکردگی
میں گیا اور دوسرا حصہ شہزادہ محمد عظیم کی کمان میں مقرر کیا اور خان زمان کی نسبت حکم صادر ہوا

کہ فوج بندی میں مصروف رہے تاکہ جسوقت امۃ الحبیب یا شاہزادہ محمد اعظم کو فوجی مدد کی ضرورت
پڑے فوراً مدد پہنچائے شاہزادہ محمد عظیم کی بابت فرمان جاری ہوا کہ اپنی والدہ محترمہ کی رائے کے
کبھی خلاف نکرے باقی تین شہزادوں کو چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کی کمان دیکر انکی ماتحتی میں بڑے
بڑے جہاندیدہ اور پختہ کار افسر مقرر کرکے روانہ کیا۔

امۃ الحبیب تقریباً بیس ہزار فوج لیکر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اسوقت امۃ الحبیب کا حلیہ قابل ذکر
ہے یہ اولوالعزم اور جوشیلی بیگم ایک چست و چالاک گھوڑے پر سوار ہو شمشیر بکف اس شاندار و جرار لشکر
کی سرکردگی میں پرشوق قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی اسکا سارا جسم سر سے پاؤں تک آہن
میں غرق تھا زرہ بکتر پہنے ہوئے تھی فولادی خود سر پر تھا ایک لمبا برچھا ہاتھ میں تھا دونوں
پہلوؤں میں نیام کی ہوئی شمشیریں لٹک رہی تھیں۔ اور سینے کے قریب ایک بڑا آبدار خنجر لگا ہوا تھا
پشت پر ترکش لٹک رہا تھا اور کمان مونڈھے پر جھوم رہی تھی اس کی پرقہر نظریں بار بار غنیم کی
گذرگاہ کی طرف اٹھ رہی تھیں اور چہرے کے فوری تغیرات بتا رہے تھے کہ یہ اسوقت کسی متضاد
خیالوں کی الجھن میں گرفتار ہے بیشک امۃ الحبیب کی اسوقت عجیب کیفیت تھی کبھی اسکے ذہن میں
بہادروں اور جانبازوں کے خون سے بھیگی ہوئی زمین اور زخمیوں کی جان خراش صدائیں ہزاروں بے
تن سروں کا خون کے بہتے دریا میں غوطہ زن ہونیکا حسرتناک نظارہ ستاتا اور اسے اپنے پر رعب اس
وحشتناک منظر سے دہلا دہلا دیتا تھا اور کبھی فتح کی خوشی اسکے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ جاتی تھی۔

امۃ الحبیب کو اتنا تو ضرور ہی علم تھا کہ اس جنگ کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہونیوالا ہے مگر ساتھ ہی اسے
اسبات کا کامل یقین تھا کہ اگر اس معرکہ میں فتح ہوگئی تو میری عظمت و شان کا سکہ شاہ عالم کے دل پر
اس سے بھی زیادہ بیٹھ جائیگا اور اگر خدانخواستہ شکست ہوئی تو پھر یہ منہ شاہ عالم کو دکھانے کے قابل نرہیگا۔
غرضکہ اسی امید و یاس کے متضاد منظروں کی خیالی سیر کرتی ہوئی امۃ الحبیب اپنے گھوڑے کو تھامے
ہوئے لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

ادہر محمد اعظم شاہ نے اپنی فوج کی آراستگی بڑے انتظام کے ساتھ کی پچاس ہزار خونخوار سواروں
کو ساتھ لیکر بڑی دلیری سے تلواریں برہنہ کئے ہوئے حملہ آور ہوا یہ بالکل صحیح طور سے ثابت ہوگیا کہ محمد اعظم
شاہ کی فوج کی تعداد بہ نسبت شاہ عالم کے کم تھی اور اسکا سامان جنگ اچھا نہ تھا مگر پھر بھی اسکے فوجی افسر
بڑے تجربہ کار اور سفاک اور قواعد جنگ سے بخوبی ماہر تھے نیز خود محمد اعظم شاہ بڑا بہادر شجاع شخص تھا۔
اسنے اپنی فوج کی کمی اور بے سروسامانی اور شاہ عالم کی کثیر التعداد فوج کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور اسطرح دھوکا

غضبناک شیر بکریوں کے گلہ پر جا پڑتا ہی اسی طرح محمد اعظم شاہ شاہ عالم کی فوج پر پل پڑا حقیقت میں محمد اعظم شاہ کی یہ ایک بہت بڑی غلطی اور ناتجربہ کاری تھی کہ اپنے سامان جنگ کے عمدہ طور پر فراہم نہ ہونے اور لشکر کی تعداد میں کمی ہونے پر صرف اپنی بہادری اور بیجگری کے غرور میں ایسے عظیم الشان معرکہ میں کود پڑا اول اول تو اُسے اپنے ایک وفادار اور جان نثار بھائی کے مقابلہ میں صف آرا ہونا ہی نہ چاہیئے تھا اور اگر بالفرض یہی ارادہ تھا تو اپنی فوجی طاقت کو کسی قدر زیادہ وسیع اور دولتمند کر لیتا مگر افسوس جس نے ایسا نہیں کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی تمام فوج بڑی سفاکی کے ساتھ کاٹ ڈالی گئی اور اُسکی نعش گھوڑوں کے سموں میں نہایت بیرحمی سے روندی گئی مگر پھر بھی یہ ایک نہایت حیرتناک امر ہی کہ باوصف اسکے کہ محمد اعظم شاہ کی فوج کا سامان جنگ چھا نہ تھا اور اسکی فوجی اور مالی طاقتیں مخالف کی نسبت بہت کم تھیں لیکن تاہم جو بہادری اور دلیری اس موقع پر اس سے صادر ہوئی اس سے ابتک تاریخی صفحات روشن ہیں لشکر کے میمنہ پر خود محمد اعظم شاہ موجود تھا اور میسرہ کو شہزادہ محمد بیدار بخت سنبھالے ہوئے تھا یہ جرار لشکر اس سمت کو چھوڑ کر جد ہر امتہ الحبیب اور شہزادہ محمد عظیم اسکا حملہ روکنے کے لیئے بڑی مستعدی کے ساتھ کھڑے انتظار کر رہے تھے دوسری سمت آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا کہ دفعتہً شہزادہ محمد بیدار بخت محمد اعظم کا اشارہ پاتے ہی ایک بڑے فوجی دستہ کو ساتھ لیکر شاہ عالم کے پیش خیمہ پر جا پڑا۔ رستم علی خاں جو چند فوجی افسروں کے ساتھ یہاں موجود تھا ہر چند کہ اُس نے بڑی دلیری اور جانبازی کے ساتھ اسکا حملہ روکنے میں کوشش کی اور نہایت سفاکانہ دیباکانہ مقابلہ کیا لیکن انجام کار اُسے شکست ہوئی تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد میدان صاف ہو گیا کچھ بہادر خون میں نہا نہا کے ٹھنڈے ہو گئے اور کچھ مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے محمد بیدار بخت کے لشکر نے شاہ عالم کے پیش خیمہ کو لوٹ لیا اور خیمہ میں آگ لگادی اور جہانتک ہو سکا غارتگری اور لوٹ مار میں کوشش کی۔

غافل اور بیخبر امتہ الحبیب اور شہزادہ محمد عظیم کو جب اس مخالفانہ حملہ کی اطلاع ہوئی تو دونوں نے اپنے لشکر کو بڑی تیزی کے ساتھ اس طرف جنبش دیکر جھپٹے ہر طرف سے فوجیں سمٹ سمٹا کر جمع ہوئیں اور نہایت تیز سیلاب کی طرح محمد اعظم شاہ کی فوج پر آپڑیں۔ اگرچہ اس خفیف سی شکست سے شاہ عالم کی فوج میں ایک غیر معمولی انتشار پیدا ہو گیا تھا اور سارے لشکر میں عام طور پر ایک تہلکہ پڑ گیا تھا لیکن امتہ الحبیب کی عاقلانہ تدبیر نے اُسوقت بہت بڑا کام کیا اُسنے اپنے دل میں خیال کیا کہ

اگر اس اول ہی حملہ کی شکست سے سپاہیوں کے دل چھوٹ جائیں گے تو پھر مدت تک مقابلہ کرنا
مشکل پڑجائیگا۔ اُس نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے اپنے فوجی سرداروں کی تسلی کی اور انکے
تذبذب و تردد کو بالکل مٹادیا۔

یہاں جب محمد بیدار بخت نے شاہ عالم کے پیش خانہ کی متعینہ فوج کو شکست دی تو ذوالفقار خاں
اور دیگر مقربان بارگاہ نے محمد اعظم شاہ سے عرض کیا کہ صلاح دولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ
آج فتح کے شادیانے بجادیئے جاویں اور آج کی جنگ کا خاتمہ اسی کو سمجھا جائے حضور اپنا خیمہ
یہیں نصب فرمائیں اور کل پھر مقابلہ کے لیئے لشکر کو جنبش کرنے کا حکم دیں کیونکہ آجکی شہرت
فتح کے دبدبہ سے کل دشمن کے لشکر میں تزلزل پڑجائیگا اور بہت سے نامور اور بہادر وہاں سے
نکلکر ہماری فوج میں آشامل ہونگے اور بزدلوں کی ایک جماعت خود بخود راہ فرار اختیار کریگی
ذوالفقار خاں کی اس تقریر سے محمد اعظم شاہ بجلی کی طرح کوند گیا اور نہایت برہم ہوکر کرخت آواز
میں کہا کہ یہ عورتوں کی مصلحت ہے بہادر اور خونخوار آدمی اس قسم کی بزدلانہ تدبیر کو اپنے حق میں
ایک بہت بڑا شرمناک واقعہ خیال کرتا ہے۔ الغرض ابھی محمد اعظم شاہ کی لشکر فوج نمائشگری اور تاخت و
تاراج ہی میں مشغول تھی کہ امۃ الحبیب اپنی جرار فوج کے ساتھ دفعۃً ٹوٹ پڑی اور بڑی تیزی
کے ساتھ دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ امۃ الحبیب کی بہادر فوج
نے مقابل کی فوج کے ایک بڑے زبردست دستہ کو تہ تیغ کرڈالا۔ امۃ الحبیب ایک اونچے مقام پر
کھڑی ہوئی اپنے سپاہیوں کی جانبازی کو پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اشاروں میں
اپنے فوجی افسروں کو بتاتی جاتی تھی کہ اس طرح بڑھو اور ہٹو۔

محمد اعظم شاہ کا جب ایک فوجی دستہ کٹ چکا تو اب ایک اور دستہ جو پہلے سے کسی قدر زبردست
تھا تلواروں کو علم کیئے ہوئے آگے بڑھا امۃ الحبیب نے اسوقت یہ بڑی ہوشیاری کی کہ اس [illegible]
وجود سے لڑ رہا تھا پیچھے ہٹالی گئی اور دوسرا تازہ دم دستہ اسکے مقابلہ میں [illegible]
فوج کا [illegible] جواب دیا دو طرفین سے تلواروں اور تیروں کا مینہ برسنے لگا یہ جنگ سخت گھمسان [illegible]
تھی۔ ہزاروں سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور جابجا کا میدان بہادروں کے خون سے دریائی [illegible]
رہا تھا ہر طرف سے تیروں کی سائیں سائیں کی مدہوش کرنے والی ہیبت ناک آوازیں [illegible]
تی تھیں۔ زخمیوں کی دل ہلانے والی آہیں ہر طرف سے [illegible]
[illegible] جوان [illegible] نقارہ اور قرنا کی آواز میں شرکت کرکے میدان جنگ کو [illegible]

لبریز کر دیا تھا دونوں طرف کے رزم جو دلاوروں اور شعلہ خو مبارزوں نے معرکہ کارزار میں دلیرانہ قدم ڈالے اور جنگی ہاتھیوں نے جو لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے ہر طرف قیامت برپا کر دی ابیات

چو گشت از دو سو لشکر آراستہ	جہانے بہ پرخاش برخاستہ
دمادم بر آمد ز ہر پہلوے	چکاچاک تیغ خاست از ہر سوے
ز بس خوں کہ از کشتگاں شد رواں	محیط با گشت ہندوستاں
بسے سر کہ بے تن شد از تیغ تیز	نہ دست و نبرد و نہ پائے گریز

اس سخت گھمسان کی لڑائی میں راؤ دلپت بندیلہ اور راجہ رام سنگھ جن کی بہادری اور شجاعت کی ایک دھوم مچی ہوئی تھی بہت سے جنگجو مشہور سرداروں کے ساتھ امۃ الحبیب کے ہاتھ سے قتل کیے گئے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی امۃ الحبیب کو اپنے ایک بڑے افسر باز خاں کے مارے جانے کا اس قدر صدمہ اور افسوس ہوا جسے وہ تمام عمر نہ بھول سکی۔ اس معرکہ جنگ کا بھی موقع زیادہ نازک اور خطرناک تھا۔ جوں جوں لڑائی کو طول کھینچا جاتا تھا ساعت بساعت آتش پیکار کے شعلے زیادہ بھڑکتے جاتے تھے یہانتک کہ خان عالم اور منور خاں جنہیں اس زمانہ کے بہادروں نے صف شکن کا خطاب دیا تھا اور جنکی دلیری کی شہرت دور دور تھی کوہ پیکر ہاتھیوں پر سوار ہوکر محمد اعظم شاہ کی فوج میں دلیرانہ شیروں کی طرح نکلے۔ شہزادہ کا اشارہ پاتے ہی وہیں ٹھہر گئے۔ شہزادہ نے فوراً اپنا ہاتھی آگے بڑھایا اور فوج سے علیحدہ ہوکر آہستہ آہستہ آگے کو بڑھے۔ منور خاں نے نہایت بیباکی کے ساتھ رستمانہ حملہ کیا اور ایک بڑا نیزہ شہزادہ محمد عظیم کی طرف چلایا شہزادہ نے بڑی پھرتی اور ہوشیاری سے کو منور خان کے نیزہ سے اپنے تئیں بال بال بچالیا لیکن پھر بھی اس بہادر کے نیزہ کا وار بالکل خالی نہیں گیا اور جلال خاں قراول خاں کے مونڈھے پر اوچٹتا ہوا جو شہزادہ کے پاس خواصی میں بیٹھا ہوا تھا اسپر شہزادہ نے برافروختہ ہوکر حریف کے سینہ پر ایک زہر آلود تیر مارا یہ تیر ایسا کاری تھا کہ منور خاں آن کی آن میں ہاتھی سے نیچے جا رہا۔

خان عالم اپنے بھائی کے یوں مارے جانے سے سخت متاثر ہوا اور بے اختیار اسکا دل بھر آیا اسوقت اسکی آنکھ میں سارا جہان ایک تاریک منظر تھا۔ انتقام کا جوش اسکی رگوں میں خون کی طرح دوڑا اور وہ ایک آبدار نیزہ اٹھا کر شہزادہ محمد عظیم پر حملہ آور ہوا شہزادہ نے نہایت چالاکی سے اسکا وار خالی دیا اور جلال خاں کے تیر سے خان عالم نے بھی اپنے بھائی کے سرہانے آرام کیا یہ دیکھکر شہزادہ محمد بیدار بخت ایک بہت بڑے دستہ کو ساتھ لیکر مخالف کی فوج میں گھس گیا اور چند لیسپے دیپے

وار اور حملے کیئے کہ مقابل کے بڑے بڑے فوجی افسروں کو ہارے تلوار وں کے زمین کا پیوند کر دیا
ا سکے اس زبردست اور سفاک حملہ نے محمد عظیم کے لشکر کے پاؤں اُکھیڑ دیئے اور آن کی آن میں
اسکا ایک بڑا مضبوط مورچہ فتح کر لیا گیا گو شاہزادہ رفیع القدر شاہ عالم کا دوسرا فرزند اپنے بھائی کی
مدد کے لیئے ایک جرار دستہ لیکر پہونچ گیا تھا اور اُسی کے متصل شہزادہ محمد معزالدین شاہ عالم کا تیسرا
فرزند اپنی فوج لیکر موقع پر آموجود ہوا تھا لیکن بیدار بخت کا یہ ایک ایسی پوری قوت کا حملہ تھا جو
کسی کے روکے سے نہیں رُک سکتا تھا اُسنے چند منٹ میں مقابل کی تمام صفوں کو اُلٹ دیا اور بات
کرتے میں دوسرے مورچہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ محمد عظیم شاہ کو اس شکست سے سخت صدمہ ہوا
اور اُسکے چہرہ سے ملال و افسردگی کے آثار ٹپکنے لگے اُسے سخت تذبذب تھا کہ اب یہ دونوں مورچے
کس طرح قبضہ میں آسکتے ہیں اسوقت امتہ الحبیب ہاتھی پر سوار تھی اور اپنی فوج کو روکے کھڑی تھی ایک اونچی
سطح سے اس خونخوار جنگ کے ہولناک منظر کو پر قہر نظروں سے دیکھ رہی تھی جب اُسنے دیکھا کہ حملہ آور
فوج محمد عظیم کو برابر دباتی چلی جاتی ہے اور دو مورچے فتح کر کے عنقریب تیسرے مورچہ پہنچا چاہتی ہے تو وہ
نہایت استقلال سے آگے بڑھی اور حملہ آوروں کی پشت سے ایک نہایت بیباکانہ حملہ کر دیا۔

شہزادہ بیدار بخت جو اپنی فتح کے جوش مسرت میں آگے بڑھا چلا جاتا تھا دفعتہً اسکے کان میں
ایک گرج کی سی آواز آئی جس سے تمام میدان گونج اُٹھا معلوم ہوا کہ مخالف کی فوج نے پشت کی طرف سے
حملہ کیا ہے اُسنے گھبرا کر ادھر کا رُخ کیا اور مفتوحہ مورچہ پر واپس آکر ٹھہر گیا لیکن حقیقت میں اسکا وہاں
ٹھہرنا ہی غضب تھا آن کی آن میں امتہ الحبیب کی فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلالی شکل میں صف
آرا ہو گئیں اور تمام راستے رُک گئے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور جانبین میں سے
کسی نے حرکت و جنبش کی جرات نہیں کی شہزادہ محمد بیدار بخت چونکہ حملے کرتے کرتے تھک گیا
تھا نیز اب پورے طور پر محاصرے میں آچکا تھا اور اُسکے بہت سے وفادار اور جان نثار کام میں
آچکے تھے لہذا اب اُسے حملہ کرنے کی تو جرات نہیں پڑی لیکن اُسکی دلیری اور مردانگی نے مفتوحہ مورچوں
پر سے قبضہ اُٹھا لینے کی بھی اجازت نہیں دی۔

تین گھنٹے کے بعد امتہ الحبیب نے اپنی فوج کو گولہ باری کا حکم دیا اور اُسنے اس قدر متواتر اور پے در پے
گولے برسائے جس نے محصورین کا بالکل کام تمام کر دیا اور انہیں میں بیدار بخت بھی ایک گولہ کی
ضرب سے جاں بحق ہو گیا۔ یہ وحشت اثر خبر واقعہ آن کی آن میں محمد اعظم شاہ کے گوش گذار ہوا کہ تمہارا
فرزند لقمہ اجل ہو گیا۔ یہ خبر سنکر محمد اعظم شاہ کی بُری حالت ہو گئی اول تو وہ تھوڑی دیر تک سکتہ میں

رکھا اپنے فرزند کے غم میں خون کے آنسو رو تا ہا زاں بعد اس مست ہاتھی کی طرح جو شعلہ آگ کے بھرے ہوئے پہاڑ میں کود پڑتا ہے بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کی فوج کا مقابلہ کیا اور دیر تک بہادرانہ حملوں کے مقابلہ کرتا رہا۔ جو تیر اسکے کمان کے چلے سے نکلتا تھا ایک بہادر کو زمین پر ڈالتا تھا اور جو خونی نیزہ اسکے ہاتھ سے جاتا تھا ایک بڑے افسر کو بیہودہ سے خون سے رنگین کرتا تھا جو اجل رسیدہ اسکے سامنے آتا خاک و خون میں غلطاں ہوتا۔

زہر تیر کز شست پرواز کرد	تنے را ز پیوند جان باز کرد
در افگند خود را دراں کارزار	چو شیرے کہ گور افگند در شکار
بر آمد خروشے دہ و دار و گیر	چو باراں ببارید ژوبین و تیر
گراں ہنگ رستم بدیدے بخواب	شدے از نہیبش مراح زہرہ آب

اس معرکہ جنگ میں جو تہوری و جلادت اس زیبندہ خاندان تیموری سے ظاہر ہوئی اور جو کوشش و کشش اس تبرد آزماد الانسب سے وقوع میں آئی اسکی مثال مشرقی حکمرانوں میں بڑی مشکل سے پائی جا سکتی ہے۔

اسوقت کی جنگ کا یہ نظارہ بہت ہی دلفریب اور قابل دید تھا دن بالکل آخر ہو گیا تھا اندازاً ساڑھے چھہ بجے ہونگے رخصت ہونے والا زردی مائل آفتاب اپنی دھوپ کا سنہری پوڈر پھیلا کر دنیا کی قدرتی حسن و خوبی کی بہار آخری اور الوداعی نگاہ سے دیکھ رہا تھا خصوصاً سلاطین بہادران معرکہ کی امید کی طرح اپنی حد سے متجاوز ہو رہے تھے۔ آفتاب کی ماند اور تھکی ہوئی کرنیں کبھی بہادروں کے آبدار نیزوں پر پڑتی تھیں اور کبھی اونچے برچھوں پر اور جب ان نیزوں کا عکس ملکر زمین پر پڑتا تھا تو لوگوں کی آنکھوں میں ایک خیرگی اور چکا چوندسی پیدا ہو جاتی تھی۔

محمد اعظم شاہ اس خوف سے کہ کہیں جلد سورج نہ غروب ہو جائے بڑھ بڑھ کر نہایت تیزی کے ساتھ تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور فوج مقابل بڑی ہوشیاری سے اسکے زبردست حملے روک رہی تھی۔ انجام کار آفتاب مغربی گھاٹیوں میں غروب ہو گیا اور مشرق کی جانب سے ایک تاریک اور اندھیرا غبار اٹھا جو رفتہ رفتہ سارے سطح آسمان پر پھیل گیا شام ہو چکنے کے بعد تلیجا محمد اعظم شاہ نے جنگ موقوف کرنے کا حکم دیا اور آج کی بقیہ جنگ کل کے لیئے اٹھا رکھی گئی۔ جونکہ اسکے حبیب کو بھی اپنے لشکر کی حالت بہت کچھ درست کرنی تھی لہذا اس نے بھی موقوفی جنگ کا اعلان منظور کر لیا۔

یہ رات خود محمد اعظم شاہ اور اسکی فوج کے لیئے نہایت سخت رات تھی اسکی تمام فوج پیچا الغون

کا رعب بیٹھ گیا تھا اور مارے خوف کے دل ہل گئے تھے عام طور پر ہر ایک شخص پر پریشانی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی اور سب اپنی زندگی سے مایوس و نا امید ہو چکے تھے لیکن محمد اعظم شاہ نے یہ بڑی ہوشیاری برتی کہ خود آمادہ جنگ ہو گیا اور اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ سب فوج میں ایک وفادارانہ جوش پیدا ہو گیا۔ رات کے بارہ بجے کے قریب محمد اعظم شاہ نے ایک مجلس مرتب کی اور فوج کے تمام افسروں کو بلا کر کہا کہ کل جبتک میں اکبر آباد فتح نہ کر دونگا چین سے نہ بیٹھونگا تمہیں کل نہایت ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے۔

ادھر امۃ الحبیب رات بھر اپنے فوج کے انتظام اور مورچوں کی مضبوطی نیز شہر کے اور بہاڑوں کے مستحکم کرنے میں مصروف رہی اور محمد عظیم شاہ کو بلا کر جنگ کے تمام نشیب فراز صاف صاف بتادئے اور یہ بھی کہدیا کہ کل جبتک مخالف کی فوج حملہ کرتے کرتے او کتا نجائے ہم کبھی حملہ آور نہ ہوں۔

صبح ہوتے ہی نقارہ پر چوب پڑی اور دونوں کے لشکر صف آرا ہو کر میدان میں آئے آج سب سے پیشتر محمد اعظم شاہ ایک زبردست فوجی دستہ کے ساتھ حملہ آور ہوا اور پہلے ہی حملہ میں مخالف کی فوج کو اپنی بہادری کے جوہر دکھادئے۔ امۃ الحبیب کی فوج آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی گئی اور ساتھ ہی انہیں جواب بھی دیتی گئی۔ محمد اعظم شاہ نہایت بیباکانہ حملے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا اور فوج کو پریشان و درہم برہم کرکے امۃ الحبیب کے باڈی گارڈ تک پہنچ گیا۔ اسوقت محمد عظیم نے اپنی فوج کو للکارا اور بڑی جوانمردی سے مخالف کے حملے کو روک دیا فوج نے اپنے افسروں کا اشارہ پاتے ہی تلواریں نیام سے گھسیٹ لیں اور اپنی پوری قوت سے دشمن پر پل پڑی اس دن کی یہ جنگ کل کی جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور خونریز تھی اور اسی جنگ کے خاتمہ پر فریقین اپنی فتح و شکست منحصر سمجھتے تھے اسوقت جو لڑائی کی شدت تھی کسی میں نہیں آسکتی۔ بہادروں کے ہاتھوں کی تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑی تھیں ترکشوں میں کوئی تیر نام کو باقی نہیں رہا تھا۔ گھوڑے رانوں کے نیچے سے نکل گئے تھے کسی کو اپنے تن بدن کی خبر نہ تھی۔ میدان کے گرد و غبار اور بارود کے دھوئیں سے کوئی پہچان نہ سکتا تھا۔ اسی اثنا میں محمد بیدار بخت کے چھوٹے بھائی شہزادہ والا جاہ کے ہاتھی کی مستک پر ایک گولہ پڑا اور فیلبان کو پیٹتا ہوا ہودہ میں پہنچکر شہزادہ والا جاہ کا کام تمام کر ڈالا۔ اسی کے متصل ایک اور قہرناک گولہ گرا جس کے زمین پر گرنے سے پیشتر ایک نہایت حسین اور پری تمثال خاتون یعنی شہزادہ والا جاہ کی بیگم کی نعش ہاتھی کی پشت سے نیچے آرہی۔ مورخین کا بیان ہے کہ شہزادہ والا جاہ کی سواری کا ہاتھی گولوں کے پے در پے زخموں سے تنگ آکر اسکی نعش کو لشکر سے لے نکلا اور اکبر آباد کی طرف اٹھائے چلا گیا۔

ہر چند محمد اعظم شاہ نے اپنے اس چھوٹے فرزند کی نعش کا پتہ لگانا چاہا مگر افسوس کہیں سراغ نہ چلا۔ اس کے بعد محمد اعظم شاہ کی فوج نے قریباً تین گھنٹہ تک کوئی حملہ نہ کیا۔ اسوقت امۃ الحبیب نے مناسب سمجھا کہ خود حملہ آور ہو کیونکہ وہ نہایت تجربہ کار تھی اور لڑائی کے ہر پہلو سے بخوبی واقف تھی اس نے اپنی فوج کے میمنہ کو حکم دیا کہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور جونہی دشمن زد پر آجائے اپنی پوری طاقت سے اچانک پل پڑے چنانچہ فوج کے میمنہ نے تدریجی جنبش کی اور نہایت آہستگی سے آگے قدم بڑھائے اور ساتھ ہی میسرے نے بھی حرکت کی شہزادہ محمد عظیم اور امۃ الحبیب بھی دائیں بائیں اشاروں ہی اشاروں میں فوجی افسروں کو بتلاتے اور سمجھاتے آگے بڑھے۔ ادھر سے محمد اعظم شاہ کی فوج اس طرف سے بڑھی مگر چونکہ یہ فوج نہایت ہوشیار اور تجربہ کار تھی تھوڑی دور چل کر ٹھہر گئی اور مقابل کی فوج کی زد پر نہ آئی گھنٹہ بھر کامل جنگ ہوتی رہی اور طرفین کے افسر سینہ بسینہ جواب دیتے رہے آخر امۃ الحبیب نے اپنے افسروں کو کچھ اشارہ کیا اسکی تمام فوجیں فوراً ہلال کی طرح صف آرا ہو گئیں اور محمد اعظم شاہ کو ہالہ کی مانند چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اسی اثنا میں قبلہ کی طرف سے جہاں شاہ عالم کا عظیم الشان لشکر آمادہ پیکار کھڑا تھا ایک نہایت تیز و تند ہوا کا قہرناک جھکڑ چلنا شروع ہوا امۃ الحبیب نے اپنی خوش قسمتی سے ایسے موقع کو بہت غنیمت جانا اور اپنی فتح و کامیابی کا مقدمہ سمجھکر لشکر کو گولہ باری کرنے اور تیروں کا مینہ برسانے کا حکم دیدیا جو تیر کہ جہاں آشوب ہوا کی مدد سے محمد اعظم شاہ کے لشکر پر پڑتا تھا زرہ بکتر کو چھیدتا ہوا پار ہو جاتا تھا اور جو سنگریزہ اس ہوائی طوفان کی تائید سے دلاوروں کے لگتا تھا گولہ تفنگ کا کام دیتا تھا۔

الغرض اسوقت کی یہ جنگ نہایت ہی خونریز اور زیادہ خطرناک تھی اعظم شاہ کی کثیر التعداد فوج کام آچکی تھی اور وہ اب ہوا کی مخالفت اور اپنی بدقسمتی کی وجہ سے بالکل مایوس و ناامید ہو گیا تھا اسکے لشکر کی آنکھ میں تمام عالم تاریک اور سیاہ معلوم ہوتا تھا ؎

زگردے کہ برخاست در رزم گاہ	جہاں گشت در چشم مردم سیاہ
بدانگونہ گم شد دراں گرد مہر	کہ مے جست با صد چراغش سپہر

اس جنگ کے اول حصہ میں اگرچہ محمد اعظم شاہ کے سفاکانہ حملوں اور دلیرانہ کوششوں نے اسکے تمام افسران فوج کو یقین دلا دیا تھا کہ بیشک آج یہ پالا ہمارے ہی ہاتھ رہیگا اور فتح کے ڈنکے ہمارے ہی نام پر بجیں گے اور تھوڑی دیر کے لئے ایسا ہی ہوا بھی کہ شاہ عالم کی فوج باوجود اپنے غلبہ کے اس دریائے غیرت کے نہنگ کے مقابلہ کی طاقت نہ پاکر قریب تھا کہ شکست کھا کر بھاگ جائے لیکن

افسوس اُنکی یہ خوشی ایک عارضی خوشی تھی۔ اس خونی اور قہرناک ہوا کا چلنا اُنکے لئے غضب ہو گیا اور
اُسکی پریشانی اور ہولناکی نے دشمن سے پہلے ہی انہیں شکست دیدی اور اُنکے بیشمار بہادروں کو
خاک میں ملا دیا گو اسوقت محمد اعظم شاہ کے بازو بالکل ٹوٹ گئے تھے مگر وہ پھر بھی حملے کرنے سے باز نہ
نہ آتا تھا۔ ذوالفقار خان جو محمد اعظم شاہ کی فوج کا ایک بہت بڑا معزز اور بہادر جنرل تھا اور شاہی دربار میں
امتیازیہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب اُس نے دیکھا کہ ہمارے لشکر کے بیشمار بہادر کٹ چکے اور کثیر التعداد
دلاور زخموں سے چور چور کردئے گئے نیز محمد اعظم شاہ ایک ایسے سنگین اور زبردست محاصرہ میں
آچکا کہ اب اُسکا جانبر ہونا نہایت دشوار اور سخت مشکل ہی تو محمد اعظم شاہ کے پاس گیا اور شاہی آداب
ادا کر کے عرض کیا کہ حضور مصلحت وقت اسی امر کی متقاضی ہے کہ آپ اس جنگ سے دست بردار ہو
پیچھے ہٹ جائیے اور کسی امن میں پہنچکر اپنی طاقت درست کیجئے اور پھر اگر مناسب ہو تو اسکے تدارک
وتلافی میں کوشش کیجئے۔ سابق کے بادشاہوں نیز آپکے آباؤ اجداد کے سلسلہ پر جب نظر ڈالی جاتی
ہے تو ایسی مثالیں بہت سی اُن میں بھی پائی جاتی ہیں وہ تقاضائے وقت اور مصلحت کو ہاتھ
سے نہ دیتے تھے اور ایسے نازک موقع سے تنہا نکل آنا مناسب سمجھتے تھے۔

محمد اعظم شاہ ذوالفقار خاں کی یہ تقریر سنکر نہایت برافروختہ ہوا اور گو اُسکے غصہ کی آگ
پوری بھڑک چکی تھی مگر پھر بھی اُسنے ذوالفقار خان کے قدیم خدمت کی بہت رعایت کی اور اپنے
تئیں سنبھالکر کہا۔ بہادر ذوالفقار خاں! تم اپنی جان جہاں چاہو سلامت لیجاؤ لیکن میری حرکت اس
سرزمین سے دشوار ہے پہاڑوں کا اپنے مقام سے ٹل جانا آسان ہے مگر بہادر کا معرکہ جنگ سے قدم ہٹانا
آسان نہیں بادشاہوں کے لئے تخت ہوتا ہے یا تختہ۔

اسکے بعد ذوالفقار خاں اور حمید الدین خاں وغیرہ اعظم شاہ کی رفاقت چھوڑ کر گوالیار چلے گئے
اور اُنکے چلے جانے سے بہت سے شکستہ دل لوگوں نے راہ فرار اختیار کی اب اعظم شاہ کے رکاب
میں بجز دو تین سو سواروں کے اور کوئی نہیں دکھائی دیتا اور اس نازک و بیکسی کے وقت کوئی اسکا
یار و مددگار معلوم نہیں ہوتا انجام کار اعظم شاہ اپنے تئیں ہزارہا خونخوار سواروں کے نرغہ میں گرفتار
پاکر چلا اُٹھا کہ شاہ عالم مجھسے جنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ مجھ بدقسمت اور برگشتہ بخت سے خدا خود لڑ رہا ہے۔

اعظم شاہ ایک ہاتھی پر سوار تھا اور برابر ہی میں شہزادہ عالی تبار بیٹھا ہوا تھا جسے اعظم شاہ نے اسکی
صغر سنی کی وجہ سے اپنے ساتھ ہودہ میں بٹھا لیا تھا اور تیر و گولے کے صدمہ سے اُسکی محافظت میں
زیادہ کوشش کر رہا تھا یکایک اعظم شاہ کے فیلبان کے سر پر ایک گولہ ٹپکا اور اپنے ساتھ ہی زمین

میں اُسے بھی لیتا گیا ہر چند کہ ہاتھی بے شمار زخموں کی وجہ سے نہایت مضطرب اور بیقرار تھا نیز اعظم شاہ پے درپے جانستاں زخموں کے پہنچنے سے پہلے راہ فنا میں گامزن ہونے پر مجبور تھا لیکن اُس نے بلحاظ غیرت و شجاعت پھر بھی انتہا سے زائد خودداری برتی اور بڑی جوانمردی و مردانگی سے ہودہ کے اندر سے پاؤں نکالکر ہاتھی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

بدقسمتی سے اعظم شاہ کا ہاتھی زخموں سے اس درجہ چور ہو گیا تھا کہ اب اُس میں جنبش کرنے تک کی طاقت باقی نہ رہی تھی اِس شجاع بادشاہ نے چاہا کہ ہاتھی کو بٹھا کر اترپڑوں اور گھوڑے پر سوار ہو کر ایک دفعہ اور قسمت آزمائی کروں لیکن چونکہ اُسکی عمر کا آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا اور اُسکی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک چکا تھا لہذا وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور دفعتہً ایک زہر آلود تیر اُسکی پیشانی پر لگا تیر ایسا کاری تھا جس سے اعظم شاہ بیہوش ہو گیا اور پھر کبھی ہوش میں آنا اُسے نصیب نہ ہوا۔ رستم علی خاں فوراً اُس طرف گیا اور ہاتھی پر چڑھکر اُسکا سر تلوار سے کاٹ ڈالا۔ شاہ عالم بہادر کے لشکر میں فتح کا نعرہ بلند ہوا اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

بہادروں کے نعرۂ فتح اور نقاروں کی صدا سے سارا میدان گونج اُٹھا اور ہر طرف سے تہنیت و مبارکبادی کی آوازیں بلند ہوئیں فتحمند بہادروں کے دل جوش اثر سے معمور تھے شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خودبخود جستہ جستہ مصرعے اور موزوں فقرے زبان پر آتے جاتے تھے اِسی اثناء میں کسی نے محمد اعظم شاہ کی وفات کا تاریخی مادہ یوں نکالا وہ ہائے محمد اعظم،،

نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ نامرد رستم علی خان۔ محمد اعظم شاہ کا سر لیکر شاہ عالم کے پاس پہنچا یہ سر اُسکے دامن میں لپٹا ہوا تھا دامن میں سے سر نکالا اور اُسکے خون آلود رخسارہ کو وا نتو ل سے چبا کر شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں میں ڈالدیا۔ شاہ عالم کو بزدل رستم علی خاں کی یہ ناشائستہ اور ذلیل حرکت سخت ناپسند ہوئی اور اُس نے پہلے اُس ناپاک و سگ سیرت کی طرف بڑی تند اور پر قہر نظر سے دیکھا پھر بڑی رقت کے ساتھ اپنے بھائی کی اس زبون حالت پر خون کے آنسو رویا۔

شاہ عالم اُسی وقت ہاتھی سے اُترکر ایک مختصر خیمہ میں گیا اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرکے حکم صادر کیا کہ محمد اعظم شاہ کے فرزند عالی تبار اور بیدار بخت کے فرزند بیدار دل کو حاضر کرو بموجب حکم کے یہ لوگ خیمہ میں حاضر کئے گئے شاہ عالم نے کمال لطف و محبت سے اُنہیں گود میں بٹھایا اور مہربان باپ کی طرح اُنکی پرورش و تربیت کا حکم دیا ازاں بعد محمد اعظم کی محلسرا کی تمام مستورات کی تسلی کی اور رسم تعزیت ادا کرنیکے لئے خود اُنکی فرودگاہ میں گیا۔

غرضکہ یہ ایک مشہور واقعہ ہے جو تاریخی سنتر میں پُرشوق نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور جسنے بے اختیارانہ تعریفی الفاظ اُس الحبیب کی شجاعت و مردانگی اور ہمت و استقلال کیلئے مورخین سے تحسین کرالئے ہیں۔

ادہم بائی یا قدسیہ بیگم

یہ زہرہ جبین خاتون ابو الفتح محمد شاہ خلف جہاں شاہ ابن بہادر شاہ کی بیگم تھی دراصل یہ بیگم بڑی بیدار مغز و ہوشیار تھی اور اپنی عاقلانہ رائے سے ہر بات میں وہ نتائج پیدا کرتی تھی جنہیں سنکر عقلمند دنگ رہ جاتا تھا مگر افسوس کہ محمد شاہ کی متلون المزاجی غیر استقلالی اور عیش پسندی نے اُسے بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا اور اب اسکی نوبت یہاں تک پہونچی کہ رات دن شراب میں مخمور و نفرت انگیز عیش وعشرت میں ہمیشہ مبتلا رہتی اس کا سارا چونچال پنا اور تیزی طبع جو دستہ ذہن کمبخت شراب کی بدولت غارت ہوگیا اور بجائے اُن اخلاقی خیالات اور مہذب عادات کے جو پیشتر اسمیں پائے جاتے تھے اب نہایت مبتذل و ناموزوں اور حقیر باتیں پیدا ہونے لگیں جو مہذب تعداد لوگوں کے نزدیک نہ صرف مذموم و مکروہ تھیں بلکہ نہایت وحشت انگیز تھیں یہ نتیجہ اس بری صحبت کا تھا جو ہمیشہ اسکے گلے کا ہار رہتی تھی۔

محمد شاہ نہ صرف کاہل اور عیش پسند ہی تھا بلکہ حکومت کے قواعد و ضوابط سلطنت سے محض ناواقف تھا سلطنت کے انتظام میں کبھی اُس نے غور نہیں کیا اور اسکے نشیب و فراز کو کسی وقت آنکھ کھولکر نہ دیکھا یہی غفلت و بیخبری اور کاہلی و عیش پسندی تھی جسکی وجہ سے مورخین نے اسکی سخت ہجو کی ہے اور درحقیقت وہ اسکا مستحق ہے اسکی اس غفلت و بے پروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت مغلیہ پر ایک عام زوال کی گھٹا چھا گئی اور سارے ملک میں عموماً غدر مچ گیا صوبوں کے حکمران خودسر ہوگئے اور ہر ایک نے بغاوت کی جہاں سوز آگ بھڑکا دی مرہٹوں نے یہاں تک زور باندھا کہ دلی تک کو لوٹ لیا اور یہ بربادی و غارتگری ایسی سخت اور شدید ہوئی کہ پھر دلی والوں کو کبھی پنپنا نصیب ہی نہیں ہوا اسی اثنا میں نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا جو ایشیائی دنیا میں نہایت خونخوار اور سفاک بادشاہ گذرا ہے اسکی بے رحمی کے تمام دنیا میں ڈنکے بجگئے تھے اور اسکے زمانہ کے بادشاہ اسکی بیرحمی اور سفاکی سے تھراتے تھے محمد شاہ کو اس حملہ آور بادشاہ کی اُسوقت خبر ہوئی جب وہ پانی پت پر ایک عظیم الشان لشکر سے آدھمکا اس مقام پر ایک نہایت ہی خونخوار اور پُرخطر جنگ ہوئی جس میں محمد شاہ کو کھلی شکست نصیب ہوئی۔

نادر شاہ یہاں سے برابر قتل و غارت کرتا ہوا سیدھا دلی پہنچا اور ایک قتل عام کا حکم دیدیا کیونکہ نادر شاہ کی آتش مزاجی و خونخواری اور اسکے لشکر کی خودسری و بے اعتدالی بھی اُسے ایک

عدت پر قائم نہ رکھتی تھی اس کی طبیعت بالکل بہانہ جو واقع ہوئی تھی یہاں محمد شاہ کی طرف سے کوئی غلط تعبیر شاہ آگ بگولا ہو گیا اور یہ خفیف عذر اسکی مطلب براری کیلئے کافی تھا پھر کیا تھا بے گناہ دلی والوں کے سر کٹنے لگے اور ہر گلی کوچے میں نادریوں کی خونریز تلوار نے قیامت برپا کر دی خدا کی بے گناہ مخلوق ایک ایسی کثیر تعداد میں قتل کی گئی کہ شاہراہوں کے رستے رک گئے۔

اس عظیم الشان قتل و غارتگری کے بعد نادر شاہ نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا اور شاہی زر و روپیہ و مال و اسباب ہندوستان سے لوٹ کھسوٹ کر ساتھ لیگیا یہ کثیر المقدار روپیہ اندازہ تخمینہ ان ہندوستانیوں کو صرف محمد شاہ کی عیش پسندی اور قابل تنفر زندگی کی بدولت اٹھانا پڑا اور بادشاہ کی اس عیاشی کا ملک و قوم پر یہ اثر پڑا کہ سب لوگ کاہل اور عیاش ہو گئے بالخصوص قدسیہ بیگم کی موجودہ حالت نہایت خراب اور انتہا درجہ کی ذلیل ہو گئی

نواب قدسیہ بیگم کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور وہ اکثر اوقات اردو زبان میں طبع آزمائی کیا کرتی تھی اس نے اپنا تخلص عنائی رکھا تھا اسکا یہ شعر مشہور اور زبان زد خاص و عام ہے

ہم جانتے تھے آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا
کمبخت کیسی آنکھ لگی اور دکھ ہوا

اس بیگم نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ۱۱۶۱ھ ہجری احمد شاہ کے عہد میں ایک نہایت موزوں اور مستطیل باغ بنوایا جسکا نام اپنے نام پر قدسیہ باغ رکھا اس خوشنما اور عالیشان باغ میں ایک نہایت خوبصورت اور ایک شاندار مسجد بھی تعمیر کی گئی جو اسوقت موجود ہے اور اپنے بانی کی شان و حشمت کی عمدہ طور پر یاد دے رہی ہے۔

قدسیہ باغ دہلی کے مشہور و معروف کشمیری دروازہ کے باہر دائیں جانب بڑے صاحب کی کوٹھی سے ذرا اسطرف واقع ہے یہ عالیشان اور پرشوکت باغ کسی زمانہ میں اپنی خوبی عمارت اور عظمت شان کے لحاظ سے ہندوستانی دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ قدیم زمانہ میں جو اسکی صورت بیان کی گئی ہے افسوس اب باقی نہیں ہے احاطہ کی چار دیواری جو نہایت مستحکم اور خوبصورت بنی ہوئی تھی وہ اب بالکل شکستہ اور تباہ ہو گئی ہے۔ ہر چند کہ اسکی آراستگی اور خوشنمائی کی طرف کسی کو ذرا بھی توجہ نہیں ہند و تنوع مذاق کے لحاظ سے کوئی دلچسپ و نشاط انگیز باتیں یہاں موجود نہیں ہیں مگر تاہم اسکی بے انتہا وسعت اور فرحت انگیز عمارت دفعۃً انسان کو متحیر بلکہ مرعوب و حیرت زدہ کر دیتی ہے۔ سایہ دار درختوں کی دو رویہ قطاریں دور تک چلی گئی ہیں اور جہاں تک نظر کام کرتی ہے سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔

حقیقت میں یہ باغ عجیب و غریب و فرحت افزا ہے اور باوجود باغ کے مالیوں کی بے توجہی کے

اور کم اتفاقی کے بھی ایسا تر و تازہ اور سرسبز و شاداب اور پُر فضا ہے جس کی تعریف و توصیف سے قلم عاجز ہے بیچ میں ایک نہر ہے جو ہر وقت صاف اور بہتے ہوئے پانی سے بھری رہتی ہے اس باغ کے اندر ایک نہایت خوشنما بارہ دری ہے اور جس میں بڑے وسیع شہ نشین ہیں مگر افسوس کہ اب یہ بارہ دری بالکل بگڑ گئی ہے بیرونی دکھاوے بیشمار برساتوں کے گذر جانے کے باعث تمام استرکاری پر سیاہی دوڑ گئی ہے اور اینٹوں پتھروں پر اکثر جگہ سبز سیاہی مائل کائی جمی ہوئی ہے اندرونی حالت اسکی یہ صورت ہے کہ پتھر اور استرکاری اینٹوں نے چھوڑ دی ہے اور اب صرف گرنے ہی کی کسر باقی رہ گئی ہے مگر افسوس کہ اس کی خوشنمائی اور رونق کو تو گردش زمانہ نے لے لیا اور بخت سیاہ نے اسے بھی اپنے رنگ سے رنگ دیا۔

اسی باغ میں ایک نہایت خوش وضع اور شاندار مسجد بھی ہے جو سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے تمام زمین میں پختہ فرش ہے۔ اس مسجد کی عمارت پر اجمالی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تعمیر میں ایک کافی مقدار رقم صرف ہوئی ہوگی لیکن افسوس کہ اب وہ بالکل ویران پڑی ہے صحن میں کوڑے کا ڈھیر لگا رہتا ہے غرضکہ وحشت اور ویرانی کی پوری تصویر ہے۔

اکبر آبادی یا اعز از النساء بیگم

یہ شاہجہاں کی دوسری بیگم تھی اور غیرت میں اور دیگر صورت میں بے نظیر اور نازو انداز حسن و دانش غرضکہ کسی بات میں ممتاز محل سے کم نہ تھی گو ممتاز محل اپنی بعض صفتوں کی وجہ سے جو اس کے ساتھ قدرتاً مخصوص تھیں ایک نہایت ہی عظمت خیز وقار و منزلت رکھتی تھی لیکن اعزاز النساء بیگم نے اپنے متواضعانہ اخلاق اپنی دلاویز انکساری اور غمگساری سے شاہی حرم سرا کی تمام مستورات میں ہر دلعزیزی پیدا کر لی تھی۔ اسکی تمدنی اور تعلیمی ترقیوں نے نہ صرف شاہجہاں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا بلکہ محل کی تمام بیگمات بالخصوص ممتاز محل کی نامور اولاد کو بھی مطیع کر لیا تھا اسنے اپنے اخلاق اور نیک عادات سے اپنے بہت سے دوست بنا لئے تھے اور اپنی عالمگیر فیاضی اور تہذیب اور رحمدلی سے تمام محل پر اپنا اثر قائم کر لیا تھا چونکہ اس جمیل اور عاقل بیگم کی طبیعت میں آزادی اور خودسری کا بہت بڑا عنصر تھا لہذا اُسے رفعت خیال قوت بیان۔ زور کلام جوش تاثیر کا بہت بڑا حصہ حاصل تھا۔ لیکن یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ ایک نہایت دردناک اور جگرخراش صدمہ نے اس کی آزادی اور خودسری کو بالکل پامال کر دیا جس وجہ سے اب اُسکی زبان میں وہ تاثیر رہی نہ وہ جوش رہی اسکا ایک اکلوتا ہونہار لڑکا

تین برس کا ہو کر مر گیا جسکے صدمے نے اس غریب کو سخت صدمہ پہنچایا۔

اکبر آبادی کے حالات زندگی میں جو سب سے بڑھ کر قدر کے قابل بات ہے وہ یہ ہے کہ اسکی فطرت رشک اور حسد سے بالکل بے لوث اور پاک تھی رشک اور کینہ جو عموماً ایشیائی مستورات میں زیادہ تر پایا جاتا ہے بالخصوص ان مستورات میں جنکے خاوند کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں اکبر آبادی بیگم میں نام کو نہ تھا۔ ممکن تھا کہ اکبر آبادی بیگم ان عورتوں کی طرح جنہیں حسد اور کینہ کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور جو اپنے سے زیادہ دوسروں کو مقصد کو دیکھکر انگاروں پر لوٹنے لگتی ہے۔ ممتاز محل کے وسیع دولتمندی درجہ حیرت انگیز عروج کو حسد و رشک کی نگاہ سے دیکھتی لیکن اس خوش خاتون کے دل میں کبھی ایسی بات کا خیال نہیں گذرا بلکہ ہمیشہ اس سے باخلاص محبت پیش آئی۔

اکبر آبادی بیگم ممتاز محل کے ساتھ ہمیشہ اخلاص سے رہا کرتی تھی اور جب کبھی کسی کے اشتعال طبع سے شاہجہاں اور ممتاز محل میں شکر رنجی ہو جایا کرتی تو اکبر آبادی اپنی عاقلانہ تدبیر سے دونوں میں صفائی کرا دیا کرتی۔ اسی وجہ سے ان دونوں ممتاز خاتونوں میں ایک ایسا ربط و ضبط ہو گیا تھا کہ ایک کو دوسرے کے بغیر چین نہ پڑتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ممتاز محل کے انتقال کے بعد آپکی تمام اولادیں اکبر آبادی کا ویسا ہی احترام و عظمت کرتی تھیں جیسے اپنی ماں کا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ہمیں یہ تسلیم کرنا ضرور پڑتا ہے کہ شاہی محل میں جو عظمت و وقار اور فیاضی کا برتاؤ ممتاز محل کے ساتھ برتا جاتا تھا وہ اکبر آبادی کے ساتھ نہ برتا جاتا تھا اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اکبر آبادی کے بطن سے اولاد نہیں ہوئی اور ہوئی تو زندہ نہیں رہی لیکن پھر بھی شاہجہاں اس سے بہت محبت کرتا تھا اور اسکی خاطرداری میں کوئی بات اٹھا نہ رکھتا تھا۔

ممتاز محل کے انتقال کے بعد اکبر آبادی کا اقتدار اور اثر شاہجہاں پر ایسا ہی ہوا جیسا کہ کسی زمانہ میں ممتاز محل کا تھا بلکہ اس سے بھی کسی قدر زیادہ حالانکہ شاہجہاں کی سخت مزاجی سے یہ ایک تعجب کی بات معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اکبر آبادی کے اخلاق و عادات ایسے شائستہ اچھے تھے کہ جس قدر انکا اثر شاہجہاں پر ہوتا تھوڑا تھا۔

اکبر آبادی بیگم کے عروج و اقبال کا ستارہ اسی وقت تک ترقی پذیر رہا جبتک شاہجہاں کی زندگی کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا مگر جب شاہجہاں راہ فنا کا راستہ طے کرنے پر مجبور ہوا تو اکبر آبادی کا سارا اقبال خاک میں ملگیا۔

اکبر آبادی بیگم اگرچہ شاہجہاں کے انتقال کے بعد قریباً بارہ سال تک زندہ رہی اور سلطنت

کی طرف سے اُسکی رعایت اور دلجوئی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا لیکن اس سیر چشم خاتون نے اسکی کوئی پروا نہ کی اور گوشہ عافیت میں بیٹھکر اپنی باقی زندگی خدا کی یاد میں بسر کردی اور چوتھی ذیحجہ سنہ ۱۰۸۸ھ کو رہگرائے عالم بقا ہوئی۔

اس بیگم نے اپنی یادگار قائم رکھنے کی غرض سے تاج ہی متصل فیض بازار میں ایک نہایت خوبصورت اور عالیشان مسجد تعمیر کرائی جو اکبری مسجد کے نام سے مشہور ہوئی ہے اس میں ایک مسافرخانہ اور طالب العلموں کے رہنے کے مکانات ہیں گو یہ مسجد اور اُس کے مکانات اب غیر آباد ہیں لیکن پھر بھی اکبر آبادی بیگم کی حشمت و شوکت در و دیوار سے برس رہی ہے۔

اکبری مسجد صرف اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس سے اُسکے بانی کی شان و شوکت اور خلوص نیت کا کافی طور پر پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے اُسے بڑے ہی شوق سے تعمیر کرایا تھا گو یہ مسجد نہایت عمدہ اور خوبصورت بنی تھی لیکن اب اسکی موجودہ اور ویران حالت دیکھکر اس ملکہ کے شوق پر نہایت افسوس ہوتا ہے جس نے اس عالیشان عمارت کی بنیاد ڈالی تھی غرضکہ یہ عمارت اکبر آبادی بیگم کے حوصلہ مندی کے شوق کا نتیجہ ہے جو شاہجہاں کے سامنے ہی بڑی لاگت سے تیار ہوئی تھی۔

اورنگ آبادی محل

یہ عصمت پناہ اور پاکدامن خاتون اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی چوتھی بیگم ہے جو ظاہری حسن و خوبی کے علاوہ باطنی حسن و جمال سے بھی آراستہ تھی اسکی حوصلہ مندی اور بیدار مغزی پر عالمگیر فدا تھا اور تمام بیگمات سے زیادہ محبت رکھتا تھا۔ عالمگیر کو جب کبھی کسی معرکہ میں جانے کا اتفاق پڑتا اس ممتاز شہنشاہ بیگم کو اپنے ساتھ لیجاتا اس نامور خاتون کی زندگی میں شاید ہی کوئی ایسا موقع گذرا ہوگا جسمیں عالمگیر نے اسکی مفارقت گوارا کی ہو۔

عالمگیر کی تاریخی زندگی پر نظر ڈالنے سے تحقیق کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور مشرقی بادشاہ کی طرح عورتوں کی زیادہ صحبت پسند نہ کرتا تھا نہ اسکی زیادہ بیبیاں تھیں کبھی اس نے اپنی راحت و عیش کیلئے زیادہ روپیہ صرف نہیں کیا بلکہ جس قدر فتوحات سے اُسے روپیہ حاصل ہوتا تھا وہ یا تو فوج کی آراستگی میں صرف ہوتا تھا یا مساجد وغیرہ کی تعمیر میں۔ اسمیں ایک بہت بڑی قابل تعریف بات جس نے اسکی تاریخی صفحوں کو روشن بنادیا ہے یہ تھی کہ جیسے اسکے یہاں علما کا مجمع لگا رہتا تھا ایشیائی بادشاہوں میں کسی فرمانروائے سلطنت کو بہت کم نصیب ہوا ہے علما کی تعظیم و تکریم

اعلیٰ درجہ پر کیا کرتا تھا اور متحمل اس درجہ کا تھا کہ لوگوں کی بار بار کی گستاخی اور بے ادبی پر تحمل کر جاتا تھا۔

عالمگیر کے حالات زندگی کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امیرانہ عیش اور عورتوں کی زیادہ صحبت سے بالطبع متنفر تھا لیکن جب اورنگ آبادی بیگم کی سوانح عمری پر خیال دوڑایا جاتا ہے تو تعجب آتا ہے کہ اسکے پاس وہ کیا دلکش سامان تھے جنہوں نے ایسے متین اور دنیا سے متنفر بادشاہ کو اسکی طرف مائل کر دیا تھا۔ عالمگیر ایک دن میں جب تک کئی کئی مرتبہ اسے نہ دیکھ لیتا اُسے چین ہی نہیں پڑتا تھا اور اس کی تھوڑی دیر کی جدائی بھی اُسے نہایت شاق اور ناگوار گذرتی تھی۔

اورنگ آبادی کے بطن سے صرف ایک لڑکی مہر النساء بیگم پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر عالمگیر کی چاروں لڑکیوں سے زیادہ ہوشمند اور عالی دماغ ہوئی یہ مشہور شہزادی تین صفر ۱۰۷۲ھ کو پیدا ہوئی اور جوان ہو کر ایزد بخش فرزند مراد بخش سے بیاہی گئی اسکے بطن سے تین بچے بھی پیدا ہوئے مگر افسوس کہ تینوں شیر خوارگی کی حالت میں مر گئے۔

نواب مہر النساء بیگم بڑی عاقلہ خاتون تھی اور چونکہ صاحب طریقت تھی اسلئے زیب النساء بیگم سے ہمیشہ اسکی نوک جھوک ہوا کرتی تھی اور اکثر اوقات کسی نہ کسی مسئلہ میں خوب زور شور سے بحث ہوا کرتی تھی اور جب ان دونوں کی بحث میں زیادہ طول ہو جاتا تھا تو خود عالمگیر ان میں نہایت منصفانہ فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔ اسے تقریر کرنے کا بھی بڑا شوق تھا مستورات کے بڑے بڑے جلسوں میں ایسے پر زور لکچر دیتی کہ سننے والے دنگ ہو جاتے اور اسکی عالمگیری فصاحت پر تمام لوگ تعجب کرتے اسکی قادر الکلامی کی شہرت تمام محلوں بلکہ تمام شہر میں تھی

مہر النساء کے نصیحتانہ لکچروں نے محل میں اتنا اثر ڈالا کہ اکثر مستورات کے خیال میں ایک قسم کی ضروری تبدیلی واقع ہو گئی اور جن مسلمان مستورات میں بہت سی ہندوانی رسمیں رواج پکڑ گئی تھیں یا اُن کی طرز معاشرت میں شریعت کے برخلاف باتیں پائی جاتی تھیں یکلخت اٹھ گئیں جب کبھی مستورات میں باہمی تنازعہ ہوتا تو مہر النساء ہی اُس میں فیصلہ دینے کے لیئے منتخب کیجاتی۔

الغرض یہ ہوشیار خاتون چالیس برس کی عمر کو پہنچکر ۱۱۱۶ھ ہجری میں انتقال کر گئی۔ درحقیقت اگر اورنگ آبادی بیگم کی زندگی میں اس روشن دماغ اور عالی ہمت بیگم کا انتقال ہوتا تو اس کا جانگداز صدمہ اُسے جیتے جی دنیا سے محض بے علاقہ کر دیتا۔ اورنگ آبادی کی بہت بڑی یادگار ایک نہایت خوشنما اور عالیشان مسجد ہے جو دہلی کے ایک مشہور مقام پنجابی کے کٹرہ میں واقع ہے یہ کٹرہ اصل میں سوداگروں کا مسکن تھا جسمیں مختلف شہروں کے سوداگر اور تجارت پیشہ

آکر ٹھہرا کرتے تھے اسکی آبادی اور لباست میں زیادہ تر ان ہی لوگوں کی گنتی کی جاتی تھی اسی
وجہ سے یہ مقام پنجابی کے کٹرہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اس کٹرہ میں ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے جسکے در و دیوار سے اورنگ آبادی کی شان
و شوکت آشکار ا ہی یہ مسجد سرتاپا سنگ سرخ سے بنی ہی نازک خیال معماروں نے اسمیں اپنی کاریگری کے
جوہر دکھائے ہیں جنکے دیکھنے سے خدا کی شان یاد آتی ہی ابتدا میں اسکا صحن نہایت فراخ تھا
اور عام منظروں میں نہایت ہی بارونق تھا گو اب اس میں وہ خوبی اور خوشنمائی باقی نہیں رہی
کیونکہ لوگوں نے اسکی بہت سی زمین اپنے مکانوں میں شامل کر لی ہی۔

یہ اورنگ آبادی ہی کی نیک نیتی کا نتیجہ ہے کہ اس مسجد میں معمول سے زیادہ مسلمان لوگ
اپنا منصبی فرض بڑی آزادی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اوقات نماز میں نہایت کثرت سے آدمی
شامل رہتے ہیں اس مسجد میں ایک عرصہ دراز تک مولوی عبد الخالق اور مولوی نذیر حسین صاحب نے
ہزارہا طالبعلموں کو حدیث کا درس دیا ہی۔ یہ سب باتیں اس قسم کی تھیں جن سے اورنگ آبادی کی
روح ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہوگی شہروں اور عمارتوں کے حالات میں اس مسجد کا بہت ذکر ہو۔

آئی بیگم

یہ شریف اور امیرزادی بیگم نجابت خاں ابن سربلند خاں کی عزیز اور پیاری بہن
ہی نجابت خاں عالمگیری فوج کا ایک نہایت معزز اور ممتاز جنرل تھا جس نے
بہت سی خونخوار جنگوں اور خطرناک معرکوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اسی وجہ سے عالمگیر
اسکا فریفتہ تھا۔ عالمگیر نجابت خاں کو اسکی ذاتی شرافت اور شجاعت کی وجہ سے بہت چاہتا اور
اس کی پاک دامن بہن کو اپنی پیاری شہزادیوں سے کسی طرح کم نہ سمجھتا تھا خاص شاہی محل میں
اگر کسی معمولی تقریب پر بھی کوئی خوشی منائی جاتی تھی تو آئی بیگم کو اس میں بڑی خوشی سے
شریک کیا جاتا تھا محل سرا کی تمام مستورات اس سے بہ محبت پیش آتیں اور عالمگیر کی لڑکیاں
انتہا سے زیادہ اسکی عظمت و توقیر کرتیں۔

مجھے اس مقام پر افسوس سے کہنا پڑتا ہی کہ اس بیگم کے مفصل حالات نہیں ملے اور جو تاریخیں
اسوقت میرے سامنے رکھی ہیں انکے صفحات اسکے حالات زندگی سے خالی ہیں البتہ اسقدر پتہ ضرور
چلتا ہی کہ اس بیگم کا انتقال ۱۰۸۸ھ میں ہوا۔ عالمگیر کو اسکے انتقال کی خبر سنکر ویسا ہی افسوس اور
صدمہ ہوا جیسا کہ اپنے کسی عزیز کا ہوتا ہی۔ نامدار خاں کو شاہی دربار سے حکم دیا گیا کہ نجابت خاں
کو بلایا جائے یہ اسوقت ایک مہم کے سر کرنیکے لیئے دکن گیا ہوا تھا بہن کے انتقال پر بادشاہ

کی علالت کی اطلاع پاکر بہت تھوڑے عرصہ میں آحاضر ہوا۔ عالمگیر نے نہایت خوش آئیندہ الفاظ
میں اسکی تسلی کی اور بیش قیمت خلعت دیکر ماتمی لباس اتروا دیا۔
یہ افسوس کی بات ہے کہ نجابت خاں اپنی عزیز بہن کے انتقال کے وقت اسکے پاس موجود
نہ تھا اور اس ناموجودگی اور آخری وقت میں اُس سے نہ ملنے کا افسوس اُسے ہمیشہ رہا۔

بخت النساء بیگم یہ شریف اور پاکدامن خاتون ہمایوں بادشاہ کی چاہیتی لڑکی اور اکبر شاہ کی بہن ہے جو علاوہ حسن و جمال کے عقل و دانائی کے لیئے نہ صرف
ہندوستان قریباً تمام ایشیائی دنیا بالخصوص مشرقی حصوں میں زیادہ ممتاز و مشہور ہے یہ بیگم
جو حوصلہ مند بلند نظر جوش ہمت۔ غرضکہ تمام شریفانہ اوصاف اور ہمدردانہ اطوار میں اپنا جواب رکھتی
تھی اسکی طرز معاشرت اور خانہ داری کی انتظامی کیفیت بیان سے باہر ہے اسکی مہمان پرستی اور
خوش اخلاقی کی نظیر ایشیائی بیگمات میں کہیں نہیں پائی جاتی۔
بخت النساء بیگم کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ تھے غرور و نخوت اور کم بینی نام کو نہ تھی
بیگم کی فیاضی طبع کی شہرت دور دور تھی اور یہی زیادہ قوی اسباب تھے جنہوں نے ہمایوں بادشاہ
کو اسکا دلدادہ و شیدا بنا دیا تھا۔ ہمایوں کو جس قدر الفت و محبت اپنی اس فیاض بیٹی سے تھی دوسرے
سے نہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر وقت اسکی دلجوئی میں رہتا تھا اور کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتا
تھا جو اسکی نازک اور سنجیدہ طبیعت کے برخلاف ہو یا اُسکے اشتعال طبع کا باعث ہو۔
اس جمیلہ خاتون کی معاشرت اور طرز زندگی میں جو سب سے زیادہ پسندیدہ اور قابل تعریف بات
ہے وہ اس کی سادگی ہے اُسمیں فضول شان و شوکت اور بےنتیجہ تزک و احتشام کا نام نہ تھا جب
کبھی تفریح طبع کے لیئے جاتی تو نہایت سادہ لباس میں بلکہ خاص اُسکے محل اور معاشرت کی تمام
چیزوں میں پائی جاتی تھی گویا اسکی فطرت سادگی ہی کو پسند کرتی تھی۔
باوجودیکہ بخت النساء بیگم نے ایک عظیم الشان سلطنت کے سایہ میں پرورش پائی تھی
اور پھر بھی اپنا سادگی پن نہ چھوڑا۔ بخت النساء بیگم عام سیر گاہوں اور باغات کے دلچسپ اور نشاط انگیز
منظروں میں بآزادی پھرا کرتی تھی نیز دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کرتی تھی
باوجود اس آزادی کے حفظ و احتیاط کے دائرہ سے کبھی سر مو متجاوز نہیں ہوئی جب متانت و
احترام سے یہ پاکدامن خاتون مردانہ جلسوں میں شریک ہوتی لوگوں کو استعجاب و حیرت ہوتی
ہمایوں اور اکبر اکثر اوقات بڑی بڑی مہموں اور مشکلوں میں اس سے مشورہ لیا کرتے اور جو کچھ

پورا نہ دیتی اُسی کے مطابق عمل میں لاتے مجھے یہاں ایک تمثیلی واقعہ لکھنے کی ضرورت ہے جس سے
بختُ النساء بیگم کی تجربہ کاری اور اصابتِ رائے کا بڑی خوبی سے اندازہ کیا جاتا ہے۔ اور ہمایوں اور
اکبر کس وجہ سے اسکی قدر و منزلت کیا کرتے تھے سنہ ۱۰۰۸ھ میں جب اکبری جھنڈے دکن کی تسخیر کیلئے
اُٹھے تو اکبر نے شہزادہ محمد سلیم یا جہانگیر کو شاہنشاہی کا خطاب عنایت کرکے ولیعہدی تفویض
کی اور رانائے چتوڑ کے قلع و قمع کی مہم شاہزادہ کے نامزد کی۔ جہانگیر ایک نہایت جرار فوج اور شجاع
افسروں کو ساتھ لیکر عازم مہم ہوا جب اجمیر کے قریب پہنچا تو وہاں کے سرسبز و شاداب مرغزار اور پُر لطف
و دلچسپ مقامات نے اُسے بے اختیار اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جہانگیر نے ان عجیب خوشنما منظروں کو جو
انسانی زندگی کی دلچسپی کے لئے ازبس ضروری تھے اُنکا بہت اچھا اثر پڑتا تھا الغرض طبع کے لئے
بہت پسند کیا اور ان پُر فضا مقامات سے جہاں ہر وقت لطیف ہوا کے جھونکے صحت بدنی کو بہت
کچھ فائدہ پہنچاتے تھے اُسکا دل بہت بہلا لہذا وہ خود تو ان دلفریب مقامات کی سیر و شکار
میں مصروف ہوا اور جرار فوج کو بدقسمت رانا کی تقدیر کا آخری فیصلہ کر دینے کیلئے چتوڑ روانہ کیا۔
اسی اثناء میں اکبر نے ایک بڑی خونخوار فوج سے دکن پر چڑھائی کی۔ جہانگیر کے بعض خود غرض
اور فساد انگیز مصاحبوں نے اُسے صلاح دی کہ بادشاہ کا مہم دکن میں مشغول ہونا اور اسقدر دور
و دراز مسافت کا طے کرنا حضور کیلئے گویا ایک نہایت مبارک اور نیک فال ہے یہ وقت آپکے لئے
مغتنمات سے ہے راجہ مان سنگھ کو بنگالہ کی طرف روانہ کیجئے اور خود آگرہ پہنچکر وہاں کے پرگنوں
اور جاگیروں کو اپنے تصرف میں لاکر ایک عظیم الشان خزانہ فراہم کیجئے۔

جہانگیر نے ایام شباب کے تقاضے اور اصحاب کی خام مصلحت کی وجہ سے راجہ مان سنگھ کو بنگالہ
رخصت کیا اور چتوڑ کی مہم بالکل غیر مکمل اور ناتمام چھوڑ کر آگرہ کی طرف روانہ ہوا راستہ میں جو پرگنے
پڑتے گئے سب کو اپنے قبض و تصرف میں لاتا گیا اور ایک نہایت شاہانہ حرکت کے ساتھ
آگرہ کے قلعہ پر پہنچا۔ قلیچ خاں جو ان دنوں قلعداری کے عہدے سے ممتاز تھا اور ایک نہایت
مدبر اور مدبر فوجی افسر کہلایا جاتا تھا قلعہ سے نکلا اور چند بیش قیمت تحفے و نقدی نذرانے پیشکش
کرکے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ جہانگیر اسکے وفادارانہ جوش اور جاں نثارانہ کوشش سے
بیحد خوش ہوا اور اپنی طرف سے قلعداری کا منصب عطا کرکے رخصت کیا اور ساتھ ہی حکم
دیدیا کہ ہر طرف سے قلعہ کے بندوبست اور انتظام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے۔
اکبر کی والدہ جو جہانگیر پر جان چھڑکتی تھی اور اکبر سے زیادہ اُس سے محبت و الفت رکھتی تھی

جہانگیر کی اس خود غرضانہ کاروائی اور اسکی مغرور اور ذلیل ندیموں کی بغاوت انگیز اغوا کی خبر سنکر شہزادہ کو پند و نصیحت کرنے اور اسکے اس نفرتناک انقلاب کو اپنے حال پر عود کرانیکی غرض سے قلعہ سے برآمد ہوئی۔ جہانگیر جب اس سے مطلع ہوا تو بلحاظ ادب و خجالت اپنے خاص خاص ندیموں کو ساتھ لیکر کشتی پر سوار ہوا۔ لشکر کو تو خشکی کے راستہ سے روانہ کیا اور خود تری کی راہ سے الہ آباد کی طرف متوجہ ہوا اکبر کی ماں نہایت افسوس کے ساتھ قلعہ میں واپس آئی اور اُسے جہانگیر کی اس بے عنوانی پر رنج اور سخت افسوس ہوا۔

جہانگیر کی اس خودسری اور اُسکے ناحق شناس ندیموں کی تمردی بغاوت کا چرچا چند روز میں عالم ہوگیا اور رشدہ شدہ یہانتک نوبت پہنچی کہ یہ آواز اکبر کے کان میں بھی پڑگئی ہر چند کہ ایک پدر عیب حکمیات اس قسم کی بے عنوانیوں کا ہرگز تحمل نہیں کرسکتی تھی لیکن اکبر دوراندیش عقل کی رہنمائی سے اپنی حوصلہ مندی کو استعمال میں لایا اور نہایت آسانی کیساتھ اس رنج اور غصہ کو پی گیا ممکن تھا کہ وہ اس وحشت اثر خبر سے آپے سے باہر ہو جاتا اور جہانگیر کو نہیں تو اُسکے ندیموں کو دغابازی اور مفسدہ انگیزی کی سزا ضرور دیتا مگر اُس نے اس موقع پر نہایت ضبط سے کام لیا فوراً ایک عنایت آمیز خط اپنے ہاتھ سے لکھا اور خواجہ عبدالصمد شیرین قلم کے فرزند محمد شریف کے ہاتھ روانہ کیا۔

محمد شریف شہزادہ جہانگیر کا ہم سبق تھا اور ایک عرصہ تک اسکے ساتھ کھیلے ہوئے تھا جہانگیر کے پاس پہنچا تو جہانگیر نے اُسکا استقبال کیا اور بڑی گرمجوشی سے ملکر نہایت احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ محمد شریف نے مزاج پرسی کے بعد اکبر کا خط دیا۔ جہانگیر نے اول سے آخر تک بڑے غور کے ساتھ خط کا مضمون پڑھا اور اس بارہ میں اپنے ندیموں اور مصاحبوں سے مشورہ لیا سبکی یہ رائے قرار پائی کہ شہزادہ کا باپ کی قدمبوسی میں حاضر ہونا بہرصورت خالی از تردد نہیں لہذا جہانگیر نے اپنا منشاء اور ارادہ محمد شریف پر صاف طور سے ظاہر کردیا اور خود اسے بھی اکبر کے پاس واپس جانے سے باز رکھکر اپنا وکیل السلطنت مقرر کردیا۔

یہ خبر پہنچتے ہی اکبر کی طبیعت دکن کی مہم سر کرنے سے بالکل اُچاٹ ہوگئی بیشک اگر اکبر چند روز دکن میں اور قیام کرتا تو اکثر نظام الملکی اور عادل شاہی قلعوں اور شہروں کو ضرور فتح کرلیتا لیکن اس خبر نے اسکا دل اس قدر اچاٹ کردیا کہ اب وہاں ایک دن بھی ٹھہرنا دوبھر پڑگیا۔ آخرکار اُسنے خانخاناں اور شیخ ابوالفضل کو برہانپور میں چھوڑکر آگرہ کا قصد کیا اور نہایت عجلت کے ساتھ یہاں آپہنچا۔ جوں ہی جہانگیر کو اسکی اطلاع ہوئی دونوں ہی فوج کے فراہم کرنے اور لشکر کو مرتب کرنے

میں زیادہ مصروف ہوا اور چالیس ہزار مسلح سوار اور آلات حرب کے ساتھ آگرہ کی طرف روانہ ہوا راستہ میں اکبر کے بہت سے جاگیرداروں کو لوٹ کھسوٹ لیا اور جو مقابل ہوا اُس کا سر خونخوار تلوار سے کاٹ ڈالا گیا صوبہ بہار میں اکبر کے جس قدر جاگیردار تھے سب کی طرف سے اکبری دربار میں استغاثے دائر تھے اور ہوتے جاتے تھے اور جہانگیر کی خودسری کی روزانہ خبریں بادشاہ کے گوش گزار کی جاتی تھیں لیکن اکبر جسکی فطرت میں متانت کوٹ کوٹ کر بھر دیگئی تھی ان ناگوار باتوں کے جواب میں بجز تلطف آمیز کلمات کے اور کچھ زبان پر نہ لاتا تھا۔

لیکن جب مظلوموں کی فریادیں اور جفاکشوں کے استغاثے حد سے متجاوز ہوگئے اور سلطنت کے انتظام حکومت میں بڑی خلل اندازی ہوئی اور انقلاب عظیم برپا ہوا نیز اکبر کی وہ شادمانی اور خوش وقتی جو جہانگیر کی ملاقات سے وابستہ تھی وحشت و رنج کے ساتھ بدلنے لگی تو اُس نے ایک خط بایں مضمون جہانگیر کے پاس روانہ کیا۔

قرۃ العین نور الابصار بعافیت باشند

ہرچند کہ مجھے تمہارے دیدار کا اشتیاق اسدرجہ ہے کہ میں اُسے کسی طرح تحریر میں نہیں لا سکتا تمہارا صرف اپنے مشتاق باپ کی زیارت کیلئے اس حشمت و شوکت کے ساتھ آنا محبت اثر خاطر مشتاق اور ناگوار گذرتا ہے اور اس جاہ و تجمل کے ظاہر کرنے اور لشکر و سپاہ کے پیش کرنے سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں تمہاری اس خداداد ترقی کو دقعت کی نگاہ سے دیکھوں اور تمہارے اعزاز و احترام کو بڑھاؤں تو یہ مطلب اُسکے بغیر بھی بر آسکتا ہے تمہیں مناسب ہے کہ اس زیادہ بھیڑ بھاڑ کو الہ آباد رخصت کرو اور تنہا حاضر ہو کر اپنے باپ کی ہجران نصیب آنکھ کو منور کرو اور اگر بدخواہوں کی یاوہ گوئی سے تمہارے ذہن میں کسی طرح کا وسوسہ اور توہم پیدا ہو گیا ہے تو فوراً الہ آباد روانہ ہو جاؤ اور کسی قسم کا خیال مطمئن راؤ جب اس توہم اور وسوسے کے نقوش تمہارے دل سے مٹ جائینگے بلا تردد اپنے باپ سے ملاقات کر سکوگے باقی دعا۔ الراقم جلال الدین محمد اکبر

جہانگیر ابھی اٹاوہ ہی میں تھا کہ یہ خط پہنچا۔ خط پڑھکر نہایت ہی متذبذب اور متردد ہوا اور اُسی وقت ایک عرضداشت مفصلہ ذیل لکھکر روانہ کی۔

خداوند و مرشد و قبلہ من سلامت

میرا بجز قدمبوسی اور آرزوے ملازمت کے اور کوئی اندیشہ وارادہ جو بدگویوں و شیب جمع ہوں کے دل و زبان پر ہی نہ تھا لیکن جبکہ حضور کا ارشاد یوں ہے تو اب فدوی کو بجز اسکے اور کوئی

چارہ نہیں کہ خداوند کے حکم کے آگے گردن تسلیم خم کردے اور چند روز حضور سے جدا رہکر ملازمت قدمبوسی حاصل کرے فقط نورالدین محمد سلیم -

جہانگیر اس خط کی روانگی کے ساتھ خود بھی روانہ الہ آباد ہو گیا اور چند روز توقف کر کے مستقل بادشاہ بن گیا - اسی اثنا میں جہانگیر کو معلوم ہوا کہ شیخ ابوالفضل بادشاہ کے حکم سے دکن سے واپس آتا ہے چونکہ جہانگیر کی نظر میں علامہ ابوالفضل کے بعض اطوار نہایت نفرت انگیز اور قابل اعتراض تھے اور یہی واسطے وہ تنہائی میں کبھی کبھی کہا بھی کرتا تھا کہ بد معشوق بدقسمت ابوالفضل کی صحبت نے میرے دونوں بھائیوں اور میرے باپ کو کہیں کا نرکھا اور اُسکے الحاد و دہر پرستی نے پیچ پیچھو میرے معزز خاندان کے نام کو بٹا لگادیا" نیز اسوقت اُسے اسبات کا بھی یقین تھا کہ ابوالفضل میرے باپ کے پاس پہنچکر ضرور ہی زہر اُگلے گا اور جہانتک بن پڑیگا میری بدخواہی میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھے گا بہتر ہوگا اگر میں اُسکے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی اسکا کام تمام کردوں -

جہانگیر نے یہ منصوبہ دل میں گانٹھ کر راجہ نرسنگھ کو جسکا وطن گوالیار کے متصل ہی تھا رخصت وطن کی شہرت سے اُدھر روانہ کیا اور خفیہ اشارہ کردیا کہ ابوالفضل کے گوالیار پہنچنے سے پہلے تو اپنے تئیں وہاں پہنچا دیجیو اور راستہ ہی میں اسکا محاصرہ کر کے یکایک اور جہانتک ٹوٹ پڑنا اور جہانتک قابو چلے اس ملحد اور دہر پرست کی زندگی کی شاخ کاٹ ڈالنے میں ذرا بھی دریغ نہ کیجیو راجہ نرسنگھ نے جہانگیر کے حکم و ارشاد کے مطابق عمل کیا اور بہت جلد گوالیا پہنچکر شیخ ابوالفضل کے پہنچنے سے پہلے ایک محفوظ گوشہ میں چھپ بیٹھا جوں ہی ابوالفضل اور اسکا لشکر نمودار ہوا اُسنے عقب سے ایک زبردست حملہ کیا اور بیچارہ علامہ کا فوراً کام تمام کردیا -

جہانگیر نے اپنی سوانح عمری یعنی جہانگیر نامہ میں (جو اسوقت ہمارے پیش نظر ہے) شیخ ابوالفضل کی نسبت خود لکھا ہے کہ "چونکہ ملحدوں کا مقتدا ابوالفضل میرے والد کی بدنامی کا بہت بڑا باعث ہو گیا تھا اس لیئے میں نے اُس سیہ کار کا اس تدبیر سے کام تمام کرڈالا" الغرض اکبر کو اس وحشتناک خبر سے بہت صدمہ ہوا ہر چند کہ اُسکے دل میں جہانگیر کی طرف سے بہت بُرے بُرے خیالات پیدا ہو گئے تھے لیکن ظاہر میں اُسنے پھر بھی بڑے تحمل سے کام لیا اور اپنی اصابتہ رائے سے سلیمہ سلطان بیگم جو جہانگیر کی ماں تھی اور دانائی اور سخن سنجی میں سحر آفرین تھی جہانگیر کی تسلی و ہدایت کیلیے بھیجا - بیگم جب الہ آباد کے قریب پہنچی تو جہانگیر کو خبر ہوئی کہ والدہ محترمہ تشریف لاتی ہیں تو نہایت تعظیم کیساتھ اُنکو شہر میں لیگیا - یہاں بیگم کو جب قدرے اطمینان ہوا تو اُسنے بادشاہ کا

التیام آمیز پیغام دیا اور ایک ایسا محبت انگیز افسوں پڑھا کہ جہانگیر والد کی قدمبوسی میں حاضر ہونیکے لئے راضی ہوگیا کیونکہ والدہ کی غمگساری ہونے اسکے تمام تذبذبات دل سے مٹا دیئے تھے سلیمہ سلطان بیگم اپنے فرزند کو ساتھ لیکر اکبرآباد آئی اور اکبر کی والدہ کی امداد اور دستگیری سے شہزادہ کو باپکے قدموں میں ڈالدیا اکبر نے کمال لطف و مہربانی سے جہانگیر کا سر اٹھایا اور بغلگیر ہوکر بہت دیر تک اسکی حالت پر افسوس کرتا رہا۔ اکبر نے بڑی فیاضی سے ہزار اشرفیاں بچھاور کیں اور سات ہاتھی اور مختلف قسم کے بیش قیمت جواہرات اور مرصع آلات عطا کئے اور اپنا عمامہ سر سے اُتار کر جہانگیر کے سر پر رکھدیا نیز از سرنو مستقل ولیعہدی کی خوشخبری اور مبارکباد سے ممتاز کیا۔ چند روز تک سارے شہر میں بڑی دھوم دھام سے پرلطف جشن رہا اور چاروں طرف عیش و عشرت کے بازار لگے رہے۔

اسکے بعد مہم رانا بدستور سابق جہانگیر کے نامزد رہی اور دسہرہ کے روز اکبر نے اُسے رخصت کیا ایک بڑا جرار لشکر جہانگیر کے ہمرکاب تھا اور مشہور نامی امرا دلیر و بہادر افسروں کا ہجوم اُسکے پہلو بہ پہلو تھا جہانگیر بڑی شان و شوکت اور آن بان سے روانہ چتوڑ ہوا چونکہ عقب سے ایک اور بڑا لشکر اور خزانے کا انتظام تھا اسلئے جہانگیر کو فتح پور میں ٹھہرنا ضرور تھا یہاں متصدیوں کے تغافل سے خزانے کے روانہ کرنے میں تاخیر ہوگئی اور باوجود چند روز گذر جانے کے بھی خزانہ فراہم نہ ہوسکا۔ بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ شہزادہ جہانگیر کی جبلہ جو طبیعت اس تاخیر کو گوارا کرسکتی فوراً بگڑ بیٹھا اور نہایت برہم و افروختہ ہوکر بادشاہ کو ذیل کے مضمون کی ایک عرضی روانہ کی۔

فلک جناب کیوان مآب دام ظلہ

چونکہ حضور کے غافل اور کاہل متصدیوں نے اس مہم کے ضروری اور لازمی اسباب کے سرانجام دینے میں سخت تساہل برتا اور یہ عقیدت مند جو خداوند کے حکم کو خدا تعالی کے حکم سے کبھی کم نہیں سمجھتا فرمان والاشان کے صادر ہوتے ہی شہر سے نکلکر فتحپور میں قیام پذیر ہوا اسبات پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ اگرچہ کئی روز مجھے انتظار ہی انتظار میں گذر گئے لیکن اسوقت تک مہم کی سرانجامی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ لہذا غلام محض بے خطا ہے۔ نیز مجھے کامل تحقیق اور پورے یقین کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ مطالب ضروری کی درخواست میں بھی لسماجت و لجاجت مکرر عرض کرنا اور متصدیوں کفایت شعار کارپردازوں کی حضور سے شکوہ و شکایت کرنا اپنے حضور بے اعتبار کرنا ہے حالانکہ یہ ایک ایسی قابل نفرت اور لائق اعتراض بات ہے جو سلطنت کیلئے کسی طرح موزوں اور زیبا نہیں اور یہ ہر ایک عالم پر روشن ہے کہ رانا کی

جانخراش اور دل گداز مہم ہے اسکا وسیع ملک اور عظیم الشان پہاڑوں کی دشوار گذار راہیں بغیر وافر خزانے اور کافی لشکر کے سر نہیں ہوسکتیں چونکہ بار بار سماجت و لجاجت کا استعمال کرنا حضور کے ملال خاطر اور اپنی حقیقت و تحقیر کا قوی باعث ہے اسلیئے فدوی کی التماس ہے کہ اس عقیدتمند کو چند روز کیلئے اپنی جاگیر میں پہلے جانیکی اجازت دیجئے تاکہ وہاں سے ان تمام باتوں کا کافی انتظام کرکے خدمت ماموره کے بجالانے میں کوشش کرے۔

عرضی نور الدین محمد سلیم

یہ عرضی پڑھکر اکبر کو سخت ملال اور انتہا سے زیادہ رنج ہوا اُسوقت اُس نے چاروں طرف خیالی نظریں دوڑائیں کہ کون ایسا شخص ہے جو اپنی عقل و دانائی سے شہزادہ کی دلجوئی میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرے اور اُسکے اس خیال کو اپنی پُر مغز اور عاقلانہ گفتگو سے شکست دیدے مگر اُس کی نگاہ میں کوئی ایسا شخص نہیں آیا انجام کار اُس کی نظریں بخت النسا بیگم پر پڑیں اور وہ اس اہم اور وقت آفرین مہم کے سر کرنے کیلئے منتخب کی گئی بخت النسا بیگم اپنے ساتھ دو ایک تیز عقل اور طباع ارکان سلطنت اور معزز عہدہ دار لیکر جہانگیر کے پاس پہنچی اور اپنے پیارے بھتیجے کی تسلی اور دلجوئی میں بیحد کوشش کی ہر بات کے نشیب و فراز سمجھانے اور ہر قسم کے نتائج پر غور دلایا لیکن افسوس جہانگیر کی سمجھ میں خاک نہ آیا اور اس نے اپنے بزرگوار باپ و قابل احترام پھوپی کی تمام آرزوں پر ناکامی کا پانی پھیر دیا انجام کار اس افلاطون منش خاتون نے طوعاً و کرہاً اپنے ہٹیلے اور ضدی بھتیجے کو الہ آباد رخصت کیا اور بہزار مایوسی محل میں واپس آئی۔

اس طول واقعہ کے لکھنے سے میری صرف اتنی ہی غرض تھی کہ بخت النسا بیگم اپنی بیدار مغزی اور بلند نظری اور تجربہ کاری میں اس درجہ مشہور تھی کہ اکبر جیسے متین اور سنجیدہ بادشاہ کے اسقدر وسیع دربار اور محل میں کوئی متنفس اسکے رتبہ کو نہ پہنچ سکتا تھا اس لئے اکبر نے اس مشکل کام کے سرانجام دینے کے لیئے اس جمیل اور عاقلہ بیگم کو منتخب کیا۔

بہار بانو بیگم

یہ انتہا سے زیادہ حسین اور پریچہر بیگم نور الدین جہانگیر بادشاہ کی نہایت پیاری اور عزیز لڑکی تھی اسکے حسن و جمال اور علم و فضل کا شہرہ دور دور تھا بادشاہ کو نسبتاً تمام اولادوں سے یہ بیگم بہت ہی پیاری تھی اسی واسطے اسکے مزاج میں تندخوئی اور درشتی بہت زیادہ تھی محل سرا کی تمام بیگمات اسکے بیحد غیظ و غضب سے ہر وقت ترساں و خائف رہتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر بات میں اُس کی خوشی اور دلجوئی مد نظر رکھتی تھیں۔

جب بہار بانو بیگم سن بلوغ کو پہنچی تو جہانگیر نے بڑے تزک و احتشام سے ۱۰۳۵ ہجری میں اسکی شادی شہزادہ طہمورث پسر شہزادہ دانیال کے ساتھ کردی۔ نکاح کے بعد اس روز کی سامان کی کیفیت لڑکی کے رخصت کرنیکا دن تھا قابل دید اور یادگار زمانہ ہی عام طور پر شہر کے تمام بازار آراستہ تھے دوکانیں شجر سے جگمگا رہی تھیں۔ درختوں پر ہزار ہا زربفت اور زرین تھان لپیٹ دئیے گئے تھے سڑکوں اور عام شاہراہوں پر رومی مخمل بچھا دی گئی تھی نوشہ کی آمد و رفت کیلئے جو راستہ مقرر کیا گیا تھا اسکے دونوں طرف فوجیں دور دور تک صف آرا کھڑی تھیں یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل ایک میل سے زیادہ تک تھیں اور انکی وضع و لباس سے عجیب شان و شوکت اور عظمت و جلال کا اظہار ہوتا تھا اور یہ فوجی دریا اس میں لہریں لے رہا تھا۔

جو وقت شہزادہ طہمورث ایک عظیم الشان بادشاہ کی چہیتی بیٹی کو بیاہنے چلا ہی وہ وقت بھی زیادہ حشمت انگیز تھا۔ اور ایک ایسا عجیب و غریب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ جب فوج کا سلسلہ ختم ہوا تو اخیر میں شہزادہ طہمورث آیا اور عجیب شان و شوکت فوجی لباس سے آراستہ کمر میں ایک تلوار بندھی تھی اگرچہ سن اسکا تھوڑا ہی تھا لیکن جس انداز سے وہ ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے چہرہ سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا چند بڑے بڑے نامور اور فوجی افسر رکاب میں تھے ہاتھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا اور ہر قدم پر ایک یا کا اس زور سے نعرہ بلند ہوتا کہ سارا میدان گونج اٹھتا۔

الغرض اس شان و آن بان سے شہزادہ طہمورث محل میں داخل ہوا اور ایک بڑے مجمع کے سامنے بیاہ کی رسم ادا ہوئی جو جہیز جہانگیر نے بہار بانو بیگم کو دیا اسکا اندازہ کسی طرح سے نہیں ہو سکتا۔ شادی کی بعد جہانگیر کو شہزادہ طہمورث سے بیحد الفت ہو گئی تھی اور اب وہ اسے بہار بانو بیگم سے کسی طرح کم نہیں سمجھتا تھا۔ علاوہ ان انعامات کے جو مختلف جشن اور فتوحات کی خوشی کے موقعوں میں سلطنت کی طرف سے اسے عطا ہوتے رہتے تھے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ ملا کرتا تھا لیکن سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہزادی بہار بانو بیگم کو اس عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے اور ان حشمت انگیز سامانوں کی بہار لوٹنے کا بہت کم اتفاق پڑا یعنی عین عالم شباب میں اس فانی اور ناپائدار دنیا سے رہگزائے سفر آخرت ہوئی۔

بائی اودہ پوری

یہ عفیفہ اوسیا کدامن خاتون راجا اودہ پور کی چہیتی بیٹی ہی اس حور وش رانی کو قدرت نے وہ دلگیر صورت اور زاہد فریب حسن عطا کیا تھا جسکی

مثال دور دور نہیں ملسکتی - مورخوں کا بیان ہے کہ رانی اودے پوری جس طرح حسن و خوبصورتی میں بے مثل تھی اُسی طرح عقل و دانائی میں بھی منتخب تھی اُسکے حسن نے عالمگیر نے بڑے بڑے راجاؤں اور شہزادوں کو اپنا شیدا بنا لیا تھا جو نسبت کسی راجہ یا شہزادہ کی اس نازنین کیجے آتی تھی راجہ خود اُسکی رائے دریافت کرتا تھا اور رانی بالا بالا اُسکی تحقیق کرتی تھی اس عرصہ میں کہ اسکی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی اور کوئی بات قرار نہیں پائی -

چونکہ بائی اودے پوری ہتیار بند اور شجاع تھی اور مردوں سے پہلو بہ پہلو داد مردانگی دیتی تھی اسلیے راجہ کی طرف سے بالکل آزادی حاصل تھی یہ اکثر اوقات گھوڑے پر سوار ہو کر باغات میں سیر کرتی پھرتی اور جب کوئی جنگ پیش آتی تو مسلح ہو کر میدان میں جاتی اور بہادری کے حیرت انگیز نمونے دکھاتی جو جو خوبیاں ایک اعلی درجہ کی حسین و خوبصورت اور بہادر عورت میں ہونی چاہئیں وہ سب اس خاتون میں موجود تھیں -

الغرض اب بائی اودے پوری کی عمر قریبًا پچیس برس کی ہو گئی اور اسنے اپنے لیے کوئی شوہر تجویز نہیں کیا اور کرتی کیونکر قدرت نے تو اُسکی قسمت میں عالمگیر جیسے عظیم الشان بادشاہ کے پہلو میں بیٹھنا دریکفر کی ظلمت خیز تاریکی سے نکلکر آفتاب اسلام کے نورانی سایہ میں زندگی بسر کرنا لکھا تھا پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ نوشتہ تقدیر کے برخلاف اپنی قسمت کا فیصلہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں دیتی - جب عالمگیری فتوحات کے جھنڈے دکن میں گڑ چکے اور وہاں کے کل اضلاع بادشاہ کے قبضہ میں پورے طور پر آچکے تو اب عالمگیر نے راجپوتوں کی سرکشی اور بغاوت کی آگ بجھانے کیطرف توجہ کی اور سب سے پہلے اجمیر کی طرف رُخ کیا جس کا فتح کر لینا اُسکے لیے ضرور تھا خاص اجمیر میں ایک بہت بڑی خونریزی ہوئی اور ایک عظیم الشان جنگ سے سارا جنگل سُرخ ہو گیا - اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد عالمگیر کا ارادہ دار الخلافہ میں واپس آنے کا ہوا لیکن قبل اسکے کہ وہ ادھر آوے تعلقہ جودھ پور اور سرکش راجپوتوں کے دیگر پرگنوں کو اُسنے بہت جلد جلد فتح کر لیا -

اب عالمگیر خاص اجمیر اور اُسکے اضلاع کو فتح کر کے اودے پور کی طرف بڑھا لیکن رانا نے اسکی خونریز فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر چند معتبر اور زبان دان وکیل مع بہت سے لائق تحفوں کے عالمگیر کی خدمت میں روانہ کئے اور ایک عرضی باین مضمون لکھکر روانہ کی -

عالی جاہا شوکت پناہ

آپکا غلام نہایت عاجزی اور لجاجت سے عرض کرتا ہے میں نے اس بغاوت کی آگ بھڑکانے میں

ہرگز اشارہ نہیں کیا نہ میرا منشا تھا البتہ بعض خودسر اور متمرد راجپوتوں کے بعض پیچیدہ معاملات
سے یہ کیفیت پیدا ہوئی ورنہ خدانخواستہ نہ میں باغی ہوں نہ میں نے بغاوت کا اعلان دیا ہے
میں بدستور سابق حضور کے حکم پر گردن تسلیم خم کرکے مقررہ جزیہ دینے کیلئے موجود ہوں و تین
پرگنہ زر جزیہ کے عوض اپنے ملک کے قبضے سے نکالکر حضور کے خدام کو تفویض کئے دیتا ہوں
اور علانیہ کہتا ہوں کہ اب سے راجہ جسونت کے فرزندوں کی اعانت و امداد میں حصہ نہ لونگا۔ لہذا
امید ہے کہ حضور میری گذشتہ لغزشیں معاف کریں گے اور میری اس عرضداشت کو خلعت قبولیت
سے آراستہ کرکے مجھے معزز و ممتاز فرمائیں گے۔

نیک نہاد اور رحمدل عالمگیر نے رانا کی اس تقصیر سے چشم پوشی کی اور اس ضلع کے باقی بندوبست
اور انتظام کیلئے خان جہاں بہادر کو چھوڑکر خود دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ ہنوز تھوڑے ہی
دن گذرے تھے جو خبر آئی کہ رانا نے راجپوتوں کی ایک کثیر التعداد فوج جمع کرکے بغاوت کا اعلان
دیا اور سرکشی کی۔ عالمگیر جیسا رحمدل اور نیک مزاج تھا ویسے ہی تندخو اور جوشیلا بھی تھا اس
خبر کے سنتے ہی اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی اُسنے اسی وقت بدقسمت رانا کی تادیب و گوشمالی اور
دیگر بدمآل و ناعاقبت اندیش راجپوتوں کے استیصال اور بیخ کنی کا قصد کیا اور فوراً اجمیر کیطرف
بڑھا اسی اثنا میں بادشاہزادہ محمد معظم کے نام فرمان جاری ہوا کہ دکن سے عاجلانہ جنبش کرکے
اجین میں آپہنچے اور حکم ثانی کا منتظر رہے اور دوسرے بادشاہزادے محمد اعظم کی طلبی میں حکم صادر ہوا کہ
بنگالہ کو بہت جلد چھوڑکر اجمیر چلا آئے اور جب عالمگیری فوج اجمیر کے قریب پہنچی تو بادشاہ نے
شہزادہ محمد اکبر کو رانا کی تنبیہ و تادیب کیلئے منتخب کیا اور ایک خونخوار فوج کا جرار بھاری بیڑا دیکر
اُدھر روانہ کیا رانا کو جب یہ خبر ہوئی تو اُس نے اودیپور کو جو اُسکا دارالسلطنت تھا اپنے ہاتھ سے ویران و
تباہ کرڈالا اور خزانہ اور اہل و عیال و راجہ جسونت اور رعایا کو ساتھ لیکر پہاڑوں کی دشوار گذار گھاٹیوں اور
تیرہ و تاریک دروں میں جا چھپا۔ عالمگیر نے بڑے بڑے تجربہ کار فوجی افسروں کو شاہزادہ محمد اکبر کے
رکاب میں متعین کرکے حکم دیا کہ بے دھڑک پہاڑوں کی مسلسل گھاٹیوں میں گھسکر کفار کی بیخ کنی
میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے اور رانا کو معہ اُسکے اہل و عیال کے زندہ گرفتار کرکے حاضر خدمت کرے
شاہزادہ محمد اکبر تو رانا کے تعاقب میں گیا اور عالمگیر نے بہت سے دلاوروں کو رانا کے لائق زراعت ملک کے تاخت و
تاراج کرنے کیلئے روانہ کیا اتنے میں خبر آئی کہ شہزادہ محمد معظم اجین میں آپہنچا عالمگیر کی طرف سے ایک فرمان بنام
شہزادوں جاری ہوا کہ تالاب آنا ساگر کیطرف بڑھ آئے اور اپنے جان نثار لشکر کو تعلقہ رانا میں پھیلادے اور جب

مقام پر آبادی اور لبا ست کا اثر ظاہر ہو بہادروں کے اژدھا پیکر گھوڑوں کے سموں سے روندوا لا جائے اور کوئی متنفس زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اسی اثنا میں اطلاع دی گئی کہ بادشاہزادہ محمد اعظم چار مہینے کی راہ ایک مہینے سے کم میں طے کر کے خدمت عالی میں حاضر ہوا کر اپنی جنگی فوج کو کوہستانی راہوں اور دروں میں متعین کر کے راناکے پرگنوں میں قتل و عام کے حکم دے اور راجپوتوں کی بیخ کنی اور ان کے اموال کی تاخت و تاراج کرنے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھے۔

اسوقت رانا اور راجپوتوں کی امداد میں تقریباً پچاس ہزار سوار فراہم ہو گئے تھے جنہوں نے عالمگیری افواج کے مقابل جانبازی کی شرط ادا کی لیکن محمد اعظم کا جو فوجی دستہ پہاڑی دروں کی پشت پر ایستادہ تھا وہ لیڈ افسر کا اشارہ پاتے ہی ان پر ٹوٹ پڑا اور چاروں طرف سے محاصرہ کر کے انہیں بیدریغ قتل کرنا شروع کیا۔ بہادروں کی خونخوار تلواروں نے ہزاروں راجپوتوں کے سر قلم ہونے لگے اور سارا جنگل خون سے لبریز ہو گیا۔

یہ جنگ ایسی شدید تھی کہ راجپوتوں میں سے ایک شخص بھی جانبر نہیں ہو سکا اور سب کے سب اس خونی دریا میں غوطہ لگا لگا کے ٹھنڈے ہو گئے جب میدان صاف ہو گیا تو عالمگیری افواج پہاڑوں کے دروں میں بےخوف و خطر گھس گئے اور جو سامنے آیا تلوار سے اسکا سر اڑا دیا گیا حتی کہ رانا مع اہل و عیال کے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ عالمگیر کے لشکر میں فتح کے نعرے بلند ہوئے اور خوشی کے شادیانوں نے بہادروں کے دلوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا۔

جب رانا کے لشکر کو شکست ہوئی تو منجملہ اُن قیدیوں کے جو عالمگیر کے دربار میں زندہ گرفتار ہو کے آئے تھے ایک رانی اودیپوری بھی تھی جسے عالمگیر جیسا سنجیدہ اور باوقار بادشاہ بھی دیکھکر حیرت زدہ ہو گیا ہر چند کہ عالمگیر کی نگاہ اُس کا تزاد اور روش کے استقبال کو ایک بڑی بیتابی کے شوق سے آگے بڑھی تھی مگر اسکی راسخ الاعتقادی اور مذہب کی پابندی نے اُسے بڑی بدمزگی کے ساتھ واپس کر دیا اُسوقت عالمگیر کا چہرہ ان لوگوں کے دیکھنے کے قابل تھا جو چہرے کے فوری تغیرات کو ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں عالمگیر کے انتہا سے زیادہ زہد و اتقا نے اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ کوئی اُسکے چہرہ پر نظر ڈالے اور اُسکے ان فوری تغیرات کو پا سکے۔

عالمگیر اس حور وش کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسکے ایما سے بائی اودیپوری کو محل شاہی میں داخل کر دیا گیا عالمگیر نے اس حسین و خوبصورت اور ذہین خاتون کا موقع و بےموقع ہر بات میں امتحان لیا اور ہر امر میں اُسے قابل و لائق پایا انجام کار اُسے اپنی بیگموں کے سلسلہ میں جگہ دیکر ممتاز کیا اور

اب وہ عالمگیر کی بیگم مشہور ہو گئی۔ بائی اودیپوری نہ صرف اپنی ظاہری حسن و خوبی سے بلکہ اپنی خداداد قابلیت اور اپنی شائستگی و تہذیب سے اور بیگمات کی نسبت عالمگیر کی بہت پیاری اور چاہیتی بی بی ہو گئی۔

بائی اودیپوری کے بطن سے شہزادہ محمد کام بخش پیدا ہوا جو بڑا ہو کر عقل و دانائی اور علم و فضل میں اپنے تمام بھائیوں سے سبقت لے گیا۔ شہزادہ محمد کام بخش دسویں رمضان ۱۰۷۸ ہجری کو پیدا ہوا اور شاہی سایہ میں پرورش پائی اسے عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی زبان میں بھی بہت مشق ہو گئی تھی کتب متداولہ پر پوری دستگاہ حاصل تھی شجاعت سخاوت اور دیگر اخلاق میں کافی حصہ رکھتا تھا۔ عالمگیر کے انتقال کے بعد دوسرے ہی سال ذیقعدہ کو راہ گرائے سفر آخرت ہوا۔

بائی بھوت دی

یہ پاک طینت اور نیک سیرت خاتون راجہ کشتور کی بیٹی ہے جسکے روز افزوں حسن اور ترقی پذیر علم و ادب کا چرچا اُس عہد میں گھر گھر پھیلا ہوا تھا اور جسکی تاریخی زندگی بیشک اس قابل ہے کہ ہم اپنی ہموطن خاتونوں کے آگے عفت و عصمت اور علم و فضل کا ایک سچا نمونہ قرار دیکر پیش کر سکتے ہیں۔

یہ ایک تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مورخوں نے اس نیک فطرت اور مہذب خاتون کے ابتدائی زندگی کے حالات کا پتہ لگانیکی طرف بہت کم توجہ کی ہے ورنہ ہمیں بغیر تردد کے معلوم ہوتا کہ اسنے کیونکر اور کس طرح علوم و فنون کو حاصل کیا اور اسکی اس خداداد شہرت و قابلیت کے ظاہر ہونیکا کیا سبب ہوا لیکن تاہم اس قدر یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ بائی بھوت دی اپنے عہد کی ایک نہایت مہذب تعلیم یافتہ اور بہادر خلیق بڑی فیاض اور مخیر مہمان پرست عورت تھی ہرچند کہ اسکا باپ راجہ کشتور بھی بڑا سخی اور کریم النفس شخص تھا مگر اپنی عدیم المثال بیٹی کی برابری نہ کر سکتا تھا

اس امر کے ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو تعجب ہوگا کہ بائی بھوت دی کی تہذیب و طرز معاشرت میں علمی برکتوں اور فیاضیوں سے بہت بڑا انقلاب اور حیرتناک تغیر و تبدل ہو گیا تھا گو وہ ایک ہندو گھر میں پیدا ہوئی اور ہندو ہی خاندان میں نشو و نما پایا لیکن اسکی تمدنی حالت جسقدر بھی تھی وہ سب نرالی اور انوکھی طرز کی تھی۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہندو مستورات کو دیگر اقوام سے سخت تعصب و تنفر ہوتا ہے لیکن یہ ایک نہایت ہی عجیب بات ہے کہ اس عاقلہ

خاتون کو مسلمانوں سے بالکل تعصب نہ تھا بلکہ ان کی قدر و منزلت اور شان و شوکت کا اثر اسکے دل میں موجود تھا اور مرتے دم تک باقی رہا۔ اسے مسلمانوں کی ترقیوں اور اُن کی دینی و دنیاوی کامیابیوں پر حسد نہ تھا مگر ہندوؤں کے تنزل و پستی سے کسی قدر رنج ضرور ہوتا تھا۔

بائی بھوت دی جیسی فطری شوخ تھی ویسی ہی متین تھی جس قدر ابتدا میں تندخو اور تیز مزاج تھی اُسی قدر اُسے وقار و تحمل اور بردباری کا حصہ بھی قدرت سے اُسے ملا تھا چونکہ علمی فیاضیوں کی برکتوں سے کافی طور پر بہرہ ور ہو چکی تھی اسواسطے ہر بات میں اُس میں زندہ دلی موجود تھی اس پاکدامن خاتون کو ایک مدت تک شادی کرنے سے انکار رہا وجہ یہ کہ جن امیرزادوں نے اپنی نسبتیں اُسکے پاس بھیجیں اُسنے اُنمیں سے ایک کو بھی قابل و لائق نہیں پایا ہرچند کہ بعض مستورات نے بہت بڑی کوشش کی اور کرائی کہ بھوت دی کو شادی پر آمادہ کریں مگر اُسنے کبھی رضامندی کا اظہار نہیں کیا بلکہ بعض موقع پر صاف کہدیا کہ جب مجھے ہر طرح سے آزادی دیدیگئی ہے اور میرے جملہ حقوق محفوظ کر دئے گئے ہیں تو مرتے دم تک کبھی اپنے لیئے جاہل شوہر تجویز نہ کرونگی اور چونکہ میں نے ابتک ہر شخص کو ناقابل پایا اسلیئے انکار کر دیا حقیقت میں اگر ہم اُسکی تمام باتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بیشک اُس سے اچھی نازک دماغ اور حوصلہ مند عورت ہندوستان کو بہت کم نصیب ہوئی اس میں شبہ نہیں کہ علمی برکتوں کی وہ مجسم تصویر تھی اور عالمانہ وقار کا قائم رکھنا اُسپر ختم ہو گیا تھا

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ بائی بھوت دی کی ابتدائی زندگی کے حالات معلوم کرنے میں مورخین نے بہت کم توجہ کی ہے جس سے ہم اُس کی پوری لائف ناظرین کو دکھانے سے قاصر ہیں ہمیں یہ پتہ نہیں چلا کہ اسکی شادی کس سنہ میں ہوئی اور اُسوقت اُسکی کیا عمر تھی اور نہ یہ پتا چلا کہ وہ تیموری خاندان میں کس طرح داخل ہوئی کیا اسکے باپ نے بطریق ہدیہ عالمگیری دربار میں اُسے بھیجا یا کسی معرکہ میں زندہ گرفتار ہو کر آئی لیکن اس قدر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک زمانے کے بعد ہم اُسے شہزادہ محمد سلطان ابن عالمگیر کے محل میں پاتے ہیں جب بائی بھوت دی شہزادہ محمد سلطان کے نکاح میں آئی تو اُسے اس سے کمال محبت و الفت پیدا ہو گئی اور چند ہی روز میں جانبین سے وہ جذب اور کشش پیدا ہوئی کہ ایک کو ایک کی جدائی نہایت شاق و ناگوار تھی شہزادہ محمد سلطان اس نیک سیرت خاتون کی ہر بات پر قربان تھا۔ شہزادہ محمد سلطان عالمگیر کا سب سے بڑا اور چہیتا بیٹا تھا جو چوتھی رمضان ۱۰۴۹ھ ہجری کو نواب بائی کے بطن سے پیدا ہوا یہ شہزادہ ایک ایسی

حیرت ناک تربیت کے ساتھ متصف تھا جس سے تمام شریفانہ اوصاف پیدا ہوتے تھے فارسی عربی ترکی میں کافی دستگاہ رکھتا تھا اور ہر علمی مذاق سے اُسے زیادہ دلچسپی تھی شجاعت و دلیری اُسکی فطرت میں تھی اکثر معرکوں میں اسنے وہ داد شجاعت دی جس سے تاریخی صفحات اب تک روشن ہیں سچ پوچھئے تو بانی بھوت دتی کے لیئے یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ اسنے ایک ایسے قابل شخص کے پہلو میں شادمانی کے ساتھ زندگی بسر کی جس سے اچھا نازک دماغ انسانی دنیا کو بہت کم نصیب ہوا لیکن افسوس کہ اس فخر روزگار کو عین عالم شباب میں جبکہ اس کی عمر صرف انتالیس برس کی تھی ۱۰۸۸ھ میں انتقال کیا اور اپنے پس ماندگوں کو ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت دے گیا۔

بچھنی بیگم یہ عقیل و جمیل بیگم سلطان بلند اختر کی بیٹی اور محمد شجاع ابن شاہجہاں کی پوتی ہے جو حسن و جمال کے علاوہ نہایت متین و سنجیدہ اور صاحب عقل و شعور تھی اس بیگم کو اپنے محل کے چمن میں آبیاری کرنے اور درختوں کو پانی دینے کا بڑا شوق تھا اسکا عام قاعدہ تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہو تلاوت قرآن سے محظوظ ہو کر آفتاب نکلنے سے پیشتر اپنے محل کے چمن کی آبیاری کرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ خود اپنے ہاتھوں سے چھوٹے چھوٹے خوشنما پودوں کو لگاتی درختوں کو بڑی موزونیت کے ساتھ درست کرتی غرضکہ آفتاب نکلنے سے پہلے پہلے وہ ان تمام کاموں سے فارغ ہو جاتی۔

بچھنی بیگم اپنے تمام فرائض منصبی کو خود اپنے ہاتھ سے ادا کیا کرتی کسی کام سے اُسے عار و ننگ نہ تھی اور نہ اپنے ملازموں اور خواصوں کی محتاج تھی بلکہ جو کام کرنا ہوتا خود نہایت مستعدی سے کرتی اور اپنا فرض خیال کرتی قدرت نے اُسے متانت و سنجیدگی عطا کی تھی اسلیئے اسکا زیادہ وقت خاموشی اور سکوت میں صرف ہوتا تھا۔ اور اسی کو وہ اچھا بھی جانتی تھی لیکن افسوس اس بیگم کو ہوش سنبھالتے ہی زمانے کا سب سے بڑا سخت ظلم سہنا پڑا کہ تھوڑی سی عمر میں یتیم ہو گئی اور اس صدمہ نے اسکی تمام خوشی کو خاک میں ملا دیا۔ گو اسکے والد کے انتقال کے بعد اُس کے سامان عیش میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا اور وہی زرخیز سامان اُسکے لئے مہیا کیا مگر جو اسکی خوشحالی سلطان بلند اختر کے سامنے تھی اب بالکل نہ رہی تھی اُس کا دل اُس پھول کی طرح کملا گیا تھا جو آفتاب کی گرمی سے زمین پر گر پڑتا ہے۔

اُسکے سر سے اُسکے مہربان باپ کا یوں اچانک اُٹھ جانا درحقیقت اسکے لئے نہایت جگر خراش صدمہ تھا جسنے اُسکی کمر توڑ دی۔

خود بچھنی بیگم اکثر کہا کرتی تھی کہ جو مصائب زمانہ مجھے پیش آئے ہیں اگر ان میں حضرت عرش بکانی میرے غمگسار نہ ہوتے تو میری زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔
مورخین کا بیان ہے کہ اونتیسویں ربیع الاول ۱۱۱۷ھ ہجری آخر شب کو عالمگیر کے پاس خبر پہنچی کہ سلطان بلند اختر رہگزرائے عالم بقا ہوا عالمگیر کو اس خبر سے سخت رقت ہوئی اسیوقت خوجہ مسعود کو حکم دیا گیا کہ سلطان بلند اختر کے تینوں لڑکوں اور تمام محل سرائی بیگمات کو نہایت تحفظ اور احتیاط کے ساتھ قلعہ احمد نگر میں پہنچا دیا جائے اور مرحوم کی لڑکی بچھنی بیگم کو نہایت تسلی اور دلجوئی سے محل خاص میں لایا جائے۔ عالمگیر کے ارشاد کے مطابق جب بچھنی بیگم جب محل خاص میں حاضر کی گئی تو بادشاہ دربار سے اٹھکر محل میں آیا اور بچھنی بیگم کے سر پر ہاتھ پھیر کے فرمایا، بیٹا! تو ہرگز یہ نہ سمجھیو کہ سلطان بلند اختر دنیا سے اٹھ گیا میں تیری دلجوئی اور تسلی میں بلند اختر سے کسی درجہ کم ثابت نہ ہونگا میں آج سے تجھے اپنے فرزندوں سے زیادہ سمجھونگا اور تیرے ساتھ وہی برتاؤ کرونگا جو ایک مہربان باپ اپنی لائق و قابل اولاد کے ساتھ کرتا ہی تیری آزادی میں کوئی خلل انداز نہ ہوگا اور تیری خوشی کے اسباب مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائیگا، عالمگیر تسلی آمیز الفاظ کہہ رہا تھا۔ ادھر بچھنی بیگم کی روتے روتے ہچکی بندہ گئی تھی اور اسکی آنکھوں میں تمام عالم سیاہ نظر آتا تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنی طبیعت پر بہت زور ڈالا اور اپنے تئیں سنبھالکر عالمگیر کے قدموں میں ڈالدیا اس نے آداب شاہی بجالاکر عرض کیا کہ خدا تعالیٰ حضور کو ہمارے سر پر ہمیشہ زندہ وسلامت رکھے اور فدویوں کو توفیق دے کہ آپ کے حکم وارشاد سے سر مو تجاوز نہ کریں بیشک مجھے اپنے والد کے انتقال کا انتہا سے زیادہ صدمہ ہے لیکن اسکے ساتھ ہی حضور کی یہ دلنوازی اور عزت افزائی گویا ہم غمزدوں کے واسطے اکسیر ہے جس نے سارے غم غلط کر دئے بچھنی بیگم یہیں تک کہنے پائی تھی کہ عالمگیر نے بڑی غمگساری کے ساتھ اسکا سر اٹھایا اور بچھنی بیگم اور بلند اختر کے تینوں فرزندوں کو بیحد زر و جواہر اور ماتمی خلعت عطا فرماکر رخصت کیا
سلطان بلند اختر جو عالمگیر کا بھتیجا اور محمد شجاع ابن شاہجہاں کا بیٹا تھا اگرچہ عالمگیر کا سخت مخالف تھا لیکن عالمگیر کو اسکے مرنے کا اتنا ہی صدمہ اور قلق ہوا جیسا اپنے فرزند شہزادہ محمد سلطان کا بھی سلطان بلند اختر اپنے باپ محمد شجاع کی افواج کا ایک بڑا بہادر افسر تھا اور عالمگیری حملے بڑے زور شور سے برابر روک رہا تھا محمد شجاع کی تمام فوجوں کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی اور یہی بار بار عالمگیر کی بہادر فوج کا مقابل رہا اگرچہ اسکے پے درپے شکستیں ہوئیں۔

گروہ بار بار کی شکستوں سے کبھی کچا نہیں ہوا اور انتہا سے زیادہ نقصان اٹھانے کے بعد بھی جنگ سے کبھی اس کی طبیعت اچاٹ نہیں ہوئی۔

عالمگیر کے رحیمانہ اخلاق اور فیاضانہ عادات کی یہ ایک عام اور بدیہی نظیر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی ویسی ہی خوش اخلاقی اور فیاضی سے پیش آتا تھا جیسے دوستوں اور بہی خواہوں سے یہ انتہا درجہ کی جہالت بلکہ سخت ناانصافی اور بے ایمانی ہے جو بعض متعصب مورخوں نے اُس خداشناس اور رحم دوست بادشاہ کو ظالم و جابر لکھا ہے۔ اگر وہ اس نامور بادشاہ کے حالات پر بنظر انصاف غور کریں گے تو انہیں پورے طور سے اسبات کا کافی ثبوت ملجائیگا کہ ہم جو الزامات اُس منصف اور عادل بادشاہ پر لگاتے ہیں وہ محض بے بنیاد اور صرف ہمارے ہی تعصب و ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ ایک منصف مزاج شخص کو اُنکی اس تحقیر آمیز حرکتوں سے سخت رنج اور افسوس ہوتا ہے لیکن جو قوم ایک مدت تک ذلت کے ساتھ اسلام کے قدموں تلے رہ چکی ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اسکا یہ سلوک بیجا نہیں ہے مورخین کی بے توجہی سے ہمیں یہ بالکل معلوم نہیں ہوا کہ اس عفت کیش خاتون کی شادی کس سے ہوئی اور کب ہوئی اور کس سنہ میں اُسنے وفات پائی۔

بیگم سلطان

یہ بہادر اور حوصلہ مند خاتون ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور کی نہایت عزیز و پیاری بیٹی ہے جو شجاعت و مردانگی اور سخاوت و فیاضی میں اپنے زمانہ کی تمام مستورات سے مستثنےٰ اور ممتاز تھی۔ اسکے حسن و خوبصورتی اور ہوشیاری کی شہرت دور دور تھی۔

سنہ [illegible] ہجری میں جب اکبر فاتح ہندوستان کی بڑی فوج قلعہ احمدنگر کا محاصرہ کئے پڑی تھی تو بیگم سلطان چاند بی بی کے پہلو بہ پہلو محاصرین کے حملے زور شور سے روک رہی تھی چاند بی بی نظام الملک والی دکن کی چاہیتی لڑکی تھی جو اپنے باپ کے انتقال کے بعد ملک و تخت کی وارث قرار دی گئی تھی اور جو اس محصوری کی حالت میں قلعہ سے مسترشد و نقصان [illegible] اور جنگ کے اہتمام و سرانجام میں مردانہ وار کمر ہمت باندھے ہوئے نہایت سرگرمی سے [illegible] کی کوشش کر رہی تھی۔

بیگم سلطان نے اسوقت چاند بی بی کا بہت ساتھ دیا اور شجاعت و جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے اور اس نے کامیاب کرنے میں اپنی جان تک لڑا دی۔ اگرچہ بادشاہ [illegible]

کے بانہینے مورچوں کے درست کرنے نقبوں اور سرنگوں کے کھودنے میں اپنی ساری تدبیر کوشش اور کثیر التعداد روپیہ صرف کر دیا لیکن چاند بی بی کی شجاعت نے اسکی تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا اور متواتر گولہ باری اور زبردست شبخونوں سے اکبری فوج کو بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ آخر کار بہزار کوشش کے بعد خانخاناں نے جوان دنوں اکبری افواج کا بہت بڑا سپہ سالار اور تجربہ کار افسر تھا اپنے لشکر گاہ سے قلعہ کے برج اور دیوار کے نیچے تک ایک نہایت عمیق اور گہری سرنگ لیگیا اور اسمیں صدہا من بارود کی تھیلیاں اتار دیں اسی طرح قلعہ کے مشرقی حصہ میں بھی ایک عظیم الشان نقب تیار ہوگئی۔ شیردل اور باہمت چاند بی بی نے۔ فلاطون فش سلطان بیگم کی رائے سے چند ذی عقل اور تیز ہوش جاسوسوں کو معین کیا اور نقب کا سراغ لگا کر حملہ کے دن پہلے سے قلعہ کی اندر کی جانب سے نقب کے مقابل زمین کھودنی شروع کی یہاں سے وہاں تک برابر ایک نقب کر کے بارود کی تمام تھیلیاں نکال لی گئیں اور احتیاط و دوراندیشی کے لحاظ سے اس قدر پانی کی مشکیں چھڑوا دی گئیں کہ وقت پر آگ کے شرار کی جگہ پانی کے فوارے چھوٹتے نظر آئیں۔

چاند بی بی اور سلطان بیگم جب اس مہم سے فارغ ہوئیں تو اب وہ دوسری سرنگ کے سراغ لگانے اور پتہ چلانے کے درپے ہوئیں افسوس مگر ہنوز ان کی اس دوسری مہم کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ دفعتہً شہزادہ محمد مراد اور خانخاناں نے اپنے جرار بہادروں اور قلعہ کشا سواروں کو قلعہ کے اڑا دینے اور محصورین پر اچانک پل پڑنے کا حکم دیدیا۔ چاند بی بی کی بدقسمتی اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے اول اسی سرنگ میں آگ دیگئی جسکی تکمیل میں ابھی تک چاند بی بی ناکام تھی بارود میں آگ لگتے ہی قلعہ کی ایک جانب کی دیوار طول لا پچاس گز اڑ گئی۔ ایک عظیم الشان دھواں اوٹھا اور گرج کی سی آواز پیدا ہوئی جس سے سارا میدان گونج اٹھا۔ نہایت خوفناک زلزلہ افزا صدا اور ہولناک سنگ باری اور مردہ اجسام کے آسمان پر اڑنے اور نیچے یکایک گر پڑنے سے میدان جنگ ایک وحشتناک منظر اور ہنگامہ محشر بن گیا تھا۔

دلیران جلادت پیشہ اور بہادران جنگ جو اپنی خونریز تلواروں کو نیام سے کھینچے ہوئے اس انتظار میں کھڑے تھے کہ کب قلعہ کا دوسرا برج اور دیوار اڑے اور محصورین پر حملہ کریں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ دوسری سرنگ آگ نہیں دیتی اور بارود کی جگہ پانی سے ابریز ہے تو ... لشکر میں ایک تشویش اور حیرت پیدا ہوگئی حملہ آور فوج میں جو چستی و چالاکی ہونی چاہیئے تھی وہ اب اونکے ... کو باقی نہ تھی ہر ایک شخص حیرت کا پتلا بنا ہوا دوسرے کو تکتا تھا اور

اور اسکے چہرے سے تزلزل کے آثار دکھا دیتے تھے۔

چاند بی بی اور سلطان بیگم کے لیئے یہ موقع بہت اچھا تھا اُنھوں نے یہ فرصت غنیمت پاکر جہاندیدہ بہادروں کی طرح برقع اوڑھکر ایک ایک تلوار گلے میں حمائل کی اور ایک ایک ہاتھ میں لیکر فوراً اس منہدم گری ہوئی دیوار پر آپہنچی بڑے بڑے تختے اور آہنی لٹھے اور کڑیاں بانس مٹی کے ٹوکرے اور تھیلیاں جو احتیاطاً پیشتر سے مہیا کرلی گئی تھیں نہایت چالاکی سے دیوار کی بنیاد میں ڈالنی شروع کیں اور خود دیوار سے نیچے اتر کر تمام لوگوں کو بے انتہا زر و نقد دیا اور سبنے ملکر آن کی آن میں قلعہ کی دیوار تعمیر کردی۔ سلطان بیگم نے چند چھوٹی چھوٹی توپیں اس مقام پر چڑھا دیں اور محاصرین کی آمد و شد کا راستہ بند کردیا۔

بہادر مغلوں نے اگرچہ بہت سے پے در پے حملے کئے اور چند مرتبہ زبردست یورشیں کیں لیکن محصورین نے ایسی جوانمردی کے ساتھ اُنکے حملے روکے اور کلہ بکلہ جواب دے کر انہیں قلعہ کے نیچے تک آنا نصیب نہیں ہوا۔ چونکہ اس جنگ میں اکبری فوج کو انتہا سے زیادہ نقصان پہنچا تھا اور بڑے بڑے بہادر کام میں آچکے تھے لہٰذا خانخاناں کو مجبوراً اپنی فوج کو پیچھے ہٹانا پڑا اور آج کی بقیہ لڑائی کل کے لیئے اُٹھا رکھی گئی۔

جب خسرو انجم سپاہ یعنی شاہ خاور مغربی گھاٹیوں میں چھپکر آسمان کے نیلگوں قلعہ میں پناہ لے گیا اور طرفین کے لشکر اپنے اپنے مقامات میں جا اترے تو حوصلہ مند اور بلند نظر چاند بی بی اور سلطان بیگم کو ہمراہ لیئے ہوئے منہدم دیوار کے پاس پہنچی اور بہت سے چالاک معماروں اور بیشمار مزدوروں کو فراہم کیا یہ منظر بھی نہایت دلکش اور قابل دید تھا کہ دونوں شجاع خاتونیں گھوڑوں پر سوار تھیں اور تمام اسلحہ سے آراستہ چاروں طرف سیکڑوں دیویں دھار مشعلیں روشن تھیں اور بڑی عجلت کے ساتھ دیوار تعمیر ہو رہی تھی۔

سلطان بیگم کی بیدار مغزی کی یہ پہلی نظیر ہے کہ اُس نے اپنی عاقلانہ تدبیر سے صبح ہونے سے پیشتر اس طول طویل دیوار کو نہایت استحکامی کے ساتھ اُٹھا لیا۔

یہ نہایت حیرت کی بات ہے کہ سلطان بیگم نے باوجود اپنے محصور ہونے کے بہادر مغلوں کے منہہ پھیر دئے اور اب بڑے بڑے جوانمردوں کی طبیعتیں اس مہم سے اُچاٹ ہوتی چلیں لیکن افسوس ہے باوجود ایک معتدبہ زمانہ گذر جانیکے بعد بھی اطراف و جوانب سے اُس کی کمک و مدد پہنچنے کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں غلہ اور دیگر ذخیرہ کم ہوگیا اور آلات حرب میں کمی واقع ہوئی عجب نہ ہو کہ

چاند بی بی نے حکم دیا کہ چاندی کے گولے توپ میں بھر کر شاہی لشکر پر مارے جائیں اور جبتک حیات مستعار باقی ہے غنیم کو جواب دینے میں کوتاہی نہ کی جائے۔

اسی اثنا میں اس خبر نے انتشار پایا کہ سہیل خاں حبشی سلطان بیگم کے باپ عادل شاہ کا نائب ستر ہزار سواروں کے ساتھ محصورین کی امداد میں بیجاپور سے روانہ ہوگیا ہے اس خبر سے محصورین کو گو بہت کچھ تقویت ہوئی مگر چونکہ چاند بی بی کے امرا تنگ دل ہوگئے تھے اسلئے اُس نے شہزادہ محمد مراد کو صلح کا پیغام دیا خود شہزادہ اور اسکی تمام فوج کی طبیعت پہلے ہی سے اُچاٹ اور بفاصتہ خاطر ہو چکی تھی اور روزمرہ کی کوشش سے محاصرہ اُٹھانا ہی چاہتا تھا کہ صلح کا پیغام پہنچتے ہی جھٹ راضی ہوگیا اور باہم یہ قرار پایا کہ شاہی فوجیں قلعہ احمدنگر اور دولت آباد اور اُسکے اطراف و جوانب سے محاصرہ اُٹھالیں اور صوبہ برار اور بعض احمدآباد کے پرگنے شہزادہ محمد مراد اپنے قبضے اور تصرف میں لے آئے طرفین سے اس قرارداد پر معاہدہ ہوگیا اور شہزادہ محمد مراد و خانخاناں کے جھنڈے صوبہ برار کی طرف اُڑھکڑے ہوئے۔ شہزادہ نے برار پر اپنا قبضہ کیا اور قصبہ شاہ پور کو آباد کرکے اُسے اپنا پائے تخت قرار دیا اور مختلف پرگنے امرا کی جاگیروں میں تفویض کئے اور خود عیش و عشرت اور بڑی مقصدوری اور کامیابی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا لیکن سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہزادہ محمد مراد نے صوبہ برار میں صرف ایک سال اور چند مہینے ہی اس عیش و کامیابی میں زندگی بسر کی یعنی ۱۰۰۸ھ میں اس شاہی چمنستان کے نونہال سرو کو نیلگون آسمان کی مہمان کشی کے تقاضے سے اجل کی تیز و تند جھکڑنے جڑ سے اُکھیڑ پھینکا۔

شہزادہ کے انتقال کے بعد پھر دکھنیوں نے زور باندھا اور سب طرف سے سمٹ سمٹا کر اکثر پرگنے اور نئے قلعے اپنے تصرف میں لے لیئے اور تھوڑی تھوڑی جنگوں کے بعد شکست دیکر ہر طرف طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ اکبر شاہ جیسا حلیم الطبع اور بردبار تھا ویسا ہی آتش مزاج اور غصیلا بھی تھا اسکی طبع آتش کے لیئے دکھنیوں کی یہ بغاوت کافی تھی جوں ہی اس قسم کی وحشتناک خبریں اکبر کے گوش گزار ہوئیں فوج کو فوراً کوچ کا حکم دیدیا۔ خانخاناں کو جو شہزادہ دانیال کا خسر تھا شہزادہ موصوف کی ہمراہی میں دکھن کی مہم پر روانہ کیا۔

۱۰۰۸ھ میں اکبر شاہ نے آگرہ اور دہلی اور پنجاب کے انتظام کی باگ ڈوری شہزادہ محمد سلیم عرف جہانگیر کے ہاتھ میں تفویض کی اور خود اسی ہزار خونخوار سواروں کو ساتھ لیکر تسخیر دکن کے لیئے جھنڈے اونچے کئے۔ چونکہ راجی علی خاں کے قتل ہونیکے بعد اسکا بیٹا بہادر دل برہان پور

کا والی قرار دیا گیا تھا اور اکبر کی اطاعت و فرماں برداری جیسی اُسکے باپ سے ظہور میں آتی تھی
یہ اس میں کمی کرتا تھا اسلئے اکبر کا ارادہ ہوا کہ تا وقتیکہ قلعہ اسیر اور خاندیس کے ملک کو زیر و زبر نہ
کیا جائیگا اور اس پہاڑ کے ٹکڑے کو رستہ میں سے نہ اُٹھایا جائیگا دکھن کے پرگنوں کو مسخر کرنا مشکل
اور بہت مشکل ہوگا چنانچہ سب سے اول شہزادہ دانیال اور خان خانان کے نام فرمان جاری ہوا
کہ تم احمد نگر کی تسخیر میں کوشش کرو اور ما بدولت قلعہ اسیر کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں
اس اکبری فرمان کے موصول ہوتے ہی شہزادہ دانیال اپنے تجربہ کار اور بہادر افسر خانخاناں
کو ساتھ لیکر احمد نگر کی طرف روانہ ہوا اور ایک نہایت عاجلانہ حرکت کے ساتھ قلعہ کی دیوار
کے نیچے پہنچ گیا خانخاناں نے بڑی سرعت اور چالاکی سے حسب موقع دمدمے تیار کرائے
سرنگیں کھدوائیں اور جب ان کاموں سے فارغ ہوا تو فوج کی ترتیب و آراستگی کا حکم دیا۔
(دکھنی) اس خبر کے سنتے ہی ٹڈیوں کے دل بادل کی طرح اطراف و جوانب سے سمٹ سمٹا کر اُمڈ آئے
اور قلعہ کی دیواروں کے پیچھے سے شاہی فوج پر گولے برسانے لگے خانخاناں جو اول نمبر کا دوربین
اور پختہ کار سپہ سالار تھا اور جس نے اکبر کی وفاداری اور جان نثاری میں بڑے بڑے نازک
اور اہم مواقع میں جان تک لڑادی تھی اور اُسکی ترقی و عروج کا نہایت سچا خیر خواہ تھا اسنے اپنے
بہادر لشکر کو قلعہ پر یکبارگی حملہ کرنیکا حکم دیا مگر چونکہ چاند بی بی نے بیگم سلطان کی رائے سے قلعہ
کی استحکامی اور تحفظ کے وہ سامان جمع کر لئے تھے جو محاصرین حملہ آوروں کی مجموعی قوت سے بھی
شکست نہ پا سکتے تھے لہذا دلیر و بہادر خانخاناں کو اپنے اس ارادہ پر کامیاب نہیں ہوا لیکن
پھر بھی محصورین کی گولہ باری کا ترکی بہ ترکی جواب عین وقت پر دیتا رہا۔
شہزادہ دانیال کی شان و شوکت اور خانخاناں کی عاقلانہ تدابیر اہل قلعہ کی دلیری و بیباکی کے سامنے
کچھ کام نہ آئیں اور انجام کار انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن خانخاناں ایسے کچے دل کا آدمی
نہ تھا کہ ان خفیف سی ناکامیوں سے بزدل ہو جاتا اُس نے بڑی بے جگری سے اول یہ کام کیا کہ اپنے
خاص ارکان فوج اور تجربہ کار اور جنگ آزمودہ افسروں کو ساتھ لیکر قلعہ کی دیوار کے گرد گشت لگایا
اور کافی اندازہ کے ساتھ ایک زبردست گرد آوری کی۔
غرضکہ ایک عرصہ تک خانخاناں اس موقع کے حاصل کرنے کی کوشش و تدبیر میں مصروف رہا
کہ قلعہ کی دیوار کا کوئی ایسا حصہ اُسکے قابو میں آجائے جس سے نہایت خفیہ طور پر آسانی کے ساتھ
اُسکی فوج قلعہ میں داخل ہو جائے۔ مگر افسوس کہ اس ارادہ میں بھی اسے سراسر ناکامیابی ہوئی اور

اور اسکی وہ تمام کوششیں جو اس خیال کی تکمیل میں روزانہ عمل میں لاتا تھا بالکل بے سود جاتی تھیں بلکہ اب اُسے اس بات کا خوف تھا کہ محصورین نے کوئی خاص حملے کی کارروائی کا منصوبہ نہ گانٹھا ہو ممکن ہے کہ کسی وقت غفلت میں شاہی فوج پر چھاپہ اور شبخون مار کر فوج کو بزدل کر دیں شہزادہ دانیال اور بہادر خانخاناں کو ہم تردداًت میں چھوڑ کر قلعہ اسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جب اکبر نے اپنی عنان توجہ برہان پور کی طرف پھیری تو یہاں پہنچکر قلعہ کشا اور تجربہ کار امرا کو شہر کے محاصرہ اور جابجا مدموں کے تیار کرنے کا حکم دیا قلعہ اسیر کے بہادروں نے اپنی بے دھڑک شجاعت اور بیخوف جرارت کے خوب خوب جوہر دکھلائے اور قلعہ اسیر کی محافظت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا بیدار مغز اکبر نے ایک عظیم الشان فوج سے برہان پور پر کئی متواتر اور پے درپے حملے کئے جنکا جواب اگرچہ سرداران برہان پور نے بھی عین وقت پر دیا مگر آخر کار اکبر کی بیدار مغزی کے سامنے انکی جرارت و دلیری کچھ کام نہ آئی اسی طرح اگرچہ کبھی کبھی بہادر دل والی برہان پور نے اپنی پوری جمعیت اور کامل طاقت کیساتھ اکبری فوجوں سے سخت یکجگری اور بیباکی سے مقابلہ کیا لیکن تاہم اُسے ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی اور ان بار بار کی شکستوں اور متواتر ناکامیابیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ برہان پور کی فوجی قوت کا تمام انتظام بالکل متزلزل ہو گیا اور عام طور سے ایک عجیب کھلبلی برہان پور میں مچ گئی -

تاہم ایک مقام پر بہادر دل نے شاہی فوج کو جو دریا کی امواج کی طرح بیخوف و خطر قلعہ کا رُخ کئے ہوئے بڑھتی چلی جاتی تھی بڑی سرگرمی اور نہایت استحکام کے ساتھ روکنا چاہا اور اس معرکہ میں بڑی سخت لڑائی ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر دل کی اکثر فوج کا حصہ مغلوں کی خونریز تلواروں سے قتل کیا گیا اور بعض سرداران برہان پور گرفتار ہو گئے - بہادر دل کو اس موقع پر ایسی سخت شکست ہوئی کہ اُسکے آئے ہوئے ہواس جاتے رہے اس وقت اُسے بجز اسکے اور کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہیں آیا کہ معرکہ کو چھوڑ کر قلعہ اسیر میں جا چھپا جسے وہ مخالف سے امان پانے کے لئے ایک زبردست اور مستحکم مقام سمجھتا تھا شہنشاہ اکبر جسے نہایت سہل طور پر اپنے فتوحات کے تکمیل پہنچانیکا کافی یقین ہو گیا تھا اور جسکی ہمراہی خونخوار فوج کا ایک ایک بہادر شیر کی طرح دشمنوں کے شکار کیلئے پھر رہا تھا بڑی خونخواری اور شمشیر زنی سے ہر شخص اپنا رعب جھلاتا اور اپنی فتوحات کو نہایت سرگرمی کے ساتھ پورا کرتا آگے بڑھا چلا جاتا تھا جب قلعہ کی دیوار کے نیچے پہنچا تو اس تدبیر و کاوشش میں مصروف ہوا کہ کس موقع اور کس تدبیر سے

داخل ہونا میسر ہو سکتا ہے اگرچہ اس بارہ میں الوالعزم اکبر اور اس کے تجربہ کار ارکان نے بہت کچھ عقل پر زور دیا مگر کوئی تدبیر کار آمد اور بانتیجہ ثابت نہیں ہوئی۔

ادہر جب بہادر دل اپنے سرداروں اور بقیہ فوج کو ساتھ لیکر قلعہ میں محصور اور پناہ گزین ہوا اور اس اطمینان پر کہ اس قلعہ پر زبردست سے زبردست مخالف کو بھی کسی حال میں فتحمندی اور کامیابی نہیں ہو سکتی طرح طرح کے لہو لعب اور بیہودہ اشغال میں مصروف ہو گیا۔ کبھی کبھی قلعہ کے مورچوں سے دس بیس گولے برسا دئے اور خاموش بیٹھ گیا اُسے اس بات کا بالکل خیال نہ تھا کہ اپنے ملک کو دشمنوں کے حملوں سے بچائے نہ اس طرف ذرا توجہ تھی کہ ایسے سفاک حملہ آوروں کو جسطرح بن پڑے قلعہ کی دیوار کے متصل ٹھہرنے نہ دے آخر اس حالت کا وہ نتیجہ ہوا جو ہمارے آئندہ بیان سے ظاہر ہوگا محاصرہ کا زمانہ جوں جوں طول کھینچتا جاتا تھا محاصرین اور حملہ آوروں کا گروہ قلعہ پر قبضہ کرنے سے نا امید ہوتا جاتا تھا خود اکبر اور اُسکے فوجی سردار رات رات بھر اسبات کی کوشش میں مصروف رہتے کہ صبح کیوں قلعہ میں داخل ہو جائیں گے اور اس تدبیر سے دروازہ مسمار کر دینگے لیکن دن ہوتے ہی اُسکے یہ تمام منصوبے محض غیر نتیجہ اور بیکار ثابت ہوتے تھے کیونکہ قلعہ پر جب ہی قبضہ ممکن تھا کہ حملہ آور فوج اُسکے کسی حصہ کو مسمار کر دیتی یا اُسکے مستحکم دروازوں میں سے کوئی دروازہ توڑ دیا جاتا حالانکہ یہ دونوں باتیں غیر ممکن تھیں۔ آخر اکبر کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پناہ گزینوں کی تعداد گو زیادہ نہیں ہے لیکن رسد کی فراہمی اور بیشمار سامان خوراک کے جمع ہونے سے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور جبتک یہ نہوگا باشندگان قلعہ نہ امن و امان مانگیں گے نہ باہر نکلکر محاصر فوج کے مقابلہ میں آئیں گے لہذا اسکا مصمم ارادہ ہو گیا کہ کم سے کم دو برس تک شہر کا محاصرہ کیا جائے اگر اسکے بعد بھی ناکامی ہوئی تو محاصرہ اُٹھا کر دار السلطنت میں واپس چلا جانا چاہیئے۔

خوافی خان منتخب اللباب کا بیان ہے کہ اگرچہ یہ بات شہرت کے ساتھ عام و خاص کی زبان سے سنی جاتی ہے کہ اس محاصرہ نے قریبًا چار پانچ سال تک طول کھینچا لیکن معتبر تواریخ سے جہانتک تحقیق ہوتا ہے یہ ہے کہ شہنشاہ اکبر قلعہ اسیر کے محاصرہ میں ۱۰۰۸ھ میں مشغول ہوا اور ۱۰۱۲ھ میں قلعہ تسخیر کیا گیا اس حساب سے چار سال تک قلعہ اسیر کا محاصرہ قائم رہا۔

یہ بالکل صحیح اور مسلم امر ہے کہ جب کسی ملک و قوم کی بربادی و تباہی کا وقت آجاتا ہے تو اسکے ویسے ہی اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور اُسکے سارے بنے بنائے کام دفعۃً بگڑ جاتے ہیں۔ برہانپور کا

والی بہادر دل بڑے اطمینان کے ساتھ محصور تھا اسکے پاس علاوہ ان سامان رسد کے جو خفیہ طور سے برابر پہنچتے رہتے تھے دس بارہ برس تک کے واسطے غلہ کا کافی ذخیرہ موجود تھا جو بلحاظ دور اندیشی ایک مسلسل زمانہ سے جمع کیا گیا تھا خدا کی شان بقیہ ذخیرہ میں کیڑا لگ گیا اور اسمیں اس درجہ تعفن پیدا ہو گئی جسے آدمی تو الگ رہے جانور بھی نہ کھا سکتے تھے۔

یہ وجہ ہوئی بہادر دل کی پست حوصلگی اور مغلوب ہونیکی۔ اسی اثنا میں تمام اطراف وجوانب میں اس خبر نے نہایت شہرت کے ساتھ اشاعت پائی کہ خانخاناں کی شجاعت اور عدیم المثال عقلمندی سے قلعہ احمد نگر مفتوح و مسخر ہو گیا جس سے بہادر دل کے آئے ہوش اڑ گئے اور اب اُسے بجز اسکے اور کچھ بن نہ آیا کہ شہنشاہ اکبر کے حاشیہ نشینوں کے آگے اطاعت و فرمانبرداری کی گردن تسلیم خم کردے اور اس پرشوکت سلطنت کے ماتحتی میں رہنے کا فخر حاصل کرے چنانچہ اسکی طرف سے امن و امان اور پناہ گزینی کی تحریک ہوئی اور اکبر کی طرف سے فوراً منظور کرلی گئی عہد امان کے مستحکم و مضبوط ہو جانیکے بعد قلعہ اسیر دولت قاہرہ کے بہی خواہوں کے دست تصرف میں آیا اور سونے و جواہرات کے کثیر المقدار خزانے و دفینے قبضہ میں آئے اور فاروقی جھنڈے کی جگہ علم اکبری کا شاندار پھریرا ہوا میں اڑنے لگا۔

اس طرف شہزادہ دانیال اور اوسکا سپہ سالار خانخاناں قلعہ احمد نگر کی مہم سر کر کے اکبر سے آملے شہنشاہ اکبر نے اس فتح کی خوشی میں خاص قلعہ اسیر میں ایک عظیم الشان شاہانہ جشن کیا اور اپنے جان نثار اور بہادر افسروں کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا بالخصوص شہزادہ دانیال کو بیشمار و کثیر المقدار جواہرات اور نقد و جنس دیکر ممتاز کیا۔

جب اکبر کی فتح و فیروزی اور اقبال و دولت کے نسیم کے خوش آیندہ جھونکے اطراف ہندوستان خصوصاً دکن میں نہایت نرمی اور متانت کے ساتھ چلنے لگے تو ابراہیم عادل شاہ حکمران بیجاپور نے فتح کی مبارکبادی کے متعلق ایک تہنیت نامہ اور تہنیت نامہ کے ساتھ بہت سے عجیب و نادر تحفے شہنشاہ اکبر کی خدمت میں روانہ کئے اور ساتھ ہی یہ بھی التماس کی کہ میں اپنے پارۂ جگر بیگم سلطان کو شہزادہ دانیال کی خدمت کیلئے آپکے حضور میں ہدیۃً پیش کرتا ہوں

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سچ پوچھیے تو میرا یہ ناچیز تحفہ اس قابل نہیں کہ شہزادہ دانیال کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل کر سکے لیکن اگر بنظر غریب پروری چشم اغماض سے یہ ہدیہ قبول کیا جائے تو حضور کی

فیاضی اور عین حسن اخلاقی ہے اور اگر واپس کیا جائے تو واقعہ نفس الامری ہے۔
اولوالعزم اکبر نے ابراہیم عادل شاہ کے تمام پیشکش کردہ تحفے بڑی خوشی سے قبول کئے اور جمال الدین
حسین کو جو اکبری دربار میں ایک بڑا معزز اور ممتاز آدمی گنا جاتا تھا بیگم سلطان کے لانے کا حکم دیدیا
اسی اثنا میں شاہزادہ محمد سلیم کی شورش اور فساد انگیزی کی خبر شہنشاہ کی خدمت میں معروض
ہوئی اور بیان کیا گیا کہ جہانگیر نے دار السلطنت میں ایک بہت بڑا تلاطم مچا رکھا ہے اس وحشتناک
خبر نے اکبر کو اس درجہ پریشان کیا کہ وہ سلطان بیگم کے آنیکا بھی انتظار نہ کرسکا شہزادہ دانیال
کو خانخاناں کے سپرد کرکے اور ان ملکوں کے نسق و انتظام کی بابت ایک اجمالی فہرست تیار
کرکے جو نئے نئے اس کے تصرف میں آئے تھے شہزادہ دانیال کے حوالہ کی اور ان دونوں
کو دکن میں چھوڑ کر خود عنان توجہ آگرہ کی طرف پھیری۔
بیگم سلطان کی زندگی کے واقعات جو اس زمانہ کے بعد کے حالات سے تعلق رکھتے ہیں
اس درجہ محدود ہیں کہ اس کی لائف کا پورا خاکہ نہیں کھینچ سکتے لیکن تاہم مختلف واقعات سے
جو اسکے حالات ہمیں تحقیق ہوئے ہیں وہ لکھے جاتے ہیں۔
اگرچہ مستند تاریخی شہادت کی رو سے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ بیگم سلطان شہزادہ دانیال
کے پاس کب آئی اور اسکا نکاح کس زمانہ میں ہوا اور نکاح کے بعد کیا کیا انقلاب آئے لیکن اسمیں
ذرا بھی شبہ نہیں کہ اب ہم اسے شہزادہ دانیال کے پہلو میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ بیٹھا ہوا
دیکھتے ہیں۔ بیگم سلطان علاوہ حسن و جمال اور ظاہری خوبصورتی کے باطنی حسن یعنی علم و فضل
اور شجاعت و دلیری میں خاص امتیاز رکھتی تھی انشاپردازی لطیفہ سنجی حاضر جوابی میں ضرب المثل
تھی غرضکہ دنیاوی اعزاز کیلئے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو فطرت نے اسمیں اٹھا رکھی ہو خانخاناں بھی
یہی اوصاف اس قسم کے تھے جن پر شہزادہ دانیال جیسا تیز ہوش اور ذی وجاہت شخص بے انتہا
خاطرداری کرتا تھا۔

بی بی بائی

یہ عفیفہ پاکدامن اور بھولی خاتون شیر شاہ کی بھتیجی اور عالم شاہ کی چچا زاد
بیوی ہے اسکی دنیاوی اعزاز و جاہ اور مذہبی تقدس میں اس سے زیادہ اور
کیا کہا جاسکتا ہے کہ شیر شاہ جیسے لڑاکو اور بہادر خونخوار بادشاہ کی بھتیجی اور سلیم شاہ جیسے خونریز
و اولوالعزم کی عزیز بیگم ہے جسکے سامنے ایک دراز زمانہ تک نامور و مشہور سلاطین کی گردنیں
جھکتی تھیں اور تمام قوم و ملک میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

بی بی بائی کی سلیم شاہ کی بیگم ہونے میں تمام مورخین کا اتفاق ہے لیکن اُسکے اس مشہور معروف نام میں بہت بڑا اختلاف ہے تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ اس خاتون کا نام ماہی بائی تھا تاریخ فرشتہ والا افغانوں کی سلطنت کے واقعات لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا نام صرف بائی تھا لیکن طبقات اکبر شاہی میں جو تمام مستند مورخین کی جولانگاہ ہے بیان کیا گیا ہے کہ سلیم شاہ کی منکوحہ بیگم کا نام جسکے بطن سے فیروز خان نام لڑکا پیدا ہوا اور جسے اُسکے حقیقی ماموں مبارز خان نے دولت و حکومت کے داعیہ میں نہایت بیرحمی اور سفاکی سے قتل کر ڈالا بی بی بائی تھا، یہی مضمون صاحب منتخب التواریخ نے لکھا ہے لیکن منتخب کے ایک اصلی نسخہ میں ماتی دوسرے میں بائی لکھا ہوا ہے بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باعصمت اور عفت مآب خاتون کا نام بائی بی بی یا ماہی بی بی تھا کیونکہ باقی صورتوں میں صرف نقاط کا فرق و تفاوت ہے اور نقاط کا کم و بیش ہونا ایک معمولی بات ہے قبل اسکے کہ میں بائی بی بی کی تاریخی زندگی کے واقعات لکھوں شائقین کی دلچسپی کے لیئے مناسب ہوگا کہ سلیم شاہ اور اُسکے باپ شیر شاہ کی لائف کا سرسری اور اجمالی خاکہ دکھاؤں جس سے اُسکا حسب و نسب اور معمولی درجہ کا آدمی ہو کر ایسے اولوالعزم مرتبہ پہنچنے کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ گو میں اسکا مختصر ذکر جلد دوم میں کر چکا ہوں مگر وضاحت کے ساتھ اس موقع پر ضروری ہے معزز ناظرین سے امید ہے کہ وہ خارج البحث کا الزام نہ دینگے اور اس دلچسپ واقعہ کو شوق سے پڑھیں گے۔

شیر شاہ کا اصلی نام فرید اور اُسکے باپ کا نام حسن تھا جو روہ کے مشہور افغانوں میں سے شمار کیا جاتا تھا اور قومی تعلق سور کے ساتھ رکھتا تھا گردش فلکی اور افلاس حسن کو سلطان بہلول حسن کے قدیم وطن سے ہندوستان میں کھینچ لایا تھا۔ مورخین کو تسلیم ہے کہ حسن علاوہ دیگر فنون کے شجاعت و بہادری میں فرد اور یگانہ روزگار تھا اور اپنے زمانہ میں ایک بہت بڑا دانشمند اور عقل کا پتلا مانا جاتا تھا۔ اُسنے ہندوستان میں آکر چند سال تک قلعہ فیروزہ اور چند روز تک نارنول میں زندگی بسر کی انجام کار سلطان سکندر لودی کے عہد میں جونپور میں پہنچا اور جمال خاں کی ملازمت اختیار کی جو سکندر کے امرا میں ایک بڑا نامور اور مشہور امیر گنا جاتا تھا۔ یہاں پہنچکر اسکے اقبال کا ستارہ چمکا اور اپنی حسن خدمات اور خوش آیندہ کارگزاریوں کے صلہ میں یہ مرتبہ پایا کہ جمال خاں نے پانسو سوار اُسکے نامزد کرکے پرگنہ سہسرام اور خواص پور میں روانہ کیا اور ایک معقول جاگیر اُسکی تفویض میں کر دی۔

اصل میں حسن کے سات لڑکے تھے فرید و نظام تو ایک شریف خاندان کی اصیل عورت کے بطن سے
پیدا ہوئے تھے جو معزز افغانوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور پانچ لڑکے
جنمیں سب سے بڑا سلیمان تھا مختلف لونڈیوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے حسن سلیمان کی ماں کو
انتہا سے زیادہ چاہتا تھا اور اس لونڈی کی بے انتہا محبت کی وجہ سے فرید بہ نسبت لونڈی
بچوں کے حسن کی نگاہ میں کچھ بھی وقعت نہ رکھتا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ غیور فرید باپ کی رفاقت
کو خدا حافظ کہکر جمال خاں کے پاس جو جونپور میں پہنچا اور وہیں اپنی زندگی بسر کرنے لگا ہر چند کہ
حسن نے جمال خاں نیز فرید کو بہت سے خطوط لکھے اور اپنے پاس بلانے میں انتہا سے زیادہ کوشش کی
لیکن فرید باپ کی بے مہری سے ایسا برداشتہ ہو گیا تھا کہ اُسنے خواص پور کی طرف پھوٹکر بھی رُخ
کرنیکا ارادہ نہیں کیا اور لکھنے پڑھنے میں اپنی اوقات صرف کرنے لگا صرف و نحو اور فقہ میں کچھ ملکہ
حاصل کرکے افغانوں میں افضل الفضلا مشہور ہو گیا۔ حسن کو جب اپنے نوجوان اور قابل لڑکے کی خداداد
قابلیت و لیاقت کی اطلاع ہوئی تو خود جونپور میں آیا اور نہایت اعزاز و افتخار کے ساتھ اپنے ہمراہ لیگیا۔
سہسرام اور خواص پور کے دونوں پرگنے اُسکے حوالے کئے اور احترام و وقار میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔
فرید ایک مدت تک ان دونوں پرگنوں پر قابض رہا اور نہایت دور اندیشی کے ساتھ اپنے
فرائض منصبی کو انجام دیتا رہا حسن کی یہ کارروائی سلیمان کی ماں پر نہایت شاق و ناگوار گذری
اور اس نے فرید کی معزولی اور بجائے اُسکے سلیمان کی تقرری پر حد سے زیادہ زور دیا چونکہ حسن بات
کو اچھی طرح سمجھے ہوئے تھا کہ فرید کو جاگیر سے علیحدہ کرنا اور اُسکی جگہ سلیمان کو مقرر کرنا ایک بڑی اہم اور
خطرناک بات ہے اور مفسدہ انگیزی کے علاوہ مالی مضرت کا بہت کچھ اندیشہ ہے اسلئے وہ سلیمان کی ماں
کو بلطائف الحیل چند روز کیلئے خاموش کر دیتا اور اُس کی دلجوئی و خاطر داری میں ہر وقت مستعد
رہتا اتفاق سے فرید کو بھی ان باتوں پر اطلاع ہوئی اور مصلحت وقت نے اُسے اس عہدہ
کو خیرباد کرنے پر مجبور کر دیا حسن نے سلیمان کو اس منصب سے ممتاز کیا اور فرید کی تسلی و
دلجوئی میں حد سے زیادہ کوشش کی لیکن فرید نے باپ کے پاس رہنا مناسب نہ جانا اور آزردہ
خاطر ہو کر دوسری دفعہ باپ سے جدائی گوارا کی اور دولت خاں کی خدمت میں پہنچکر جو سلطان
ابراہیم کی حکومت کا رکن اعظم تھا ملازمت اختیار کی فرید نے چند ہی روز میں وہ کار نمایاں
ثابت ہوئے کہ دولت خاں اُسکی حسن خدمات کی انجام دہی پر حیرت کرگیا اور اُسکا ایک ایک
کام وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگا جب فرید نے دولت خاں کو اپنی طرف بہت کچھ مائل پایا تو

سوتیلی ماں کی عداوت ونفرت کی سبب باپ کی بے توجہی اور ظلم کی شکایت بیان کی اور اگرچہ اسنے اسطرف بہت کچھ زور دیا کہ جسطرح ممکن ہو باپ کی جاگیر پر قبضہ حاصل کرے لیکن حسن کی زندگی میں وہ اپنے اس مقصد پر کامیاب نہ ہوسکا حسن کے انتقال کر جانے کے بعد دولت خاں کی انتہا درجہ کی کوششوں نے پھر اُسے اس منصب پر پہنچایا اور اب وہ بلا شرکت غیرے اپنے باپ کی جاگیر پر قابض ہوگیا۔

فرید نے ان پرگنوں کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی سب سے اول یہ کام کیا کہ سلیمان اور اُسکے ہواخواہوں کو وہاں سے نکال دیا اور اپنے جانثاروں کی ترقی میں توجہ مبذول کی ہر چند کہ سلیمان نے بھی بہت سے اس قسم کے وسائل و ذرائع بہم پہنچائے کہ فرید کے قبضہ سے جاگیر نکال لیجائے لیکن سلطان ابراہیم کے عہد ترقی میں اُسے یہ بات میسر نہ ہوئی اور جہانتک اُس نے ان کوششوں میں سرگرمی کی سخت ناکامی اُٹھائی اسی اثنا میں محمد بابر شاہ کی کشورستانی کی گرم گرم خبریں افغانوں کے کانوں میں پڑیں اور اُسکے خونی جھنڈے اطراف ہندوستان میں ہیبت کا رنگ ساتھ لئے ہوئے ہوا میں جھومتے نظر آئے سلطنت افاغنہ کا روز افزوں عروج تنزل کے ساتھ بدلنے لگا اور ادبار و زوال کا خاتمہ افغانوں کے نام ہم ہوتے دکھائی دیا۔ فرید بلحاظ دوراندیشی اپنی جاگیر سے علٰحدہ ہو کر بہادر خاں لوہانی کی خدمت میں پہنچا اور اُسکی فوج میں بھرتی ہوگیا۔

بہادر خاں لوہانی جسنے آئندہ اپنے لئے سلطان محمد کا خطاب تجویز کیا اُنھا دنوں صوبہ بہار میں اُسکی سلطنت کے پھریرے ہوا میں لہریں لے رہے تھے اور رعب و شوکت ان اطراف کے تمام جانبازوں اور بہادروں کے دلو نمیں گڑ گئی تھی۔ فرید نے سلطان محمد کی فوج میں بھرتی ہو کر بڑے بڑے خطرناک معرکوں میں اپنی شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھلائے کہ سلطان محمد جیسے شیر دل بادشاہ کا دل ایک بے اختیاری جوش کے ساتھ اُسکا فریفتہ ہوگیا اور اُس نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے اپنی فوج کے ایک اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ سلطان محمد کو شکارگاہ میں ایک شیر سے مقابلہ کرنے کا اتفاق پڑا شیر نے سلطان محمد اور اُسکے ساتھیوں پر حملہ کیا قریب تھا کہ یہ لوگ شیر کے پنجہ قہر میں گرفتار ہوجائیں کہ فرید نے نہایت دلیری سے تلوار کی پہلی ہی ضرب میں اُسکا کام تمام کر دیا۔

سلطان محمد نے فرید کی اس جمیل شجاعت اور عدیم المثال جوانمردی کی داد دی اور ایک قیمتی خلعت عطا کر کے شیر خاں کے خطاب سے ممتاز کیا اور اپنے بیٹے فرزند جلال خاں کو وکیل سلطنت مقرر

کرکے اُسے اُسکی حکومت میں روانہ کیا اور اُس کی موروثی جاگیر کے علاوہ ایک اور نہایت زرخیز جاگیر اُسکے قبضہ میں دی۔ چند روز کے بعد شیرخاں نے رخصت حاصل کی اور اپنی جاگیر کا بڑی خوبی اور صفائی سے انتظام کیا اور زمانہ رخصت سے کچھ زیادہ مقیم رہا۔ یہاں سلطان محمد نے شیرخاں کو یاد کیا اور اُسکے تاخیر کرنیکی شکایت زبان پر لایا۔ محمد خاں جو جونپور کا ایک نامور حاکم تھا اور مدت سے سلیمان کے بار احسان نے اُسکی گردن نیچے کر رکھی تھی ایک عرصہ سے وقت کا منتظر تھا یہ موقع اُسکے حق میں نہایت مبارک تھا شیرخاں کی اوباشی طرز بھائیوں پر ناحق ظلم کرنیکی حکایت حقداروں کو ارث پدری سے محروم رکھنے کا قصہ کچھ ایسے پر اثر اور زور کے الفاظ میں شکایتاً بیان کیا جنکا اثر سلطان محمد کے دل میں بجلی کی طرح دوڑ گیا۔

سلطان محمد شیرخاں کی ان نامناسب اور نفرت انگیز بیہودگیوں کو سنکر جنہیں درحقیقت بہت سی بے اصل شکایتوں کا حاسدانہ روغن چڑھا کر چمکایا گیا تھا ایسا برافروختہ ہوا کہ فوراً سلیمان کی مدد میں کافی جمعیت روانہ کی اور شیرخاں کو دھمکی کے لفظوں میں لکھا کہ اپنی تمام جاگیر کو برادرانہ تقسیم کردو۔ ممکن تھا کہ شیرخاں کے دل پر اس فرمان کا بہت کچھ اثر پڑتا لیکن اُسنے بے دھڑک ہوکر صاف طور پر جواب دیدیا کہ یہ روہ کی حکومت و ولایت نہیں ہے جسکے حصے بخرے لگائے جائیں اور متروکہ زر و مال نہیں ہے جسمیں حقوق ارث جاری کئے جائیں سلاطین تاجداروں کی ملازمت میں جو اعزاز و انعام حاصل ہوتا ہے اُسکا دارومدار خوش قسمتی و اقبال مندی پر ہوا کرتا ہے یا حسن خدمت غرضکہ اس بحث و گفتگو نے یہانتک طول کھینچا کہ جو فوج کا دستہ سلیمان کی مدد میں نامزد کیا گیا تھا اُس نے شیرخاں کو ایک زبردست شکست دیکر جاگیر سے بھگا دیا۔ لیکن شیرخاں نے روز اول ہی سے کچھ ایسی مضبوط اور قوی طبیعت پائی تھی کہ باوجودیکہ اُسے روزمرہ طرح طرح کی آفات کا سامنا کرنا پڑا اور اُس پر مصیبت کا لشکر ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑا سارا جاہ و جلال چشم زدن میں تاراج لیکن پھر بھی وہ قسمت آزمائی سے کبھی نہیں ہچکچایا۔

اس شکست کے بعد اُسنے اپنے تئیں سلطان جنید برلاس کے پاس پہنچایا اور وہاں سے کافی مدد لیکر فوراً اپنی جاگیر کی طرف روانہ ہوا اور بڑی خونریزی اور کشت و خون کے بعد اپنی جاگیر کو پھر قبضہ میں لایا اور ساتھ ہی محمد خاں حاکم جونپور کی جاگیر کو بھی اپنی فتوحات میں شامل کرلیا لیکن اسکے ساتھ ہی استغنا کی یہ مروت برتی کہ محمد خاں کی جاگیر میں سے ایک کثیر التعداد فوج جو اسکے قدیم عالموں نے غنیمت کرلی تھی واپس کرکے مع زر اصل اور اضافہ محمد خاں کے پاس بھیجدیا اور چند روز

بعد جاگیر سے بھی دست بردار ی کر کے معذرت کی کہ میرا اصلی مقصود اپنے باپ کی جاگیر ہی پر
متصرف ہونے کا تھا ماتحتوں کی تھوڑی سی غلطی سے یہ بے ادبی ظہور میں آئی جسکی معافی کی درخواست
کرتا ہوں محمد شیرخاں کی اس علو ہمتی اور فیاضی پر تعجب کرنے لگا اور اپنی سابق کی بزدلی اور نامردی
کو غور کر کے نادم ہوا۔

القصہ شیرخاں نے سلطان جنید کے ہمراہی میں محمد بابر بادشاہ غازی کی خدمت میں حاضر ہو کر
روشناسی کا اعزاز و افتخار حاصل کیا اور چند روز تک حاضر رہکر سلطنت مغلیہ کے اطوار اور قوانین
حکومت سے بخوبی واقفیت پیدا کرلی اب گاہے گاہے اسکی زبان پر یہ الفاظ آنے لگے تاکہ
مغلوں کے انتظام اور انکے اندازہ روش پر جب سرسری نظر ڈالی جاتی ہی تو ایک صحیح اندازہ کرنے
والا کافی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ انہیں ہندوستان سے نکال دینا کوئی مشکل امر نہیں ہی گو
اُسکے رفیق ان مہمل الفاظ کو جو ایک مجنون کی بے معنی بڑسے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ مضحکہ
میں اڑاتے اور اُسے تمسخر و ہذیان کی طرف منسوب کر کے مطعون کرتے لیکن اُسکے دل پر اس قسم
کے خیالات نے ایسے گہرے نقوش کرلئے تھے جو مٹانے سے بھی مٹ نہیں سکتے تھے اور جستہ جستہ
یہ ناگوار و غیر مفید ترانہ اُس کی زبان سے بیساختہ نکل ہی جاتا تھا وہ اپنے ہمصحبتوں میں دلیل
کی شہادت سے بیان کرتا تھا کہ چونکہ مغلیہ سلطنت ترک و احتشام کے اسباب و نمود آرائی و تن
پروری کے سامان فراہم کرنے میں اس درجہ محو ہی کہ سب نے اپنے کلی و جزئی امور کی باگ مرتشی
امراء کے ہاتھ میں دیدی ہے اور خود معاملات سے ناواقف محض ہیں پس اگر تقدیر تدبیر کے
موافق پڑ جاسکے تو انکی ملکی و انتظامی امور کے ارکان ادنی تحریک سے متزلزل ہو سکتے ہیں
اب شیرخاں کی یہ بیہودہ گوئی خاص خاص جلسوں سے نکلکر عام میں پھیلائی جانے لگی اور اسکی گستاخی
و تمردی اور باطن دشمنی وغیرہ کی شکایت ہمایوں بادشاہ سے کی گئی۔ حوصلہ مند اور عالی ہمت
بادشاہ نے بجز اسکے اور کوئی کارروائی نہیں کی کہ اسے لشکر سے نکال دینے جانیکا حکم دیا شیرخاں
چونکہ اس واقعہ پر مطلع ہوا فوراً لشکر سے مفرور ہو کر اپنی قدیم جاگیر میں آ رہا اور وہاں سے
پھر کسی طرح سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط بندگی بجا لاکر اسے اپنا گرویدہ کرلیا۔
ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ سلطان محمد کا انتقال ہو گیا۔ اس کا انتقال گویا شیرخاں کی
کامیابی اور فتحمندی کا مقدمہ یا پیش خیمہ تھا اُسکے دنیا سے منہ موڑتے ہی ارکان دولت نے
سلطان محمد کی وصیت کے بموجب اختیار حکومت کی باگ بی بی دودو یعنی جلال خاں کی ماں اور شیرخاں

کے سپرد کی اور اتفاق حسنہ کہ جلال خاں کی ماں اپنے معزز شوہر کے انتقال کے بہت ہی تھوڑے عرصہ بعد اُسکے سرہانے جا سوئی اسکے بعد شیر خاں مستقل حکمراں قرار دیا گیا۔ مسجدوں میں خطبے اور قلعوں پر جھنڈے اُسکے نام کے گاڑے گئے اور مروجہ سکہ اسی کے نام پر ڈھالا جانے لگا۔

اسی زمانہ میں والی بنگالہ اور حاکم بہار میں کوئی جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا اور رفتہ رفتہ محاربت کی نوبت پہنچی بس چھیف بہانہ شیر خاں کی طبع آزمائی کیلئے کافی تھا شیر خاں کے مقابل کا لشکر جو تعداد میں بھی کم تھا اور کچھ ایسا خونریز و جرار بھی نہ تھا جیسے شیر خانی فوج۔ اُس نے مقابلہ کرتے ہی بار بار شکست اُٹھائی اور ہر دفعہ ناکامیاب رہا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر خاں کو کئی بار کی خونخوار اور عظیم الشان لڑائیوں کے بعد نمایاں فتح حاصل ہوئی اور کثیر التعداد معمور خزانے بیشمار سجے سجائے ہاتھی نہایت قیمتی طرح طرح کے جواہرات جو تجمل و سلطنت کے لوازمات میں ہیں شیر خاں کے ہاتھ لگے۔

شیر خاں خود بھی زبردست اور مستقل ارادہ کا آدمی تھا اور جو لوگ اُسکے ساتھ تھے انمیں اگر سب نہیں تو بعض ضرور ایسے تھے جو بڑی وفاداری اور جان نثاری سے اُسکا ساتھ دیتے اور ہر سخت اور خطرناک موقع پر اسکی ترقی و بہبودی میں جان تک لڑا دیتے تھے جو وقت بہار و شیر خاں جلال خاں کے مقابلہ سے عاجز ہو کر ایک مضبوط قلعہ میں محصور ہو گیا تھا تو یہ لوگ اس کے بڑے کام آئے تھے اور اس کی مدد میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی تھی چونکہ شیر خاں کے اقبال کا ستارہ اسوقت آسمانی افق میں شہاب ثاقب کی طرح چمک رہا تھا اور اسکا روز افزوں عروج اوج کمال پر پہنچ گیا تھا لہذا جلال خاں پر اُسے فتح حاصل ہوئی۔ جلال خاں کمال پریشانی اور بے سروسامانی کے ساتھ شکست کھا کر بھاگا اور اُسکے لشکر کا ایک معتد بہ حصہ تلوار سے کاٹ ڈالا گیا۔ اس موقع پر شیر خاں نے بڑی آزادی اور سفاکی سے قتل و غارت کے ہاتھ پوری طاقت کے ساتھ دراز کیئے اور صدہا گھروں کو بے چراغ کر دیا۔

اس لڑائی میں جو مال و دولت اور خزانہ و جواہر شیر خاں کے ہاتھ لگا اُسکا کافی معیار کسی طرح نہیں بتایا جا سکتا جب صوبہ بہار اور اُسکے بعض اطراف پورے طور پر قبضے میں آچکے تو شیر خاں کی خوش قسمتی سے ایک اور تازہ شگوفہ کھلا تاج خاں نامی سلطان ابراہیم کی طرف سے چنار کا قلعہ دار تھا اور اُسکے نکاح میں ایک نہایت حسین و خوبصورت عورت تھی جو ترکمان کی مشہور قوم میں سے شمار کی جاتی تھی اور جس کا نام

لاڈ ملک

یا دو ملکہ تھا یہ عورت اگرچہ نا قابل اولاد تھی لیکن تاج خاں اُسکے ساتھ اس درجہ موافقت و محبت تھی جسکے باعث محسود زمانہ ہو گیا تھا بالخصوص اُسکے لڑکے اسوجہ سے نہایت نجیدہ تھے اور لاد ملک کے نام کو صفحہ دنیا سے مٹا دینے کے درپے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ تاج خاں کا ایک لڑکا موقع فرصت پاکر لاد ملک کے سر پر تلوار علم کئے ہوئے آفت ناگہانی کی طرح پہنچا اور نہایت برہمی کے ساتھ تلوار ماری اگرچہ بدنصیبی سے تلوار اوچھی لگی اور لاد ملک کے کاری زخم نہ آیا لیکن پھر بھی محل کے ہر چہار طرف سے ایک مہیب شور و غل کی آواز پیدا ہوئی تاج خاں بڑی تیزی کے ساتھ اپنے ناخلف لڑکے کے سر پر جا پہنچا۔ چاہتا تھا کہ تلوار کی ضرب سے فوراً اُس کا کام تمام کر دے لیکن پدری رحم مانع آیا اور اُسکی تلوار اُٹھی کی اُٹھی رہ گئی۔ اُسکے مقابلہ میں ناعاقبت اندیش لڑکے نے سبقت کی اور تلوار کے تابڑ توڑ وار کرنے شروع کر دیئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تاج خاں اُسکے ہاتھ سے جانبر نہ ہو سکا۔

اس زمانہ میں شیر خاں کے اقبال کا ستارہ خوب چمک رہا تھا اُسنے میرزا احمد ترکمان کے مشورے سے تاج خاں کے لڑکوں کو گرفتار کرا کے قید کر دیا اور لاد ملک کی عدت گذر جانے کے بعد اُسے اپنے نکاح میں لے آیا۔ تاج خاں کا تمام متروکہ اور قلعہ میں جس قدر اسباب سلطنت موجود تھا سب اُسکے ہاتھ لگا۔ جس سے اُسے بہت بڑی مدد ملی اور اُس کی پشت اور بھی قوی ہو گئی اب بہار و بنگالہ کے اطراف نمبردار اُسکے ہاتھ آنے لگے اور روز بروز اسکی عظمت ترقی کرنے لگی۔

صوبہ بنگالہ میں شیر خاں نے جب تلوار علم کی ہے تو ہزاروں آدمی بڑی بیرحمی سے قتل کئے گئے ہیں۔ ملک اودھ میں ایک بڑی خونریزی ہوئی اور ایک عظیم الشان جنگ سے تمام جنگل میں خون دریا کی طرح بہنے لگا۔

اسی اثنا میں سلطان سکندر کا بیٹا سلطان محمود جو ہمایوں کے خونخوار لشکر سے شکست کھا کر ان اطراف میں مدت تک سرگردان و پریشان پھرتا تھا شیر خاں نے اُس سے اتفاق کر لیا اور جونپور میں پہنچکر ہمایوں بادشاہ کے صوبہ داروں کو بہت بڑی شکست دی اسکے بعد اُس نے یہاں سے اپنی عنان توجہ لکھنؤ کی طرف پھیری اور درمیانی صوبوں کو جلد جلد فتح کرتا ہوا لکھنؤ تک بڑھا چلا گیا۔ لکھنؤ کا صوبہ اگرچہ بظاہر نہایت سخت معلوم ہوتا تھا لیکن جب یہاں شیر خاں کی تلوار چمکی تو بہت جلد ان اطراف میں افغانی جھنڈا ہوا میں جھومنے لگا۔

ہمایوں بادشاہ افاغنہ کی سرکشی و تمردی کی گرما گرم خبریں سنکر سلطان محمود کے مقابلہ میں آیا

جب دونوں طرف کے لشکر صف آرا ہوئے اور جنگ کی آگ جانبین سے بھڑک اٹھی تو شیر خاں نے بابر بادشاہ کے حق میں نمک اور موروثی عبودیت کو ملحوظ رکھکر ہمایوں کو پیغام دیا کہ چونکہ حضور کے قدیم احسان و تفضلات کے بارسے میری گردن اونچی نہیں ہو سکتی ہے اسلیے میں آپکو اطمینان دلاتا ہوں کہ عین لڑائی کے موقع پر میدان سے الگ ہو جاؤں گا اور میری علیحدگی کی وجہ سے غالباً فوج افاغنہ شکست کھا کر مفرور ہو جائیگی چنانچہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہوئی تو شیر خاں نے کہنے کے مطابق عمل کیا سلطان محمود شکست کھا کر بھاگا اور اپنے تئیں زمینداروں کی پناہ میں پہنچایا سلطان محمود نے یہ ٹھوکر ایسی کھائی تھی کہ پھر سلطنت کی ہوس اسکے دل میں کبھی نہیں ہوئی تھوڑے دن ایک گوشہ میں بیٹھکر زندگی بسر کی اور بہت قلیل عرصہ میں دنیا سے کوچ کر گیا ہمایوں شاہ بانیل مرام آگرہ کی طرف متوجہ ہوا اور میرزا ہندی بیگ کی ماتحتی میں کچھ فوج دیکر شیر خاں کی طرف روانہ کیا کہ قلعہ چنار سے دست برداری کرے۔ شیر خاں نے میرزا ہندی بیگ کو بہ لطائف الحیل شیشہ میں اتار لیا اور اُسے ناکامی کے ساتھ آگرہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ ہمایوں خود قلعہ چنار کے تسخیر کے ارادہ سے اس طرف متوجہ ہوا۔ شیر خاں کو جب یہ معلوم ہوا تو اُسنے اپنے لڑکے قطب خاں کو شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور ایک عرضی جو نہایت لجاجت و سماجت سے مملو اور کلمات عاجزانہ سے پر تھی اور جسمیں طرفین کے باہمی حقوق کی طرف اشارہ کیا گیا تھا قطب خاں کی معرفت بادشاہ کی خدمت میں پیش کی چونکہ اسوقت ہمایوں کو احمد آباد کی مہم سر کرنا تھی اس لیے وہ قلعہ چنار سے اغماض کر کے احمد آباد روانہ ہو گیا شیر خاں اپنی خوش قسمتی سے بہت خوش ہوا اور یہ موقع غنیمت پاکر بہار و بنگالہ کے حکام از سر نو متواتر اور پے درپے لڑائیاں شروع کر دیں۔ سلطان محمد بنگالی اور اس طرف کے بہت سے سرداروں کو زخمی کیا اور انہیں تھوڑی شکست دیکر اکثر مشرقی حصے اپنے تصرف میں لے آیا۔ غرضکہ یہ جب بنگالہ کے مشرقی حصوں کو اپنی فتوحات میں شامل کر چکا تو اب اسکی حریص نظریں قلعہ رہتاس پر بڑے شوق سے اُٹھیں اور وہاں کی مقناطیسی ہوائیں دفعتاً شیر خاں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ قلعہ رہتاس رہتک۔ دہلی اور بنگالہ کے کسی تاجدار کے تصرف میں نہ آیا تھا اور اسکی تسخیر کی طرف کسی کا ارادہ نہ ہوا تھا۔ قلعہ رہتاس کی زرخیزی اور حشمت انگیز حالت سنکر شیر خاں کے منھ میں پانی بھر آیا اور وہ اُسکے فتح کرنیکی تدبیریں سوچتا رہا۔ انجام کار اُسنے راجہ ہرکشن کو جو اسوقت رفعت قلعہ کا موروثی حاکم کہا جاتا تھا پیغام دیا کہ آج کل مغلوں نے تمام ہندوستان میں ایک تلاطم برپا کر رکھا ہے اور میری

ملک سلطنت سے مجھے محروم کرنا چاہتے ہیں یہ بات بالکل ظاہر ہوئی کہ اگر یہ ملک تیموری خاندان کے تصرف میں آ گیا تو پھر قلعہ کا آپکے تصرف میں رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ سخت محال نظر آتا ہے اس وقت میرے خیال میں ایک نئی بات پیدا ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ میں اپنی ناموس اور خزانہ کے تحفظ کیلئے کوئی امن اور جائے پناہ نہیں رکھتا ہوں اسلئے چاہتا ہوں کہ اگر آپ میرے اہل و عیال کو مع اس خزانہ کے جسے میں ہمراہ لیتا نہ خلاف رائے صواب سمجھتا ہوں قلعہ میں جگہ دیں تو نہایت اطمینان اور فراغت سے مغلوں کا مقابلہ کروں اور اُن کے ان بھڑکتے ہوئے شعلوں کو جو میرے اور آپکے ملکوں کو ستم زدن میں جلا کر خاک کر دینے والے ہیں آب تلوار سے بجھا دوں اگر میں اس صورت میں فتحیابی کے ساتھ واپس آیا تو مدت العمر آپکے اس انسانی ہمدردی کا مرہون و ممنون رہونگا اور اگر قضیہ میرے خلاف ہوا تو میری روح کو اس سے بڑھکر اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ میرے اہل و عیال مغلوں کے دست تصرف سے محفوظ رہیں گے اور میرے ناموس آپکے پاس محافظت سے رہ سکیں گے ۔

راجہ پرکشن اول اول شیر خاں کی اس التماس کو قبول کرتے ہوئے ہچکچایا لیکن پھر زر و مال کی طمع سے اُسے بجز اسکے اور کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہ پڑا کہ شیر خاں کے التماس کو بخوشی منظور کر لے اس نے فوراً اجازت دیدی کہ اپنے تمام قبائل اور مال و اسباب کو قلعہ میں بھیجدو اور مطمئن ہو کر اپنے ارادہ کی تکمیل میں کوشش کرو شیر خاں نے جب دیکھا کہ راجہ پر میرا افسوں چل گیا تو اس نے اول بڑی فیاض دستی اور حوصلہ مندی سے راجہ کے تمام کارپردازوں یہانتک کہ دربانوں تک کیلئے طرح طرح کے بیش قیمت تحفے اور ہدیے روانہ کئے اور ظاہر کیا کہ چونکہ مجھے ایک نہایت خطرناک مہم کا سر کرنا منظور ہے اور نہیں معلوم کہ اسکا انجام کیا ہونا ہے اسلئے آپ لوگوں سے گذارش ہے کہ میری ناموس کو میری حیات میں اور نیز مرنے کے بعد اپنا خدام تصور کریں جب شیر خاں اپنے ان تمام منصوبوں میں کامیاب ہو چکا تو ہزار ڈولے مرتب کئے جنکے پردے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز تھے ہر ڈولے میں بے ڈاڑھی مونچھ کے دو دو جوان زنانہ لباس سے آراستہ کر کے بٹھلائے گئے تھے انکے علاوہ چند اور ڈولے تھے جنہیں مسن اور عمر رسیدہ اشخاص قیمتی زیور اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے بیٹھے تھے اور جنکی نسبت یہ مشہور کیا گیا تھا کہ ان میں شیر خاں کی مائیں دادیاں پھوپیاں وغیرہ خاندانی خواتین جا رہی ہیں ڈولے کے ہر شخص کے پاؤں تلے نہایت تیز اور آبدار تلواریں رکھدی گئی تھیں اور ہر ڈولے کے دائیں بائیں خدام دو دو رہتے تھے جنکے سروں پر کپڑوں کے بقچے موجود تھے یہ بقچے اگرچہ بظاہر مع اور

حریص نظروں میں نقد و جنس کی تھیلیاں معلوم ہوتی تھیں لیکن حقیقت میں مصالح جنگ اور آلات حرب سے پُر تھے جب اس طرح تمام ڈولے قلعہ کے دروازہ میں پہنچ چکے تو شیر خاں اپنی ہمراہی میں بہت سے پختہ کار اور کار آزمودہ سوار لیکر عورتوں سے رخصت ہونے کی شہرت دیکر دروازہ پر آ کھڑا ہوا ڈولے قلعہ کا ایک دروازہ طے کر کے جوں ہی دوسرے دروازہ پر پہنچے نوجوان ڈولوں میں سے کود کود کر شمشیر زنی کرنے لگے چشم زدن میں دربانوں کو قتل کر ڈالا اور قلعہ کا دروازہ اپنے تصرف میں لے لیا ادھر شیر خاں اپنی خوش قسمتی پر نہایت زیادہ خوش ہوا اور فتح کا نقارہ بجاتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا۔ اندر جاتے ہی اُس نے لشکر کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ بیرحمی سے قتل عام کا حکم دیدو غافل راجپوتوں کی گردنیں اڑنے لگیں اور افغانیوں کی خونریز تلواروں نے بڑی سفاکی سے قلعہ کے لاڈوں میں پلے ہوئے بچوں کو خون میں نہلا دیا۔ کوئی تین چار گھنٹہ تک یہ قیامت زا حادثہ قلعہ میں برپا رہا اور شیر خاں کی قہر آلود نظریں اس عام قتل و غارت کو پُر شوق تمناؤں سے تکتی رہیں۔

راجہ ہرکشن اپنی ماں کا پیرا آگاہی پاکر بصد خرابی و پریشانی قلعہ سے مفرور ہو گیا اور ایسا پر رفعت اور عظیم الشان قلعہ نہایت آسانی کے ساتھ افاغنہ کے دست تصرف میں آ گیا اس قلعہ کی تسخیر کی وجہ سے شیر خاں کو بہت بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اب اس کی فتوحات نے چاروں طرف ہاتھ پاؤں پھیلائے جس بیجگری اور بہادری سے اُس نے آیندہ فتوحات حاصل کی ہیں اُنکے پُر فخر اور قابل قدر واقعات سے تاریخ کو زینت ہے جس زمانہ میں ہمایوں شاہ نے اپنی عنان توجہ سندھ کی طرف مائل کی اور شیر خاں اسکا تعاقب کرتا ہوا اٹک ہو سکا پہنچا تو اس نے پنجاب کا تمام ملک اپنے تصرف میں لیا اور اس سرزمین میں ایک بہت بڑا قلعہ تیار کرا کے خواص خاں اور ہیبت خاں کو یہاں کا جاگیردار مقرر کیا اور خود آگرہ کی تسخیر کے ارادہ سے آگے بڑھا ۱۵۴۰ء میں آگرہ پہنچا اور یہاں کے انتظام و بندوبست سے فارغ ہو کر مالوہ اور گوالیار کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔

جب گوالیار والوں نے دیکھا کہ شیر شاہ ادھر چلا آرہا ہے تو انھوں نے اپنے شہر کی دیواروں کے پیچھے پناہ لی لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ شیر شاہ کی خونریز تلوار سے کسی کو پناہ مل سکے اکثر لوگ بیرحمی کے ساتھ قتل کئے گئے اور بہت سے زندہ گرفتار ہو کر آئے گوالیار کے مفتوح ہونے کے بعد شیر شاہ یہاں سے ایک عظیم الشان لشکر لیکر برابر قتل و غارت کرتا ہوا مالوہ میں پہنچا لیکن یہاں قتل عام نہیں ہوا مالوہ والوں کی خوش قسمتی تھی کہ مالوہ کا حاکم ملو خاں نے شیر شاہ کی اطاعت قبول کی اور شہر سے باہر نکلکر استقبال کیا لیکن جب مالوہ شیر شاہ کے تصرف میں آ گیا تو ملو خاں نے یہاں سے راہ فرار اختیار کی

شیر شاہ نے حاجی خاں کو مالوہ میں چھوڑا اور خود قلعہ رنتھمبور کی طرف متوجہ ہوا۔ ملو خاں کیلئے یہ موقع بہت اچھا تھا فوراً کثیر التعداد سواروں کا ایک گروہ ساتھ لیکر پھر مالوہ میں آیا اور تھوڑی سی جنگ کے بعد حاجی خاں کو شکست دیکر مالوہ پر قابض ہوا۔

شیر شاہ قلعہ رنتھمبور پر پہنچکر سلطان محمود کے ارکان دولت سے گتھ گیا اور صلح کے ساتھ قلعہ پر متصرف ہو گیا قلعہ میں آیا اور بقائے امن و حفاظت کا مستحکم وعدہ کیا یہاں سے آگے بڑھنے کا قصد شیر شاہ نے نہیں کیا اور آگرہ واپس آیا۔ اسے آگرہ میں ایکہی سال گذرا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ پورن مل راجپوت نے قلعہ رائے سین کے اطراف میں سرکشی کا جھنڈا اونچا کیا ہے اور بغاوت کی آگ ہر چہار طرف بھڑکا رکھی ہے شیر شاہ اس وحشت ناک خبر سے نہایت برافروختہ ہوا اور پورن مل کی گوشمالی کے ارادے سے قلعہ رائے سین کی طرف روانہ ہو باغی فوج نے جیسے ہی سُنا کہ حملہ آور گروہ آتا ہے تو قلعہ میں محصور ہو گئی اور شیر شاہ نے اپنی خونخوار فوج کو قلعہ کی دیواروں کے نیچے ڈالکر چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا شیر شاہ قلعہ کا کوئی حصہ مسمار کرنے یا اسکے دروازہ کے ڈھانے کے متعلق جس قدر تدبیریں استعمال میں لایا سب میں ناکامی اٹھائی انجام کار مصلحت وقت اس میں دیکھی گئی کہ راجہ پورن مل سے بقائے امن و حفاظت کا مستحکم وعدہ کیا جائے اور پیغام صلح دیکر قلعہ کو اس سے لے لیا جائے چنانچہ ایسا کیا گیا اور جانبین سے عہد و پیمان ہو گئے لیکن شیر شاہ کی جوشیلی طبیعت اور اس کی اولوالعزمی نے اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا فضلائے زمانہ سے اس بارہ میں فتویٰ حاصل کیا اور جبکہ پورن مل باہمی عہد و پیمان پر مطمئن ہو کر بالکل غافل تھا شیر شاہ ایک عظیم الشان لشکر سے قلعہ رائے سین پر حملہ آور ہوا پورن مل اگرچہ شیر شاہ کے اس ناگہانی حملہ سے محض غافل تھا لیکن پھر بھی اسنے اس بے سر و سامانی کی حالت میں چار ہزار بہادر راجپوت اپنے پاس جمع کر لیے اور بہت سے ہاتھی فراہم کر کے آمادہ جنگ ہوا۔

لیکن سب سے پہلے اسنے یہ کارروائی کی کہ اپنے تمام بچوں اور عورتوں کو سخت بیرحمی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا اور خیمہ و خرگاہ مال و اسباب میں آگ دیکر بہیئت مجموعی اپنے تئیں شیر شاہ کے سر پر پہنچایا اور غل مچاکر کہا او غدار و بد عہد پٹھانو! تمہاری فریب اور دغا کی سزا تمہیں ابھی مل جاتی ہے یہ دیکھکر شیر شاہ کی فوج ہوشیار ہوئی اور سینہ بسینہ جنگ کرنے کو مستعد ہو گئی پورن مل نے اس معرکہ میں جس شجاعت و بہادری کے جوہر دکھلائے ہیں اُسکی چمک تاریخی صفحات پر ابتک موجود ہے۔

الغرض یہ جنگ کئی روز تک برابر ہوتی رہی اور ہزاروں راجپوت و افغان تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے شیر شاہ کو متواتر شکستیں ہوئیں اور بہت سے کاری زخم بدن پر آئے لیکن پھر بھی خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آخر کار شیر شاہ ہی کی فتح رہی پورن مل بہت سے راجپوتوں کے ساتھ عین معرکہ میں افغانوں کی تلواروں کا لقمہ ہو گیا اور بقیۃ السیف راجپوت ادہر ادہر بھاگ گئے شیر شاہ فتح کے نقارے بجاتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا مگر یہاں کچھ زیادہ مال اسکے ہاتھ نہیں لگا۔ کیونکہ پورن مل نے حملہ کرتے وقت قلعہ کے تمام مال و اسباب میں آگ لگادی تھی۔

اسکے بعد پھر شیر شاہ آگرہ میں آیا اور چند روز قیام کر کے مارواڑ کی طرف روانہ ہوا مارواڑ کا راجہ جس کا نام راجہ مالدیو تھا اور پچاس ہزار راجپوت سوار جنکی شجاعت و جرارت کی شہرت عام طور پر پھیلی ہوئی تھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ کامل ایک مہینے تک اجمیر کی سرحد میں جنگیں ہوتی رہیں طرفین کے بیشمار آدمی تہ تیغ ہوئے اور شیر شاہ کو مالی نقصان بہت کچھ پہنچا لیکن آخر کار اقبال کی یاوری سے وہ سامان پیدا ہو گئے جسکی وجہ سے اسے مارواڑ کی فتح نصیب ہوئی چونکہ مارواڑ کی سرزمین باجرہ کے علاوہ اور غلہ سے خالی تھی اسلیئے وہ مارواڑ کی فتح سے زیادہ خوش نہیں ہوا بلکہ بار بار نہایت تاسف سے کہا کرتا تھا کہ افسوس میں نے باجرہ کی ایک مٹھی کی خاطر ہندوستان کے مفتوحہ ملکوں کو خیر باد کیا۔

مارواڑ کے انتظام کے بعد اس نے قلعہ چتوڑ پر لشکر کشی کی اور بڑے تردوات کے بعد باہم مصالحت ہو گئی سکہ اور خطبہ شیر شاہ کے نام پر قرار دیا گیا اور رانا کو باجگذار تابعدار بنکر رہنا پڑا اسکے بعد وہ قلعہ کالنجر کی طرف بڑھا۔ یہاں کا حکمران اسکی وہ بدعہدی اور غداری جو راجہ پورن مل اور دیگر افغانوں کے ساتھ ظہور میں آئی تھیں سن چکا تھا اسلیئے وہ قلعہ میں محصور ہو گیا اور میدان میں کبھی مقابلہ نہیں کیا گو پورے چھ مہینے تک شیر شاہ محاصرہ کیئے رہا لیکن بجز ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا
ایک دن کا ذکر ہے کہ قلعہ کالنجر کے حکمران نے محاصرہ سے تنگ ہو کر اپنے فوجی افسروں کو جمع کر کے حملہ آور فوج سے مقابلہ کرنیکی بابت مشورہ کیا۔ لوگوں نے رائے دی کہ قلعہ ہی میں رہکر حملہ آور فوج کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ ایسی مختصر بلکہ بے سر و سامان فوج میدان میں کچھ کام نہیں دے سکتی ایک سردار نے کہا کہ دشمن کی فوجیں قلعہ تک پہونچ گئی ہیں اور عرصہ سے محاصرہ کیئے ہوئے ہیں مجھے خوف ہے کہ کہیں قلعہ کے لوگ مخالف فوج کا غلبہ دیکھکر ہمپر لوٹ پڑیں اسلیئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ سے باہر نکلکر غنیم سے مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ راجہ کالنجر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا شیر شاہ نے بھی اپنی فوج کو

ذرا پیچھے ہٹالیا۔ اور ایک کھلے میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں شیرشاہ کی فوج نہایت ترتیب سے آگے بڑھی۔ سب سے آگے زرہ پوش۔ سالہ تھا پیچھے سو سو قدم کے فاصلہ پر بہت سے علم تھے اور ہر ہر علم کے پیچھے سوار تھے علموں کے پیچھے خاص شاہی گارد تھا جسکے قلب میں شیرشاہ موجود تھا اور اسکے دونوں طرف بڑے بڑے تجربہ کار اور نامور افسر تھے قلعہ کالنجر کے حکمران کی فوج گو نہایت مختصر اور بے سازوسامان تھی لیکن اسکے پُرزور رجز ولے ہر شخص میں وہ جوش بھر دیا تھا کہ حملہ آور فوج کی کثرت کا کسی کو کچھ خیال نہ تھا اور ہر ہر متنفس اپنی جان دینے کو فخر سمجھتا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو جانبین کی فوجوں پر سکوت وخاموشی کا سناٹا چھایا رہا مگر آخر کار عام لڑائی شروع ہوگئی شیرشاہ کی فوج اپنے مقابل کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ آور ہوئی کہ راجہ کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے تاہم وہ بڑی دلیری کے ساتھ ثابت قدم رہا اور دوبارہ لشکر ترتیب دیکر اور نہایت جوشیلے الفاظ میں ترغیب دلاکر اہل علم پر بڑے جوش سے حملہ کیا اور کچھ ایسی بیجگری سے حملہ کیا کہ طرفۃ العین میں علم برداروں کی صفیں اُلٹ دیں مگر آخر میں کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ راجہ کی تمام فوج میں بے ترتیبی اور ابتری پھیل گئی۔ اگرچہ اسنے لشکر کے سنبھالنے میں بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کوشش کی مگر وہ کسی طرح سنبھل نہ سکا۔ لشکر کی یہ پریشانی اور بددلی دیکھکر راجہ پھر قلعہ میں محصور ہوگیا اور محاصرین نے قلعہ کے باہر سے آگ کا مینہ برسانا شروع کیا۔

یہ سب کچھ تھا مگر محصورین اپنی مخالف فوج کو برابر جواب دے رہے تھے اور محاصرین کی بے ادبی راجہ کے حوصلہ کو پست نکر سکتی تھی شیرشاہ کو امید تھی کہ صبح وشام میں قلعہ فتح ہوتا ہی لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ اب میرے اقبال کا ستارہ پستی کی طرف آرہا ہے حملہ آور فوج کے پیہم حملوں نے اگرچہ راجہ کے طرفداروں کو یقین دلا یا تھا کہ اب اُنکے روکنے کی کوشش قریبًا بیکار ہے اور قلعہ کے تجربہ کار افسر جنکی پامردی سے غنیم کی فوج ابتک قلعہ پر دست رس نہ پاسکتی تھی اب وہ بھی ہمت ہار گئے تھے مگر اسے کیا کہنا چاہیئے کہ اسوقت تھوڑے زمانہ کے لیئے غنیم کی فوج میں ایک ایسی عام پریشانی پھیل گئی جس سے انکی گئی قوت پھر درست ہوگئی اور تمام اہل قلعہ سب طرف سے سمٹ سمٹا کر تازہ دم ہو گئے۔ جب محصورین قلعہ بند ہوگئے تو شیرشاہ اپنے بہت سے نامور و مشہور افسروں کو ساتھ لئے ہوئے بارودخانہ کی چھت پر کھڑا ہوا آتش فشاں آلات سے محصور افواج کے مقابلہ میں خود ترکی بترکی جواب دے رہا تھا اور اہل قلعہ پر مینہ کی طرح آتش بار گولے برسا رہا تھا ناسازگاری بخت و اتفاق سے ایک گولہ قلعہ کی دیوار سے ٹکر کھاکر اُلٹا بارودخانہ میں آپڑا اور چند گولوں میں آگ لگتا ہوا

بارود خانہ کے اندر تک پہونچ گیا چشم زدن میں سارا بارود خانہ بھڑک اٹھا اور شیر شاہ مع چند تجربہ کار
افسروں کے آگ کے صدمہ سے قریب المرگ ہوگیا چونکہ ابھی حیات بے ثبات کا قدرے اثر باقی تھا اسلئے اس نے
اس دم واپسیں کو غنیمت جانکر اپنے تئیں لشکرگاہ میں پہونچایا اور تمام فوجی افسروں کو جمع کرکے اپنی اس
خبر کے مخفی رکھنے اور قلعہ کی تسخیر میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کوشش کرنے کی سخت تاکید کی۔
شیر شاہ کی اس آخری وصیت نے افسران فوج میں کچھ ایسا جوشیلا اثر پہونچایا کہ فوراً سب نے اپنے اپنے
فوجی دستوں کو مسلح ہونیکا حکم دیا اور نہایت تیز حملہ کے ساتھ اہل قلعہ پر پل پڑے جو لوگ قلعہ اطاعت
میں آنے لگے انکو امن و امان ملتا گیا اور قلعہ کے تمام حصوں کو گولوں کے ذریعہ سے مسمار کردیا قلعہ کے
سینکڑوں عالیشان مکانات برباد کردیئے گئے اور عیار لوگوں کو نہایت سفاکی سے قتل کیا گیا بعض
افسران قلعہ اگرچہ نہایت دلیری سے لڑے مگر عاجز ہوکر پناہ میں آتے گئے اور شاہی فوج کے مطیع
ہوگئے آخرکار قلعہ فتح ہوا اور شیر شاہ کا جھنڈا قلعہ پر اڑنے لگا شیر شاہ جو ابھی تک بستر مرگ پر پڑا ہوا موت کے
تلخ گھونٹ پی رہا تھا جوں ہی یہ خبر اسکے کان تک پہونچی فوراً اسکی روح پرواز کرگئی اور نہایت
مسرت کے ساتھ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ سنہ ۹۵۲ ہجری کو رہگزائے عالم آخرت ہوا۔
شیر شاہ نے پورے پانچ سال ہندوستان میں سلطنت کی۔ وہ اپنی تمام قوم میں بلحاظ عقل و دانش
اور شجاعت میں بے نظیر تھا اس میں گو بہت سی برائیاں بھی تھیں مگر سینکڑوں وہ خوبیاں جن سے
عام رعایا کو ہمیشہ فائدہ پہونچتا رہا موجود تھیں وہ علم دوست تھا فیاض تھا ہزاروں اہل فن اسکے
خوان کرم سے فیضیاب تھے عام ملک پر شاید اسکا مرنا اتنا گراں نہ گذرا ہو مگر جن لوگوں نے اسکے
شان و شوکت کا دلفریب تماشا دیکھا تھا انکی آنکھوں کے سامنے تو سناٹا ہوگیا ہوگا اسکی فیاضی کا
یہ ایک ادنیٰ ثبوت ہے کہ اپنے انتقال کے بعد بہت سے وہ آثار خیر چھوڑ گیا جو مدتوں تک ہندوستان
میں قائم رہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اسنے بنگالہ سے لیکر اکبر آباد اور ماندو و سنپت تک مسافروں کی
رہائش اور آرام کیلیے بہت سی مسجدیں پختہ کنوئیں بنوائے اکثر جا بجا شہروں میں سرائیں تعمیر
کرائیں اور ہر مسافر کیلیے کھانا ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا کہتے ہیں کہ ڈاک کا سلسلہ اسی کے زمانہ
میں ایجاد ہوا ہے مسافروں کے آرام کے واسطے تمام آباد راستوں میں پھل دار درخت لگائے
خطرناک موقعوں پر چوکیاں قائم کیں غرضکہ ہندی مورخوں نے شیر شاہ کی سخاوت و دریا دلی کا
ذکر بڑے جوش کے ساتھ کیا ہے اور چونکہ اسکے اصلی کارنامے اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے
معمور ہیں اس لیئے انہیں ایشیائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں۔

اگر ہم اپنے معزز ناظرین سے یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ خارج از بحث کا الزام دینگے تو یہاں ہم اس شجاع بادشاہ کے چند کارنامے اور ذکر کرتے۔ لیکن ہر موقع و ہر نکتہ مقامے دارد۔ اسی لحاظ سے ہم نے تاریخ افاغنہ تیار کی ہے۔

شیر شاہ کی تاریخ وفات (ز آتش مرد) سے نکلتی ہے۔ شیر شاہ کے انتقال کے وقت اس کا بڑا فرزند عادل خاں جو ولیعہد کے معزز منصب سے ممتاز ہو چکا تھا اس موقع پر موجود نہ تھا امرائے شاہی نے بلحاظ فساد اسکے چھوٹے بھائی جلال خاں کو جو پٹنہ کے نزدیک قیام پذیر تھا طلب کیا وہ فوراً آ پہونچا افسران فوج اور امرائے دربار نے اُسے تخت حکومت پر بٹھایا اور اسلام شاہ کے خطاب سے پکارا مگر تھوڑے ہی دنوں میں کثرت استعمال کی وجہ سے سلیم شاہ کے ساتھ مشہور ہوا سلیم شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے بڑے بھائی عادل خاں کو ایک عریضہ لکھا جو اظہار معذرت پر شامل تھا اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد اگرچہ تخت و تاج کے مورث آپ ہیں۔ لیکن امرا دربار کی مصلحت سے عارضی طور پر مجھے تخت نشین کیا ہے ہر چند کہ میں نے اس بار گراں کے اُٹھانے سے انکار کیا۔ لیکن مجبوری قبول کرنا پڑا اب آپ یہاں آئیں اور اس بار گراں سے مجھے سبکدوش کریں میں آپ کا اب بھی ویسا ہی خیر خواہ اور فرمانبردار ہوں جیسے پہلے تھا اس خط کے روانہ کرنیکے بعد سلیم شاہ متوجہ آگرہ ہوا یہاں پہونچکر ایک اور خط عادل خاں کے پاس لکھا کہ میں حضور کے قدم مبارک کا سخت منتظر ہوں۔ آپ جلد تشریف لائیں اور سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیں۔

جب دو متواتر خط عادل خاں کے پاس پہونچے تو اُسنے قطب خاں اور عیسےٰ خاں کو جو امرائے دربار میں سے تھے اور عادل خاں کے ہوا خواہوں میں شمار کئے جاتے تھے خط لکھا کہ تم لوگ میرے آنے میں کیا مشورہ دیتے ہو اور ساتھ ہی ایک خط سلیم شاہ کو تحریر کیا کہ اگر تمہارے تین چار معتمد علیہ امرا میری تسلی کردیں تو میرے دل کے وسواس رفع ہو جائیں اور میں اُنکے ساتھ آگرہ چلا آوں جوں ہی سلیم شاہ کے پاس خط پہونچا اُسنے دربار کے چار معتمد امرا کو عادل خاں کے پاس روانہ کیا وہ لوگ عادل خاں کے پاس پہونچے تو اُسکی بہت کچھ تسلی کی اور اسپر عہد و پیمان کیا کہ ملاقات کے دوسرے ہی روز ہم سلیم شاہ کو اُس جاگیر کے عطا کرنے پر ضرور مجبور کرینگے جسکے آپ خواہاں ہونگے چنانچہ عادل خاں باطمینان تمام اپنے ہمراہیوں کے ساتھ متوجہ آگرہ ہوا سلیم شاہ نے اُسکے آنے کی خبر سنی تو شاہی احتشام کیساتھ آگرہ سے نکلکر اودھر متوجہ ہوا جسطرف سے عادل خاں آنیوالا تھا۔ عین راہ میں دونوں بھائی ہوئے

ملے جس کا نام دولت درانیہ ہے پوری افاغنہ کی تاریخ ہے جو دوبارہ زیر طبع ہے جسکی قیمت ہے قومی پریس دہلی سے ملیگی۔ ہمارے بھائیوں کو چاہئے کہ اپنے اسلاف کے حالات پڑھا کریں ذکر حلالخور اور لال بیگ کے من گھڑت قصے۔

ایک دوسرے سے ملاقات کی اور سلیم شاہ نے اتحاد میں بڑی سرگرمی دکھائی اور عذر معذرت کی اور پھر آگرہ میں داخل ہونیکا اظہار کیا۔ عادل خاں مع اپنے ہمراہیوں کے داخل آگرہ ہوا۔ آگرہ میں داخل ہونیکا جو دن مقرر کیا گیا تھا اُسمیں سلیم شاہ کیطرف سے خاص طور پر اسبات کا انتظام کیا گیا تھا کہ عادل خاں کے ہمراہیونمیں سے چار آدمیوں سے زیادہ نہوں۔ لیکن جب عادل خاں نے قلعہ میں قدم رکھا تو اس کے تمام ہمراہی اور فوجی افسر بہ جبر ایک بڑی جماعت کیساتھ اُسکے ساتھ داخل قلعہ ہو گئے سلیم شاہ نے جب دیکھا کہ میرا افسوں کارگر نہیں ہوا اور تمام کوششیں بیکار گئیں تو اُسنے عادل خاں کو رفع ظن کیلئے ایک اور چال چلی یعنی آٹھ تملق اور چاپلوسی کے بعد عادل خاں کے سامنے ہاتھ باندھکر عرض کیا کہ سلطنت کا بار جو امرا نے بجبر میرے سر دھر دیا تھا اسوقت تک تو میں اسکا متحمل رہا اور قوم افاغنہ کو ابتک مطیع کرکے رکھا اب میں اس بار گراں سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں اور یہ تخت و تاج آپکے سپرد کرنا چاہتا ہوں یہ کہہ کر عادل خاں کا ہاتھ پکڑکر تخت پر بٹھا دیا۔ عادل خاں اگرچہ خوش تقریر شجاع و دلیر تھا لیکن عیش پسند اور یہی وجہ تھی کہ اُسے ملکداری سے چنداں دلچسپی نہ تھی فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع تھا عورتیں اسکی مشیر کار تھیں مگر پھر بھی دور اندیش صاحب حزم ضرور تھا اُسنے سلیم شاہ کی تمام کارروائیوں کا فوراً نتیجہ نکال لیا کہ وہ میرا دشمن ہے اور غفلت میں مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت وہ تخت سے نیچے اُتر کھڑا ہوا اور سلیم شاہ کو تخت پر بٹھا کر اول آپ مبارکبادی کی رسم بجا لایا اور پھر اپنے امرا کو حکم دیا امرا و دولت نے ساری شرطیں تکمیل کو پہونچائیں اور اسکی اطاعت کا رابطہ دوبارہ اپنی گردنوں میں ڈالا۔

جب تاجپوشی کی رسم ادا ہو چکی تو عیسیٰ خاں اور خواص خاں نے سلیم شاہ سے عرض کیا کہ عادل خاں کے لیئے بیانہ کی جاگیر نامزد کرکے اُسے رخصت کر دیا جائے۔ چنانچہ سلیم شاہ نے غازی خانکو جو ایک نامور اور مشہور سپہ سالار تھا زنجیر طلائی دیکر عادل خاں کے گرفتار کرنیکو روانہ کیا۔ عادل خاں کو اس کامیابی کے بعد سلیم شاہ سے کچھ بحث ہی نہیں رہی تھی اور وہ اپنی قدیم عیش پسندیوں میں شب و روز مصروف ان حرکتوں نے اوسے سلیم شاہ کا خیال دل سے بھلا دیا تھا۔ لیکن خواص خاں جو عادل خانکی کامیابی کا اصلی باعث تھا اور ان ہی کارروائیونکے صلہ میں ایک ممتاز منصب پر مقرر ہوا تھا سلیم شاہ کی طرف سے مطمئن نہ تھا اُسنے یہ خبر سُنکر غازی خان کو گرفتار کر لیا۔ اور وہی طلائی زنجیر اُسکے پاؤنمیں ڈالکر سلیم شاہ کے پاس روانہ کیا۔ دونوں طرف کی یہ کارروائی گویا دیباچہ جنگ تھیں سلیم شاہ تو بہانہ ڈھونڈتا تھا خواص خانکی یہ کارروائی جنگ کیلیئے اور بھی محرک ہوئی اُسنے فوجکی تیاری کا فوراً حکم دیا اور ایک نامی سپہ سالار کی سرکردگی میں عادل خانکے مقابلہ میں بڑی جرار فوج روانہ کی اور عقب سے خود بھی متوجہ بیانہ ہوا۔ راستہ میں جو لوگ ملتے تھے متفق اللفظ

پیام آیا کہ تیز خبر ہے کہ عادل خاں بیانہ میں بڑی تیاری کر رہا ہے مگر سلیم شاہ کثرت فوج پر استقدر مغرور تھا کہ اسکو
مطلق پروا نہ کی اور بیانہ پر چڑھا ہوا بیانہ کی حد تک پہونچگیا اور وہاں ایک کھلے میدان میں بڑی زبردست لڑائی
ہوئی اور ایک مدت تک یہی جنگ صلح کا رنگ جمتا رہا۔ عادل خاں اگرچہ پیہم اور متواتر شکستوں کی تاب نہ لاکر پیٹھ
کنبھلمیر چلا گیا اور ایک عرصہ تک مفقود الاثر رہا لیکن اسکے امرا دولت و ثروت زمانہ دراز تک سلیم شاہ سے
لڑتے رہے اور انکی تفصیل اگرچہ طول طویل ہے لیکن مختصر یہ کہ جب خواص خاں امرا کی ایک کثیر جماعت اپنے ہمراہ
لیکر پنجاب پہونچا تو وہاں کے بہت سے لوگوں سے سازش پیدا کرکے علم بغاوت اونچا کیا سلیم شاہ دہلی میں
آیا اور ہمایوں بادشاہ کے تعمیر کردہ قلعہ کو از سر نو مضبوط کرکے متوجہ لاہور ہوا خواص خاں اعظم ہمایوں اور ایک
بڑی لشکر کی جمعیت لیکر سلیم شاہ کی طرف بڑھا اور لاہور کے وسیع جنگل میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں خواص
خاں کی فوج اگرچہ سلیم شاہ کے لشکر سے المضاعف تھی مگر آخرکار اسکی فوج میں کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام
فوج ابتر ہوگئی اور وہ مقابلہ سے پیشتر شکست کھاکر بھاگا۔ قوم نیازیاں جو ہنوز میدان جنگ میں ثابت قدم
تھی حرکت مذبوحی کو بعد شکست پاکر متفرق ہوگئی اور سلیم شاہ فتح حاصل کرکے اپنے دارالخلافہ میں لوٹ آیا۔ اعظم ہمایوں
جو اپنی قوم میں ایک اولوالعزم شخص تھا اپنے لشکر کے صرف دس تجربہ کار افسر لیکر صلح و ملازمت کی شہرت کے
ذریعہ سے دارالخلافہ آگرہ کی طرف بڑھا سلیم شاہ سے ملاقات ہوئی تو اسنے پہلی ہی ملاقات میں اسکا کام تمام کرڈالنے
کی غرض سے ایک حربہ مارا مگر سلیم شاہ کی خوش قسمتی کہ دشمن کا ہاتھ اوچھا پڑا اور وہ خود کاری زخم کھاکر بھاگا۔
اسپر سلیم شاہ جوش غضب سے بھڑک اٹھا اور نیازیوں کے تعاقب میں ایک بڑا لشکر مرتب کیا اور بعد قتل و قید دشمنوں کے
اکبرآباد میں واپس آیا پھر وہاں سے گوالیار میں نزول اجلال فرمایا۔ اس فتح نے دور تک سلیم شاہ کا سکہ بٹھا
دیا پنجاب کے تمام علاقے اس کے قبضہ میں آگئے اور ہر طرف اسکی فتح کی شہرت ہوگئی۔ اعظم ہمایوں اور عیسی خان
وغیرہ نے جو عادل خاں کے جاں نثار قدیم تھے اگرچہ بار بار شکستیں کھائیں لیکن یہ ہزیمتیں انکے حوصلے پست
نہ کرسکیں اور وہ برابر لشکر کی تیاری کی کوشش کرتے رہے ایکدن کا ذکر ہے کہ گوالیار میں سلیم شاہ دربار کر رہا تھا عین اس
موقع پر ایک شخص عثمان نامی نے شجاع خاں کے سر پر تلوار ماری جو دربار کا ایک مشہور امیر تھا۔ چونکہ تلوار اوچھی
لگی تھی اسلئے شجاع خاں کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہونچا عثمان تو اپنی جان کے خوف سے فوراً بھاگ گیا مگر
شجاع خاں اس خیال سے کہ یہ کارروائی سلیم شاہ کے اشارہ سے ہوئی ہے گوالیار سے نکلکر کوہ پہونچا اور
اعظم ہمایوں کے ساتھ سازش کرکے سلیم شاہ کے مقابلہ میں ایک بڑی فوج تیار کی سلیم شاہ کو معلوم
ہوا تو اس نے ایک بڑا لشکر آراستہ کیا جو کم و بیش بیس ہزار تھا اس لشکر کے سپہ سالار وہ لوگ مقرر کیے
جو دولت افغانیہ کے نامور افسر تھے۔ اعظم ہمایوں اور شجاع خاں ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں

کر سکتے تھے اور اس بات کو خوب سمجھ گئے تھے کہ اب تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا جائیگا تو بہتر ہوگا
مگر چونکہ سلیم شاہ اونکے فریبوں سے واقف ہو گیا تھا اسلئے انکی تدبیریں بے سود ثابت ہوئیں انجام کار
عیسیٰ خاں اور اعظم ہمایوں تیس ہزار سواروں کیساتھ آگے بڑھے اور نہایت سخت معرکہ ہوا لیکن اعظم
ہمایوں کی فوج نے شکست کھائی مگر وہ خود چند جاں نثاروں کیساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہا اگرچہ
فتح سے مایوس ہو چکا تھا مگر پھر بھی دشمن کو برابر جواب دے رہا تھا۔ انجام کار وہ اور اسکی ہمراہی گھوڑوں
پر سے اتر پڑے اور پا پیادہ حملہ آور ہوئے اعظم ہمایوں نے سلیم شاہ کے بہت سے آدمی ضائع کئے
اور جب تھک کر چور ہو گیا تو اپنے ہمراہیوں سمیت پنجاب کی طرف روانہ ہوا سلیم شاہ کی فوج نے ہزیمت
خوردہ کا تعاقب کیا اور اعظم ہمایوں کے اہل و عیال گرفتار ہو کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے گئے۔

ان فتوحات نے سلیم شاہ کی امیدیں وسیع کر دیں اور اس نے اپنے درباریونکو اونکی کارنمایاں کے
صلے میں بڑے بڑے منصب عطا کئے۔ قوم نیازیاں جب شکست کھا کر پنجاب میں آئے تو انہوں نے اپنے تئیں
گکھڑوں کی پناہ میں دیدیا اور یہ لوگ انکی پشت پناہ بنکر سلیم شاہ کے مقابلہ کیلئے تیاریاں کرنے لگے
سلیم شاہ یہ سنکر اس طرف متوجہ ہوا اور گکھڑوں اور نیازیوں کے ساتھ پورے دو سال تک لڑتا رہا
آخر نیازیوں نے یہاں بھی شکست کھائی اور حاکم کشمیر کے ملک میں پناہ لی۔ اعظم ہمایوں و سعید خان
اور شہباز خاں قتل کئے گئے اور حاکم کشمیر نے انکے سر سلیم شاہ کے پاس روانہ کر دیئے۔

سلیم شاہ اپنے دشمنوں کے استیصال کے بعد آگرہ میں آیا اب اسکی فتوحات کی شہرت عام ہو گئی
اور تمام ملک میں اقتدار بڑھ گیا۔ اس زمانہ میں میرزا کامراں جو ہمایوں بادشاہ کی ہندوستان میں مراجعت
کرنیکے بعد ایران سے کابل تک شکستیں کھا کر بھاگتا چلا گیا تھا سلیم شاہ کے پاس آکر خواستگار پناہ ہوا لیکن بجز
آبرو ریزی کے کوئی فائدہ نہوا آخر کار چند روز کے بعد فرار ہو گیا۔ اسکے چند روز بعد سلیم شاہ دہلی میں آیا اور
چونکہ اس زمانہ میں سلیم شاہ کی کوشش اکثر امراء کے قتل و قید کیطرف مصروف تھی اسلئے خواص خاں متوہم
ہو کر تاج خان حاکم سنبھل کی پناہ میں چلا گیا مگر اوس نے بیوفائی کو کام میں لاکر خواص خان کو قتل کرا دیا
اور اوسکا سر سلیم شاہ کے پاس بھیجدیا خواص خاں کے اقربا نے اسکی لاش دہلی میں لاکر دفن کی جس کے
کچھ نشان ابتک پرانی دہلی میں پائے جاتے ہیں۔ خواص خاں کے قتل کے بعد سلیم شاہ کو زیادہ عرصہ تک
زندہ رہنا نصیب نہوا۔ اسکی مقعد میں بہت سے پھوڑے پھنسی برآمد ہوئے اور دیگر امراض بدنی نے اوسے چند ہی
روز میں تحلیل کر دیا چنانچہ انہیں عوارض میں مبتلا ہو کر عین عالم شباب میں مر گیا اسنے کل ۹ سال سلطنت کی
اور باپ کیطرح بہت سے کنوئیں اور سرائیں مسافروں کی آسائش کیلئے بنوائیں اور عین عالت کا ہرلی میں انتقال کیا

دریں زمانہ بہار وخزاں ہم آغوش ست　　زمانہ جام بدست وجنازہ بردوش است

بی بی بائی سلیم شاہ کی منکوحہ تھی اس کے بطن سے صرف ایک لڑکا فیروز خان نام پیدا ہوا تھا مبارز خان جو شیر شاہ کا بھتیجا اور بی بی بائی کا حقیقی بھائی تھا سلیم شاہ کی زندگی ہی میں سلطنت کا دعویدار تھا اور اپنے ہی تئیں تخت وتاج کا وارث سمجھتا تھا سلیم شاہ چونکہ اسکی وضع سے واقف تھا اس لئے وہ بار بار بی بی بائی سے کہا کرتا تھا کہ اگر تو اپنے فرزند کو عزیز رکھتی ہے اور اسکی زندگی اور سلطنت کی خواہاں ہے تو مجھے اجازت دے کہ تیرے بھائی کا کام تمام کردوں۔ کیونکہ مجھے اسکی وضع سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے بعد تیرے فرزند کو قتل کرکے خود مالک تخت وتاج بن بیٹھے گا۔ اور عجب نہیں کہ تجھے بھی تکلیف وصدمہ پہنچائے۔ ہاں اگر تجھے بھائی کی محبت فرزند سے زیادہ ہے تو میں مجبور ہوں کہ سلیم شاہ ہر چند کہ اس قسم کی بہت سی باتیں خلوت میں بی بی کو سمجھاتا تھا مگر وہ اپنے بھائی کو اس بدگمانی سے بری جان کر راضی نہ ہوتی تھی:۔

سلیم شاہ کی وفات کے بعد امرا ودولت نے فیروز خان کو اوس کے ولیعہد ہونے کی و ۔ سے تخت نشین کیا۔ مبارز خاں کو اسکی تخت نشینی نہایت ناگوار گذری اور وہ دوسرے ہی روز بڑے غیظ وغضب کے ساتھ اپنے بھائیوں کو ساتھ لیکر فیروز خاں کے قتل کروانے کی غرض سے زنانہ محل میں گھس گیا بی بی بائی کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بھائی کے قدموں پہ گر پڑی اور نہایت الحاح وزاری سے التجا کی کہ فیروز خان کو جان سے مت مارو۔ اگر تجھے ملک داری کی ہوس ہے تو شوق سے تخت وتاج اپنے قبضہ میں کرلے۔ فیروز اور اوس کے ساتھ میں اس دعویٰ سے دستبردار ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ وہ کبھی تیری اس خواہش کی مزاحمت نہ کریگا۔ تو مجھے اور اسے چھوڑ دے تاکہ ہم دونوں یہاں سے جلاوطن ہوجائیں۔ اور پھر کبھی ادہر کا رخ نہ کریں اور اگر تجھے یہ بات منظور نہیں تو ہم دونوں کو قید کرکے رکھ اور مظلوم فیروز کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کر۔ یہ کہکر بی بی بائی اسقدر زار وقطار روئی کہ اپنے آنسوؤں سے مبارز خاں کے دامن کو بھگو دیا مگر وہ ظالم اسقدر سنگدل تھا کہ بی بی بائی کی ان جگر سوز باتوں سے ذرا بھی نرم نہیں ہوا۔ شعر۔ نفس در آئینہ آہنی کند تاثیر ٭ سخن نمی شنوی ظالم ایں چہ سنگدلیست ٭ جفا کیش اور سنگدل مبارز خان اپنی بہن کے سر کو قدموں سے ٹھکراتا ہوا فیروز خاں کے پاس پہونچا اور اس معصوم اور بے گناہ بچے کو آب شمشیر سے نہلا کر تخت دہلی پر متمکن ہوا اور اپنے لئے محمد شاہ عادل کا خطاب اختیار کیا:۔ جلد اول تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدرات تیموریہ

رضیہ سلطانہ یوں تو ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں میں سے شاید ہی ایسا کوئی شخص خوش نصیب ہو جس کا دور حکومت بے داغ نظر آئے مگر جن بیگناہوں پر تاریخ مروجہ نے دل کھولکر حملے کئے ہیں ان میں سے ایک سلطانہ رضیہ بھی ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو اس بیگم کے نام سے آشنا تو ہوں مگر نہ جانتے ہوں کہ ایک حبشی غلام بغل میں ہاتھ دیکر اُسکو گھوڑے پر بٹھاتا تھا۔ لیکن سلطانہ رضیہ جیسی بیدار انصاف پسند اور بیدار مغز ملکہ پر ایسا الزام لگانا نہ صرف مورخ کی بد دیانتی سمجھی جا سکتی ہے بلکہ ایک ایسا راز ہے جس کی تہ میں تعصب صاف طور پر جھلک رہا ہے زیادہ تر افسوس اس بات کا ہے کہ رضیہ پر اس قسم کا الزام قائم کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کا طرز تمدن ایسی باتوں کو مذموم یا معیوب نہیں بلکہ جزو حیات سمجھ رہا ہے اور جہاں علی الاعلان اس سے بدرجہا بڑھے چڑھے تماشے دن رات دکھائی دے رہے ہیں مگر ہم اس سے پہلے کہ سلطانہ رضیہ کے دامن عصمت کو اس بیگناہ سے پاک ثابت کرنیکی کوشش کریں اسکی ابتدائی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔

رضیہ بیگم کی ہر دلعزیزی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ سلطان شمس الدین کے بعد جس نے گیارہ بیٹے چھوڑے باوجود رکن الدین سے ولیعہد ہونیکے رعیت نے بالاتفاق سلطانہ کو اپنا حکمران بنانا چاہا اور اپنی جانیں قربان کر کے ایک خونریز معرکہ کے بعد رکن الدین کو قید کیا اور رضیہ بیگم کو ۶۳۴ھ میں تخت پر بٹھایا۔

رضیہ درحقیقت تخت حکومت کی مستحق تھی ایک مسلمان بادشاہ میں جو صفات ہونی چاہئیں اسکی ذات میں وہ سب موجود تھیں وہ باپ کے زمانہ حیات ہی میں کاروبار سلطنت میں متوجہ رہتی اور بہت سے مراحل اس خوبصورتی سے طے کر دیتی کہ خود شمس الدین متعجب ہو جاتا اس ہی قابلیت کا نتیجہ تھا کہ جب شمس الدین نے گوالیار پر حملہ کیا تو باوجود گیارہ لڑکوں کے موجود ہوتے اس نے اپنی عدم موجودگی میں رضیہ کو قائم مقام بنایا اور رضیہ سلطانہ نے اس فرض کو ایسی خوش

اسلوبی سے انجام دیا کہ واپسی پر شمس نے سلطانہ رضیہ کی ولیعہدی کے احکام جاری کر دئے۔

سلطانہ رضیہ نے سب سے پہلا جو کام حکمراں ہونیکے بعد کیا وہ توانین قطبی و شمسی اور احکام شرعی کی ترویج تھی جس کو عیاش رکن الدین نظر انداز کر چکا تھا۔ مردانہ لباس پہنکر وہ باہر نکلنے لگی تاکہ تمام نظم و نسق سے باخبر رہے اسکے محل کا دروازہ فریادی کے واسطے ہر وقت کھلا ہوا تھا اور دن ہو یا رات فریاد سننے کے واسطے ہر وقت تیار رہتی تھی۔ رکن الدین کی گرفتاری اور باقی تمام بھائیوں کی شرارت سے آپس کی خانہ جنگیوں نے رضیہ کو چین نہ لینے دیا یہانتک کہ لاہور اور ملتان وغیرہ۔ کے حاکم اور وزیر اعظم نظام الملک جنیدی پر بغاوت کا جادو چلگیا۔ اور لوگ اسکی مخالفت پر آمادہ ہو گئے سلطانہ کیواسطے یہ وقت نہایت نازک تھا مگر وہ مطلق نہ گھبرائی اور ایک جرار فوج لیکر مقابلہ پر آئی باغیوں کو قتل کیا حاکموں کو شکست دی اور جسوقت بھائی عفو تقصیر کے طالب ہوئے تو آنکھوں میں آنسو بھرلائی اور اُن کے قصور معاف کر دئے۔

اب وہ وقت آیا جسکو مورخ سلطانہ کی شان کے خلاف سمجھکر اس پر بزدلانہ حملے کر رہے ہیں یعنی ایک شخص یاقوت حبشی میر اخور رضیہ کے مزاج میں اس قدر دخیل ہوا اور اسکا تقرب اتنا بڑھگیا کہ جب سلطانہ گھوڑے پر سوار ہوتی تو وہ ہاتھوں سے سہارا دیکر سلطانہ کو سوار کراتا

اس موقع پر انصاف کو ہاتھ سے نہ دینے والے غور کر سکتے ہیں کہ ایک معمولی آدمی کے گھوڑے سے صاحب اختیار ہوجانے پر خوشامدیوں کا کس قدر نرغہ ہوجاتا ہے۔ دانت کریدنے کیواسطے تنکا اٹھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے تو خدام جلدی سے اس خدمت کو انجام دیتے ہیں چہ جائیکہ ایک عظیم الشان ملکہ کے دربار میں ایک شخص کو اس قدر رسوخ حاصل ہوئے کہ امور سلطنت میں بھی اُس سے مشورہ لیا جائے تو وہ اس موقع پر خوشامد میں اپنی جان تک نثار کر دیتا تو اُس کے واسطے فخر تھا۔ نہ یہ کہ گھوڑے کی سواری میں رضیہ کو سہارا دینا اسکے تعلق ناجائز کی ایک شہادت ہو گئی

سلطانہ رضیہ باعتبار تدبیر اپنے زمانہ کی بہترین حکمراں تھی۔ اگر حقیقت نفس الامریہ ہوتی تو وہ ہر دو رعیت کے مشتبہ ہوجانیکی احتیاط کرتی مگر وہ بالکل آزاد منش عورت تھی پردا مطلق نکرتی تھی کھلم کھلا پھرتی اور میدان کارزار میں فوجی لباس سے جاتی

افسوس یہ ہے کہ الفنسٹن جیسا شخص جس نے یورپ کی سرزمین میں پرورش پائی اور جسکی گھٹی میں آزادی نسواں پڑی ہو حبشی غلام کے سہارے پر سلطانہ کے چال چلن کو مشکوک سمجھے اگر اسکی ذرا دبھی اصلیت ہوتی تو وہ مورخین جنہوں نے ایمان کو کسی موقع پر ہاتھ سے نہ دیا

بالاجماع یہ نہ لکھنے کہ سلطانہ میر اخور پہ مہربانی کرتی تھی۔ باغیوں کی سازش کا شکار اکثر حکمران ہوئے ہیں۔ اور آپس کی خانہ جنگیوں نے بڑے بڑے فساد برپا کیے ہیں۔ رضیہ کا معزول ہونا ان ہی وجوہ سے تھا جس کو تاریخ مروجہ نے اسکے چال چلن کی خرابی سے تعبیر کیا وہ اصل میں نسلاً ترک تھی۔ اور چہل گانی غلام ترک تھے اور شروع سے اسکی مخالفت پر کمر بستہ تھے اور باوجود سخت کوشش کے ان کا خوش رہنا سلطانہ کے اختیار سے باہر تھا۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ التونیہ بھٹنڈے کا حاکم باغی ہو گیا۔ امرا اُسکے ساتھ تھے اور سلطانہ کی طاقت کمزور ہو چکی تھی اس وقت سوا اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ سلطانہ نے التونیہ سے نکاح کیا اور اس طرح اپنی پاکدامنی کو اچھی طرح ثابت کر دیا مگر اصلیت کچھ اور ہی تھی۔ چہل گانی غلام ترک اس فعل پر اور بھی برافروختہ ہوئے اور کیتھل پر ۶۳۷ھ میں ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں سلطانہ کو شکست ہوئی

ترک اس کے خون کے پیاسے تھے رضیہ کے پاؤں اکھڑنے کی دیر تھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور بدنصیب رضیہ نے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لی۔ ابن بطوطہ سلطانہ رضیہ کے قتل کی داردات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ شکست کھانے کے بعد رضیہ نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ دن بھر گاؤں میں پھرتی رہی شام کیوقت جب بھوک سے بہت تنگ ہوئی تو زمینداروں سے سوال کیا کہ ایک کسان نے اسکی حالت پر رحم کھا کے آدھی روٹی اسکے حوالہ کی۔ دن بھر کی تھکی ہاری ملکہ کو وہ سوکھی روٹی پلاؤ سے بہتر تھی سیر ہو کر کھائی اور تھوڑا سا پانی پیکر وہیں ایک کونے میں ڈھیر ہو گئی لباس مردانہ تھا۔ کسان کی نظر جو پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ فقیرنی کے لباس کے نیچے قبا ئے مرصع کہ تکمہ جگمگا رہا ہے قریب آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عورت ہے اور بیش قیمت لباس و زیور سے مزین ہے کمبخت نے لالچ میں آکر مصیبت ماری ملکہ کو جو اُسکے ہاں مہمان اور پناہ گزین تھی قتل کر دیا لباس اور زیور اُتار کر لاش ایک کھیت میں دفن کی اور زیور لیکر جوہریوں کے پاس گیا۔ ایک گرانبہا انگوٹھی جس میں ہیرا جڑا ہوا تھا منحوس کسان کے ہاں دیکھکر سب دنگ رہ گئے پولس کو خبر ہوئی اور کوتوال نے اسکو گرفتار کر کے تحقیقات شروع کی اور لاش برآمد کرا کے کفن دے کر قطب صاحب کے کھنڈروں میں دفن کیا اور ایک گنبد بنا دیا۔

ابن بطوطہ کا یہ واقعہ بھی بجائے خود زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اسلیے نہیں کہ قطب صاحب کے کھنڈروں میں رضیہ بیگم کے مقبرہ کا صحیح پتہ نہیں چلتا بلکہ اسلیے کہ دہلی میں اس واقعہ کا علم بادشاہ وقت کو مطلق نہ ہوا۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ سلطانہ گرفتار ہو کر معزالدین شاہ کے حکم سے

معہ اپنے شوہر کے قتل کی گئی۔

ان تمام واقعات سے جو بیان کئے گئے یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ تفریق مذہب کیسی مذموم شے ہے۔ ایک ایسی ملکہ جس نے تمام عمر اپنی پاکدامنی سے بسر کی اور تادم واپسین عصمت کو محفوظ رکھا متعصب مورخوں کی نگاہ میں بدچلن سمجھی گئی۔ حالانکہ تاریخ اس سے بہت زیادہ حکمران عورتیں ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے اور مورخ اُن کی پردہ پوشی کر رہے ہیں۔

بدر النساء بیگم

یہ بیگم شہنشاہ عالمگیر کی پانچویں لڑکی تھی جس کی پیدائش ۱۰۵۷ھ ہجری میں ہوئی اسکی ماں کا نام نواب بائی بیگم تھا یہ شہزادی شروع ہی سے نہایت ذہین اور طباع تھی۔ اسکی باتوں نے عالمگیر جیسے سنجیدہ بادشاہ کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا اور تمام قلعہ کی بیگمات بھی اسکو بے انتہا پیار کرتی تھیں جب اسکی عمر پانچ سال کی ہوئی تو بادشاہ نے جو مذہب کا بہت بڑا پابند تھا ایک معلمہ کو اسکی تعلیم کے واسطے مقرر فرمایا جو مذہبی علوم سے خوب واقف تھی۔ بیگم کو قرآن شریف حفظ کرنیکا شوق ہوا اور اُس نے یاد کرنا شروع کردیا اور صرف ۲ سال کے عرصہ میں پورا قرآن شریف حفظ یاد کرلیا۔ عالمگیر کو اپنی ہونہار لڑکی کی ذہانت پر بہت حیرت ہوئی اور بیحد خوش ہو کر اُس نے اس تقریب پر بہت بڑا جشن کیا اور تمام فوج کو سلطنت کی طرف سے دعوت دی گئی اور اہل کاروں کو بڑے بڑے انعام تقسیم ہوئے۔

بدر النساء بیگم نہایت خوش آواز تھی اور اسکی آواز میں ایسا اثر تھا جو سننے والے کو دم بھر میں محو حیرت کردیتا تھا ایک روز بعد نماز صبح صحن چمن میں بیٹھی ہوئی قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھی ایسے دلفریب اور سہانے وقت میں اُسکا موسیقی آواز میں کلام مجید پڑھنا عجیب ہی لطف دے رہا تھا۔ اتفاق سے عالمگیر بھی صبح کی نماز پڑھکر چمن میں ادھر آنکلا۔ بدر النساء بیگم کی آواز سُنی۔ چونکہ بدر النساء بیگم نہایت خوش الحان تھی اور اصول قرأت سے قرآن پڑھ رہی تھی اور اتفاق سے آیتیں بھی بڑی پُر مضمون تھیں اسلیئے عالمگیر جو قدرۃً کلام الٰہی کا شیدا تھا بالکل مدہوش ہوگیا نصف گھنٹہ کے بعد بدر النساء اپنی معمولی تلاوت سے فارغ ہوئی تو بادشاہ اپنی اُسی وجد کی حالت میں اسکے پاس آیا اور ایک بے انتہاء مسرت کیساتھ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پیار کرکے بہت دعائیں دیں اسکے بعد بدر النساء بیگم کو مذہبی تعلیم دلائی گئی اور اُس نے عربی پڑھنا شروع کی اس کے ذہن رسانے تھوڑے ہی عرصہ میں حیرت انگیز ترقی کی اور چند سال کے عرصہ میں عربی پر پوری دستگاہ حاصل کرلی عالمگیر وقتاً فوقتاً امتحان

کے طور پر سوال کرتا جن کا شہزادی بہت ہی معقول جواب دیتی جس سے بادشاہ خوش ہوکر معلمہ کی تنخواہ میں بھی اضافہ کرتا اور بیگم کے خوش کرنے اور حوصلہ بڑھانے میں کوتاہی نکرتا جب اُسکو عربی میں پوری دستگاہ حاصل ہوگئی تو اُس نے دیگر علوم اور فنون کی طرف توجہ کی مگر چونکہ اُسکے ذہن کو سوائے علوم مذہبی کے اور کسی علم میں دلچسپی نظر نہیں آئی۔ اسی لئے بدرالنسا بیگم نے تمام رسمی علوم و فنون سے اکدم اپنی نظر ہٹالی اور اب اپنا تمام وقت قرآن شریف اور حدیث و فقہ کی کتابوں میں صرف کرتی یہ شہزادی قرآن شریف کی نہ صرف عالم تھی بلکہ اس پر پوری عامل تھی عبادت کا اسے بڑا شوق تھا۔ عالمگیر مذہبی اصول کا سخت پابند تھا بدرالنسا بیگم کے اس زہد اور عبادت اور ریاضت سے بہت خوش تھا اور اسکی عالمانہ تقریروں پر حیرت کرتا تھا یہ عجیب اتفاق ہے کہ عالمگیر کی تمام اولاد میں صرف بدرالنسا بیگم اور اس کے دونوں حقیقی بھائی حافظ قرآن تھے گو عالمگیر کے اور لڑکے لڑکیاں بھی مختلف علوم و فنون میں بہت بڑا درک رکھتے تھے اور علمی فیاضیوں میں مشہور اور لاجواب تھے مگر خدا کی قدرت کہ اس بزرگ اور عظیم ترین نصیحت سے محروم رہے اور کسی کو یہ عزت نصیب نہ ہوئی۔

بدرالنسا بیگم کا منجھلا بھائی محمد معظم شاہ عالم بہادر شیعہ مذہب رکھتا تھا اور شاہی محل اور عالمگیر کے دربار میں ارا کین سلطنت اور بیگمات زیادہ تر اہلسنت تھیں اور معدودے چند شیعہ اس اختلاف عقائد پر اکثر گفتگو رہتی تھی اور اندر باہر دونوں جگہ بڑے زور شور سے مناظرے ہوتے تھے آخرکار یہاں تک نوبت پہنچی کہ باہمی تنازعہ کا اندیشہ ہوا جس پر فریقین کی رائے سے بدرالنسا بیگم اس اختلاف کو رفع کرنیکے لئے حکم مقرر کی گئی اس شہزادی نے اپنی خداداد عقل سے نہایت معقول اور شافی فیصلہ دیا اور اس جھگڑے کا خاتمہ کردیا۔

بدرالنسا بیگم کی زندگی میں یہ عجیب پر لطف بات پائی جاتی ہے کہ وہ جیسی حلیم الطبع خلیق اور نرم دل تھی۔ اور جس طرح اس کے لئے اپنے مصاحبوں کو ذرا سی بات پر انعام سے مالا مال کرنا کوئی بات نہ تھی اسی طرح ذرا سی رنجش یا بگاڑ کی وجہ سے وہ انہیں خون کے آنسو بھی رلادیتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ بدرالنسا بیگم اپنے باپ کی پیاری اور ماں کی لاڈلی تھی۔

افسوس ہے کہ بدرالنسا بیگم جیسی لائق اور عقلمند شہزادی نے علین شباب کے عالم میں انتقال کیا اسکی عمر کل ۲۳ برس کی ہوئی ۱۰۸۰ ہجری میں اسے اپنے سب عزیزوں سے جدا ہونا پڑا اور داغ مفارقت دے گئی۔

جانان بیگم

یہ حسین اور عقلمند خاتون میرزا عبدالرحیم خان المخاطب بہ خانخانان وزیرالملک کی ہردلعزیز اور پیاری لڑکی تھی جسکے حسن و جمال اور علم و فضل کا عالمگیر شہرہ سارے ہندوستان میں بڑی نیک نامی کیساتھ پھیلا ہوا تھا۔ میرزا عبدالرحیم خان بیرم وزیرالسلطنت کا نامور اور نہایت مشہور فرزند تھا جس نے اکبری دربار میں وہ وقعت و عزت حاصل کی تھی جس کی وجہ سے نہ صرف اراکین دولت اور امرار سلطنت میں امتیاز یہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا بلکہ خود شہنشاہ اکبر حد سے زیادہ عزت کرتا تھا اس نے دکن کی عظیم الشان مہموں اور چتوڑ کی نہایت دشوار اور سنگین معرکہ آرائیوں میں اپنی فطری شجاعت اور جان بازیوں کی وجہ سے فتوحات کا فخر حاصل کیا تھا اور ملک و قوم میں نیکی و بہبودی کی عام تحریک پھیلادی تھی۔

جاناں بیگم اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اور اسکے حسن اور علم و فضل کا چرچا دور دور پھیلا ہوا تھا اُسے فطرتاً علوم دینیہ سے دلچسپی تھی اور وہ اسی مشغلہ میں اپنی زندگی بسر کرنا پسند کرتی تھی گویا قدرت کے نازک ہاتھوں نے اسکی سرشت اور طبیعت میں مادہ علم کوٹ کوٹ کے بھر دیا تھا اس نے اپنی معلومات اور قابلیت کا گرانبہا جوہر ظاہر کرنے کیلئے قرآنمجید کی ایک تفسیر لکھی جو خوبی مضامین کے علاوہ مقبولیت عام کا دلچسپ پیرایہ رکھتی تھی شہنشاہ اکبر نے بڑے فنکریئے کے ساتھ اسکو لیا اور جاناں بیگم کی قدردانی کے اظہار کے لیے اس کارنمایاں کے صلے میں اُسے پچاس ہزار دینار عطا فرمائے اور نہایت آرزومندی کے ساتھ اپنے کتب خانہ میں جگہ دی۔

سخنوری اور طباعی کے لحاظ سے جاناں بیگم ایک نہایت بلندرتبہ کی شاعر تھی اس کا عطر سخن زبان سے نکلتے ہی مجلس کو مہکا دیتا اور سامعین کے دلوں پر گہرا اثر کرتا اس کے ہر ہر فقرے سے زور طبیعت کی شہادت ملتی تھی اور اپنی خداداد قابلیت اور حسن لیاقت کے عمدہ نمونے ظاہر کرتی تھی فن شاعری میں مشہور اُستادوں میں تسلیم کی گئی اُسکی ایک غزل کا پہلا شعر جس سے اُسکی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے ہدیہ ناظرین ہوتا ہے شعر

عاشق زخلق عشق تو پنہاں چساں کند ۔۔۔ پیداست از دو چشم ترش خون گریستن،

اس شعر سے جو برجستگی اور شیوا بیانی اور شاعرہ کی قادر الکلامی اور زور بیان۔ معلوم ہوتا ہے وہ اہلِ ذوق پر مخفی نہیں۔

جاناں بیگم جب سن بلوغ کو پہنچی تو شہنشاہ اکبر نے شہزادہ دانیال کیساتھ اسکی شادی کا خیال ظاہر کیا اور اس مبارک تقریب کا انعقاد ۱۰۰۶ھ ہجری میں پایا۔ جو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ انجام پذیر ہوا شہر کے تمام بڑے بڑے بازار عام طور پر آراستہ تھے اور اُن کی زیب و زینت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔

الغرض جاناں بیگم کی اس شادی کی تقریب جس شان و شوکت سے ادا ہوئی وہ اُس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ تھا۔

خوش قسمت جاناں بیگم جسکی شہزادہ دانیال کے ساتھ شادی ہوئی ہوئی۔ چونکہ نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی اسلیئے اس نے بہت سی اُن فضول رسموں کو جو ان دنوں محلات کی مستورات میں رائج تھیں موقوف رکھا اور بہت کمی کردی۔ مگر پھر بھی جو سامان محل کی جانب سے گیا قابل بیان نہیں شہزادہ دانیال مع خاندان شاہی اور تمام افسران فوجی و ملکی میرزا عبدالرحیم خان کا آٹھ روز تک برابر مہمان رہے اور اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ دو کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کیا گیا۔

جاناں بیگم کی یادگار و پاکدامنی کا ایک خاص واقعہ جو اسکی تاریخ زندگی میں بڑی نمود اور شان کا واقعہ کہا جا سکتا ہے۔ قابل یادگار ہے وہ یہ کہ جب شہزادہ دانیال کا انتقال ہوگیا اور نورالدین محمد جہانگیر تخت ہند کا وارث قرار دیا گیا تو اس نے جاناں بیگم کی خواستگاری میں چند معتمد علیہ اور ارکین کو بھیجا جنہوں نے جاناں بیگم کو مجبور کیا بیگم نے جہانگیر کی درخواست کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور جب ارکین دولت کا اصرار دیکھا تو دوسرے روز بادشاہ کے پاس حاضر ہونیکا وعدہ کیا۔ صبح ہوئی تو اُس نے اپنی عصمت اور شوہر کے ننگ و ناموس محفوظ رکھنے کی غرض سے نہایت جرأت اور دلیری کے ساتھ اپنے تمام دانت اکھڑ ڈالے اور سر کے سارے بال بڑی بیدردی سے کے ساتھ کٹوا دیئے۔ اس صورت کے ساتھ جہانگیر کے پاس پہنچی تو اُس نے اس کی اس حرکت کو دلیل عفت و پارسائی خیال کرکے نہایت عظمت و توقیر سے سمجھایا اور بہت سا زر و نقد دیکر رخصت کیا۔ الغرض جاناں بیگم شوہر کے انتقال کے بعد بہت روز زندہ رہی اور بڑی نیک نامی اور عزت کے ساتھ زندہ رہی آخر کار ۱۰۶۰ھ ہجری میں انتقال کر گئی اور اپنے پس ماندگوں سے ہمیشہ کے لئے مفارقت کرکے جدائی کا دردناک داغ دے گئی۔

جانی بیگم

یہ پاکدامن خاتون شہزادہ محمد اعظم ابن عالمگیر کی بیاہتی بیگم ہے جو حسن خوبصورتی کے علاوہ شجاعت و بہادری میں بے نظیر تسلیم کی گئی ہے اور جس نے دکن کے بہت سے معرکوں میں اپنے شوہر کے ساتھ شجاعت و جانبازی کے جوہر دکھاکر ہندی مورخوں سے اپنے حق میں تعریفی الفاظ منتخب کرا لیئے ہیں جن معرکوں میں جانی بیگم نے شجاعت کے جوہر دکھاکر فتوحات کا فخر حاصل کیا ہے ان میں سب سے بڑا واقعہ بیجاپور کا معرکہ ہے جسے میں یہاں مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

۱۰۹۵ہجری میں جب عالمگیر کو خبر ہوئی کہ باوجود عرصہ دراز کے قلعہ بیجاپور فتح نہیں ہوا اگرچہ شاہی فوج ایک عرصہ سے اُسکا محاصرہ کئے پڑی ہے لیکن والی بیجاپور قابو میں نہیں آتا تو اُس نے خود اُس طرف توجہ کی اور شعبان المعظم کی چوتھی تاریخ کو عالمگیر بیجاپور کی طرف روانہ ہوا فوج نہایت باقاعدہ طور پر آراستہ ہو کر شہر سے باہر ایک وسیع میدان میں کھڑی ہوئی اور عالمگیر سب کے پیچھے امراء دولت کے جم غفیر کے ساتھ مستقر حکومت سے برآمد ہوا اسی اثناء میں یہ خبر پہنچی کہ ایک مفسد اور غدار جاٹ نے اطراف آگرہ میں فساد و بغاوت کی آگ بھڑکا رکھی ہے اور پیشہ کے طور پر چاروں طرف غارتگری کا ہاتھ کھول رکھا ہے۔ گڈھی بستی پر قبضہ کر لیا ہے اور تاخت و تاراج میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ عالمگیر یہ سُن کر غصہ سے بیتاب ہو گیا اور خان جہان خان کو جاٹ کے استیصال اور گڈھی بستی کے مسمار کرنے پر مامور فرمایا۔ اور مقر سکندر والی بیجاپور کی تنبیہ کے لئے محمد اعظم شاہ کو نہایت آراستہ فوج دیکر تسخیر بیجاپور کیلئے روانہ کیا۔ شہزادہ بیجاپور کے متصل پہنچا تو عبد الرؤف اور شرزہ خان دکنی فوج کو لیکر شہزادے کے مقابلہ میں بڑھا اور دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں

اس سال خشک سالی کی وجہ سے دکن کے تمام شہروں میں غلہ گراں تھا اور گھاس دانہ بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا دکنیوں نے ہر طرف سے ہجوم کر کے راہ رسد بند کر دی اور شاہی لشکر میں کمیابی سے یہ نوبت پہنچی کہ خود محمد اعظم شاہ اور تمام فوجی افسروں کے دل لڑائی سے اُکتا گئے اور بد دل ہو کر واپس آنیکا ارادہ کیا۔ لیکن بہادر جانی بیگم نے اس تجویز کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھا وہ خود ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہو کر لشکر غنیم کی طرف بڑھی جانی بیگم تیر اندازی پر قادر تھی اور اس فن خاص میں اُسے کمال تھا کہ اُسکا کوئی نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا فوج دشمن کے مقابل ہوتے ہی اُس نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا اور ادھر سے اپنی باڈی گارڈ کے

جانباز سواروں کو دفعتہً پل پڑنے کا حکم دیا جس سے حریف کے لشکر میں ابتری اور بے
ترتیبی پھیل گئی اور انتہا سے زیادہ جانوں کا نقصان ہوا

شہنشاہ عالمگیر کو دکن کی خشک سالی اور رسد کے بند ہونیکی اطلاع ہوئی تو اُس نے غازی الدین
خان بہادر فیروز جنگ کی ماتحتی میں فوج کا ایک بڑا دستہ دیکر شہزادہ محمد اعظم کی طرف روانہ کیا اور
مجاہد خاں اور تیر انداز خان اور خنجر خان جو بڑے نامور اور مشہور افسر تھے۔ غازی الدین خان
کی سرگردگی میں تعینات کر کے حکم دیا کہ جہانتک بن پڑے جلد لشکر میں پہنچیں اور رسد غلہ کے
فراہم کرنے اور شاہی فوج تک پہنچانے میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کریں۔

غازی الدین خاں اپنے ہمراہیوں سمیت بڑی تیزی کے ساتھ بڑھا ہوا بیس ہزار اونٹوں پر
غلہ لاد کر بیجاپور پرگنہ اہندی کے قریب پہنچا جو بیجاپور سے تخمیناً سولہ کوس ورے ہے تو
سرداران بیجاپور نے کئی ہزار فوج شہزادہ محمد اعظم شاہ کے محاصرہ پر متعین کی اور پچاس ہزار سوار
اور دو لاکھ کرناٹکی جنگی پیادے ساتھ لیکر غازی الدین خان کی طرف رُخ کیا جانی بیگم
لشکر سمیت اگرچہ محاصرے میں آچکی تھی مگر تو بھی انتہا درجہ کی دلیری کیساتھ حریف کی فوج
کو کلہجلہ جواب دینے میں کمی نہ کرتی تھی اور گاہ بیگاہ فوج مقابل پر چھاپہ مار آتی ایک دفعہ کا ذکر
ہے کہ جانی بیگم دو ہزار سوار ساتھ لیکر شب کے دو بجے اپنے لشکر سے نکلی اور غنیم کی فوج پر کہ
اس وقت غفلت کی نیند میں پڑی سوتی تھی بڑی دلیری سے چھاپہ مارا۔ مقتولوں کی پر رعب اور
دردناک آوازوں سے سارا لشکر بیدار ہوگیا اور مسلح ہو کر جانی بیگم کے مقابلہ میں آکھڑا ہوا
اگرچہ جانی بیگم کی فوج ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی تاہم اُس نے بڑے استقلال کیساتھ
مقابلہ کیا اور جس جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا اسکی نظیر تاریخ جنگ میں بہت مشکل سے
ملسکتی ہے۔ الغرض رات بھر سخت معرکہ رہا

دکھنی فوج مور وملخ کی طرح اُمنڈ کر غازی الدین خان کے مقابلہ میں پہنچی اور دفعتہً طبل جنگ
کی مہیب آواز نے سب کو چونکایا دونوں فوجیں صف بستہ ہوئیں اور جانبین سے آتشبار
آلات داغے جانے لگے۔ پرگنہ اہندی کے وسیع جنگل میں جہانتک نظر کام کرتی تھی
تیروسنان کی چمک اور سوار پیادوں کے ہجوم کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی اگرچہ
دکھنی فوج کی کثرت کی وجہ سے جس کے مقابلہ میں فوج شاہی دسواں حصہ بھی نہ تھی
لشکر شاہی میں اس درجہ تزلزل پڑا کہ اکثر بہادروں کے حوصلے پست ہوگئے اور اُنھوں نے

بالکل ہمت ہار دی مگر بہادر سپہ سالاروں یعنی غازی الدین خاں فیروز جنگ اور مجاہد خاں بہادر نے
جو حقیقی برادر اور ہم نام مرد شجاع تھے دشمن کی کثرت فوج کی مطلق پروا نہ کی اور خدا کا نام لیکر
نہایت دلیری کیساتھ گھوڑوں کو اٹھایا۔ لشکر کی تسلی و دلجوئی کرکے آگے بڑھے اور ایسا
سخت حملہ کیا اور تھابہ ہوا کہ دشمن کے ہوش اڑ گئے جانبین سے آتش جنگ نہایت تیزی
کے ساتھ مشتعل ہوئی اور پرگنہ ایندی کا وسیع صحرا بہادروں کے خون سے سرخ ہو گئی
بہادر اہل مغلیہ کو بجز اس کے کوئی صورت مفر ہی نہ تھی کہ دشمنوں سے لڑیں اور جانیں دیں
انہیں ابتدا ہی سے اس امر کا یقین کامل تھا کہ سوائے جانفشانی کے اس میدان سے
جانبر ہونا نہایت دشوار اور سخت مشکل ہے

غازی الدین احمد خاں اور اس کا بھائی مجاہد خاں اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر فوج غنیم
میں گھس گئے اور اپنی شجاعت کے خوب ہی جوہر دکھلائے بہادروں کی تلواروں کی چمک
سے آنکھوں میں خیرگی پیدا ہو گئی اور ہر طرف سے خون کا دریا جاری ہو گیا اور دلاوروں
کے سر چہار طرف گرتے نظر آتے تھے بیت

برانگیخت زہ سے چو باراں ز میغ　　نگرگ سر پیکاں و باراں ز تیغ

آخرکار بہادروں کے متواتر اور پے در پے حملوں نے دکھنیوں کا حوصلہ پست کر دیا اور انکی
صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ خاصکر فیروز جنگ کے برادر مجاہد خاں بہادر نے اس معرکہ
کارزار میں وہ شجاعت دکھائی جو اب تک تاریخی صفحات میں جلی حرفوں میں نظر آتے ہیں اسکے تمام
حملوں نے دشمنوں کی جماعت میں ایسی ابتری پھیلی کہ پھر ہزار کوشش کے بعد بھی نہ سنبھل سکی۔ اسمیں
دکھنی فوج بہت قتل ہو گئی اور بقیۃ السیف کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے غازی خاں اور مجاہد
خاں صف مقابل کو درہم برہم کرتے ہوئے بغیر کسی آفت کے شہزادہ محمد اعظم کے لشکر تک پہنچ
گئے اور جس قدر سامان ہمراہ ساتھ لائے تھے شہزادہ کے حوالہ کیا۔

بالآخر عالی حوصلہ اور بہادر دل جانی بیگم کی قابل تعریف جانفشانیوں اور حسن تدبیر سے
مغلوں کو فتح ہوئی انہوں نے فوج حریف کو ایسے پے در پے زکیں دیں کہ پھر انہیں مقابلہ میں آنا نصیب
نہیں ہوا شہنشاہ عالمگیر کے عہد سلطنت کا یہ ایک نہایت مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ
[illegible] جانی بیگم اور اس کے بہادر افسروں نے متعدد
[illegible] دکھنیوں کو شکست فاش دی - اور [illegible]

پر فتح کے پھریرے اڑاتے ہے

شہزادہ محمد اعظم شاہ نے ایسے خطرناک محاصرے سے نجات پائی تو جانی بیگم کا بہا بیت دربی لفظوں میں شکریہ ادا کیا اور اسکی شجاعت و بہادری کی بہت کچھ تعریف کی غازی الدین خان بہادر کو ایک سپے افتخاری کے جوش کے ساتھ سینے سے لگا لیا۔ اور طرح طرح کی عنایت اور رعایت کے ساتھ مفتخر کیا۔ لشکر کی خوشی و مبارکی کے جوشیلے نعروں سے سارا میدان گونج اٹھا۔ فتح کے شادیانے بجا بجا بجنے لگے۔ اور قلعہ بیجاپور میں تمام فوجی افسروں نے عام طور پر خوشی منائی۔ شہنشاہ عالمگیر کو یہ واقعہ کی برابر خبر پہنچتی تھی۔ وہ قلعہ بیجاپور کے معاملات منتظر صرف کان لگائے ہوئے تھا۔ غازی الدین خان اور محب ہمدان کی ان جان فشانیوں اور نے جگر یوں کی خبر پہنچی تو انکے مناصب اور عہدوں میں اضافہ کرکے اور دیگر عنایات شاہی سے مالا مال کرکے فرمایا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے فیروز جنگ اور اس کے بھائی مجاہد خاں کے ذریعے سے اولاد تیموریہ کی شرم رکھی اسی طرح اسکی اولاد کی آبرو و عزت زمانہ قیامت تک محفوظ رکھے۔

اسکے بعد شہنشاہ عالمگیر نے اپنی بھتیجی اور عزیز بہو کی قابل تعریف بہادری کی داد دی اور خوشنودی کا ایک خط تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا۔ ہر خوردار من! انہوں نے جو جانفشانی اس مہم میں دکھائی ہے بدولت بھی نہیں ہیں اس خط کے ذریعے سے اپنی پوری خوشنودی کا اظہار نہیں کر سکتا۔ خدا تم کو مع الخیر واپس لائے اور تمہیں دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

رانی جودہ بائی یہ نازک اندام پری تمثال رانی راجہ اودے سنگھ والی جودہ پور کی لڑکی ہے جس کے حسن و خوبی کا آوازہ بہت مشہور تھا۔ اور جس کی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کا چرچا لوگوں کی زبان پر جاری تھا۔ اس کی دلفریب صورت اور جہان آشوب حسن نے اکثر حکمرانوں کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ مگر چونکہ روز ازل سے اسکی قسمت میں ایک عظیم الشان اور باجاہ و جلال بادشاہ کی بیوی بننا لکھا تھا اس لئے اس نے کسی راجہ اور باختیار حکمران کو نظر انتخاب سے نہیں دیکھا اور جیسے سے بڑے با اقتدار شخص کو کبھی اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کیا۔

رانی جودہ بائی ہمیشہ آزادانہ زندگی بسر کیا کرتی تھی اور اکثر معرکوں میں شریک ہو کر اپنی شجاعت کے جوہر دکھایا کرتی تھی اسکی آزاد پسند طبیعت دنیاوی تعیشوں کی طرف

زیب و زینت کے ساز و سامان کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتی اور گوشہ نشینی کی حیا قید کو ہمیشہ
نظر حقارت سے دیکھتی رہی وہ اکثر اوقات گھوڑے پر سوار ہوکر باغوں میں تفریحاً پھرا کرتی
اور جب کبھی موقع ہوتا تو مسلح ہوکر میدان میں اپنی فوج کی جمعیت میں دلیرانہ صف آرا ہوتی
راجہ اودے سنگھ جو اسے دل سے چاہتا تھا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتا تھا ہمیشہ
اسکی دلجوئی میں مصروف رہتا تھا۔ اور کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نکالنا یا کان سے
سننا پسند نہیں کرتا تھا جو اسکے آزادانہ خیالات کی سد راہ ہو۔ بلکہ اسکو ایسی بے قید زندگی
سے بہت خوش ہوتا تھا اور محل کی رانیوں کو عام حکم تھا کہ کوئی شخص اسکے آزادانہ خیالات
میں خلل انداز نہ ہو اور جودہ کرے اسے نظر حقارت سے نہ دیکھا جائے۔

رانی جودہ بائی بڑی دلیر اور شجاع عورت تھی۔ اسکی زندگی کے سب بڑے واقعات ہی
شجاعت کے کارنامے ہیں جو تاریخوں میں مذکور ہیں جس زمانہ میں نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کے
متواتر اور پے در پے حملوں نے جودہ پور میں تزلزل ڈال رکھا تھا رانی جودہ بائی ہی اپنی تدبیروں سے
اسکے زبردست حملوں کو برابر روک رہی تھی اس نے ان معرکوں میں وہ کار نمایاں دکھائے
کہ اوروں تو اور خود جہانگیر کو تعجب ہوگیا اور اسکی بے مثال دلیری کی داد دی۔ انجام کار جودہ پور
فتح ہوگیا اور اسکے اونچے اونچے شوالوں اور بلند مقامات کی چوٹیوں پر اسلامی پھریرے اڑنے
لگے۔ راجہ اودے سنگھ نے اپنے خاندان کی ننگ و عزت محفوظ رکھنے کی غرض سے بادشاہ کی
اطاعت قبول کرلی اور ریاست سے دست کشی کرکے جاگیرداری اختیار کرلی۔ اور رانی جودہ
بائی کو بادشاہ کی خوشنودی کیلئے نذر کردیا اور خود ہاتھ باندھکر تخت شاہی کے سامنے آکھڑا ہوا
بادشاہ بعد فتح دہلی میں آیا اور رانی جودہ بائی کو حرم سرائے شاہی میں داخل کیا

اگرچہ ابتدا میں چند روز تک رانی جودہ بائی اختلاف مذہب اور صحبت ناہمجنسی کی وجہ سے
متوحش اور سخت پریشان رہی مگر پھر رفتہ رفتہ مانوس ہوگئی۔ بادشاہ اسکے حسن صورت پر پہلے
ہی سے فریفتہ تھا۔ لیکن اب اسکی حسن لیاقت اور خداداد قابلیت پر اور بھی دیوانہ ہوگیا۔ اور
رانی جودہ بائی نے اپنی قابلیت سے اس کے دل پر پورا قبضہ کرلیا۔ یہی وجہ تھی کہ بادشاہ
اس کو بہت دوست رکھتا تھا اور اگرچہ اس کے محل میں چار بیگمیں اور بھی تھیں جو حسن
صورت اور معنوی لیاقت میں لاجواب تھیں مگر بادشاہ کو جو دلی محبت اس کے ساتھ
تھی وہ اوروں سے نہ تھی۔ رانی جودہ بائی علاوہ حسن عالمگیر کے شریفانہ اخلاق اور

کریمانہ عادات رکھتی تھی اور یہی سبب تھا کہ محل کی تمام بیگمات اس سے خوش تھیں اور ہمیشہ اس کی دلجوئی اور خوشنودی میں مصروف رہتی تھیں وہ ہر ملنے والے سے خواہ کسی درجے کی ہوتی بمدارات پیش آتی اور ہمیشہ حسن اخلاق اور منکسر المزاجی برتتی تھی۔ بذلہ گوئی اور حاضر جوابی میں اور بیگمات بھی مشہور تھیں۔ مگر اسکی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کو کوئی بیگم نہ پہنچ سکتی تھی جو بات کہتی تھی مذاق سے خالی نہ ہوتی تھی۔ اور جو فقرہ منہ سے نکالتی تھی اُس سے ایک نیا لطف پیدا ہوتا تھا۔ جہانگیر جیسا طباع بادشاہ اسکی بات بات سے مزہ لیتا تھا اور ہر فقرہ پر پھڑک اُٹھتا تھا۔ نور جہاں بیگم جو جہانگیر کی بڑی چہیتی اور پیاری بیگم تھی اگرچہ بذلہ سنجی میں شہرہ آفاق تھی اور اسی وجہ سے اکثر رانی جودہ بائی سے اسکی نوک جھوک اور چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی مگر اُسے کبھی ایسا موقع ہی نہیں ملا جس میں اُس نے رانی جودہ بائی کو زک دی ہو حالانکہ وہ اس پر انتہا سے زیادہ حریص تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نور جہان نے رانی جودہ بائی کو زک دینے اور بادشاہ کی نظروں میں خفیف کرنیکی غرض سے بادشاہ سے کہا کہ آپ کے منہ میں تو بو آتی ہے۔ بادشاہ نے رانی جودہ بائی سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا یہ سچ ہے کہ میرے منہ میں سے بو آتی ہے جودہ بائی نے نہایت برجستہ لہجہ میں کہا بھلا حضور! جس عورت نے صرف ایک ہی مرد کا منہ سونگھا ہو وہ بیچاری خوشبو اور بدبو میں کس طرح تمیز کر سکتی ہے اور کیونکر بتا سکتی ہے کہ اُس کے منہ میں بو آتی ہے نور جہاں یہ برجستہ اور چبھتا ہوا فقرہ سنکر اپنا سا منہ لیکر رہ گئی اور جہانگیر بات کی تہ کو پہنچکر پھڑک اُٹھا۔

ایک اور دفعہ کا ذکر ہے کہ جہانگیر محل سرائے میں رونق افروز تھا اور نور جہاں اور جودہ بائی پاس موجود تھیں۔ جہانگیر نے جودہ بائی سے پانی مانگا تو وہ ایک چھوٹے گلاس میں بھر کر لے گئی۔ اور جب نور جہان نے اسکا سبب پوچھا تو مسکرا کر بولی کہ حضرت کو چھوٹے ہی برتن پسند ہیں اس جواب پر بادشاہ ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور نور جہاں پانی پانی ہو گئی ایک مرتبہ نور جہان نے جودہ بائی پر طنز کرکے نہایت حقارت آمیز لہجہ میں جہانگیر سے کہا کہ حضور یہ گنواری عورت رنگین کپڑے پہنے رہتی ہے ہم نے سفید پوشاک جو شریفوں کا عمدہ پہناوا ہے کبھی اس کے جسم پر نہیں دیکھی جودہ بائی نے فوراً جواب دیا کہ بہنا سہاگن عورت تو رنگین ہی کپڑے پہنا کرتی ہے بیوہ جو چاہے تو سفید پہنے چاہے اور۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایکدن جہانگیر بادشاہ جودہ بائی کی عقل و فہم کی تعریف

کررہا تو رہا اور اُسکی طباعی کی مثالیں عمدہ پیرایہ میں ذکر کرتا تھا۔ اس سے نورجہان اور نہ صرف نورجہاں بلکہ سب بیگموں کے جسم میں آتش رشک بھڑک اٹھی اور اُنہوں نے چین بجبیں ہوکر کہا کہ حضور کو ایک گنواری اور دہقانی عورت کی اس قدر تعریف کرنی زیبا نہیں بادشاہ نے فرمایا کہ میں جھوٹی اور خوشامدی تعریف نہیں کرتا۔ واقع میں وہ نہایت عقلمند اور محتاط اور ذی شعور ہے۔ اگر تمہیں باور نہ ہو تو آج ہی اس کا امتحان کر لو۔ سب بیگموں نے ملکر عرض کیا کہ ٹھیک ہم اس کا امتحان کرنا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسکے ساتھ ہمارا بھی امتحان ہو بادشاہ نے تھوڑے عرصہ کے بعد ایک ایک انار اور سات سات سو سپاریاں ہر بیگم کو دیں اور بیگمات تو لیکر خاموش ہو رہیں مگر جودہ بائی بادشاہ کے کمرہ میں جاکر سو رہی اور بولی واہ حضور نے کیا خوب ڈھنگ ایجاد کیا ہے بادشاہ نے اور بیگموں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا اور اُنہوں نے شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں۔

اسکے بعد پھر ایک دن نورجہاں کو شرارت سوجھی اور اس نے جودہ بائی کو الزام دینے کی غرض سے بادشاہ سے کہا کہ جودہ بائی رسوئی خوب پکاتی ہے بادشاہ نے فوراً ارشاد کیا کہ جودہ بائی آج تم اپنے طریق سے رسوئی کا اہتمام کرو اور اپنے ہی ہاتھ سے پکاؤ تو ہم کھائیں جودہ بائی نے عرض کیا کہ بہت اچھا یہ کہکر رسوئی تیار کی لیکن کھلانے سے پیشتر نمک مرچ کا ذائقہ چکھ لیا۔ نورجہاں جو اس موقع کی منتظر بیٹھی تھی اور اسی پر گرفت کرنے اور الزام دینے کے لئے اس امر کی محرک تھی۔ بیساختہ بول اُٹھی کہ اُس نے تو رسوئی جھوٹی کر دی ہندوؤں میں یہ دستور کہاں ہے کہ عورت شوہر کو کھانا کھلانے سے پیشتر رسوئی جھوٹی کرے۔ جودہ بائی نے نہایت دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ جب شوہر کو جھوٹی ہی پسند ہو تو میں کیا کروں۔ جہانگیر اس لطیفہ سے بے حد خوش ہوا۔ اور نورجہاں عرق خجالت میں غرق ہو گئی۔

یہ لطیفے اگرچہ میں نے ایک معتبر کتاب سے نقل کئے ہیں مگر تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرے لہذا میں اپنے معزز ناظرین سے معذرت کرتا ہوں کہ وہ مجھے غلط نویسی کا الزام نہ دیں۔

حمیدہ بانو بیگم

یہ حسن و جمال میں لاثانی اور عدیم المثال بیگم نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ سلطان ہند کی معزز پیاری بی بی تھی۔ جو حسن و خوب صورتی کے علاوہ عقل و دانش کے زیور سے آراستہ و پیراستہ تھی جس زمانہ میں سلطنت

دہلی کا انتقال خاندان افاغنہ میں ہوا اور چند روز کے لئے تخت دہلی ہمایوں شاہ کے ہاتھ سے نکلکر فرید خان کے قبضہ میں گیا۔ اس وقت حمیدہ بانو بیگم سے وہ کار نمایاں ظہور میں آئے جو تاریخ میں ممتاز حرفوں سے لکھے نظر آتے ہیں یہ حمیدہ بانو بیگم ہی کے فکر صائب اور دانشت رائے کا نتیجہ تھا جو ہمایوں شاہ دوبارہ تخت ہند پر جلوہ فرما ہوا۔

اسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب بابر تخت دہلی کو زینت و رونق دیکر راہگرائے سفر آخرت ہوا تو اس کے بعد ہمایوں شاہ سر پر آرائے سلطنت ہوا۔ ابھی دس سال حکمرانی کرنے پایا تھا کہ فلک نیرنگ ساز نے ایک اور نیا رنگ جمایا۔ یعنی فرید خاں جو قبیلہ سور اور سہسرام جاگیردار کا بیٹا تھا۔ فوج عظیم لیکر دہلی پر چڑھ آیا۔ یہ شخص چونکہ فطرتی بہادر تھا اور مردانگی و شجاعت کا بے مثل جوہر رکھتا تھا اسلئے حکام بنگالہ میں امتیازیہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا اس نے بوجہ مردانگی اور ذاتی لیاقت کے حکام بنگالہ کی خوب ہی خدمت کی اور بہت کچھ اعزاز حاصل کیا تھا۔ رفتہ رفتہ قوت بڑھا کر اڑیسہ اور بنگالہ کا حاکم بن گیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے زور سے بنگالہ کے تمام حکمرانوں اور صوبہ داروں کو مطیع کر لیا۔ جب فوجی قوت اطمینان کے قابل ہو گئی تو ہمایوں پر حملہ آور ہوا۔ اور دو لڑائیوں میں شکست پائی مگر چونکہ اقبال یاور اور بخت مددگار تھا ۹۴۶ ہجری میں تیسری بار صف آرا ہوا۔ اور بخت و اتفاق کی یاوری سے ہمایوں پر فتح یاب ہوکر تخت دہلی پر جلوس کیا۔ اور اب بجائے فرید خاں شیر شاہ کے لقب سے مشہور ہوا اس خاندان میں سولہ برس سلطنت رہی اور چار بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ سلطان محمد عادل شاہ ہوا جو شیر شاہ کی طرح اور بڑا دلیر اور جری آدمی تھا اسکے عہد میں ہمایوں شاہ نے دوبارہ ہندوستان پر فوج کشی کی اور اپنی گئی ہوئی حکومت و عزت کو حاصل کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ یہ سب کار نمایاں حمیدہ بانو بیگم کے تھے۔ جس نے اپنی صائب تدبیروں اور کوششوں سے بادشاہ کو سولہ برس کے بعد ۹۶۲ ہجری میں تخت دہلی پر بٹھایا

حمیدہ بانو بیگم جو بعد کو مریم مکانی کے خطاب سے مشہور ہوئی علاوہ اسکے کہ ایک بڑے مقتدر شہنشاہ کی ممتاز بیگم تھی شرافت و نجابت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی خاتون تھی اسکا نسب شریف چند واسطوں سے جناب ولایت مآب شیخ احمد جام ملقب بہ زندہ پیل تک پہنچتا ہے اور اسکے نجیب الطرفین ہونے کا تمام مورخین کو اعتراف ہے یہی وجہ تھی

اسکے شریفانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کی نظیر خاندان تیموریہ کی مشاہیر بیگمات کے سلسلہ میں کہیں نہیں ملتی۔ اسکی نیک دلی اور عام فیاضی کی حکایتیں بڑی دلچسپی کے ساتھ لوگوں میں مشہور ہیں۔ اور سخاوت و دریا دلی کے خوش آیندہ اور مسرت کن ترانے مورخوں کی زبان پر جاری ہیں۔ حمیدہ بانو بیگم دنیاوی جاہ و حشم کے لحاظ سے بڑی خوش قسمت اور نصیبہ ور زمانہ تھی اس سے بڑھکر خوش قسمتی اور کیا ہوگی کہ ایک طرف وہ شہنشاہ ہمایوں کی عزیز و ممتاز بیگم اور دوسری طرف شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی ماں تھی۔

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ پانچویں رجب سنہ ۹۴۹ ہجری شب یکشنبہ کو حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے امرکوٹ کے قلعہ میں پیدا ہوا اور اس مصیبت کے زمانہ میں پیدا ہوا جبکہ ہمایوں امرکوٹ کے واقعہ میں شکست کھاکر اہل و عیال کو قلعہ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا جیسے اکبر شاہ پیدا ہوا اور اس خوش قسمت لڑکے کے پیدا ہوتے ہی ہمایوں کی شام عسرت صبح عشرت سے بدل گئی۔ گویا اس تاریخ سے ہمایوں شاہ کے اقبال کا ستارہ اوج فلک پر چمکنا شروع ہوا اور اس نے بہت تھوڑے عرصہ میں دشمنوں کو مغلوب کر کے تخت دہلی کو زینت بخشی اس سے معزز و محترم حمیدہ بانو بیگم کی وقعت اور بھی بڑھ گئی اور اب اس نے بادشاہ کے دل پر قبضہ کر لیا اکبر کے پیدا ہونے پر ہمایوں شاہ نے عام خوشی منائی اور چونکہ طبیعت موزوں رکھتا تھا ذیل کے اشعار نہایت برجستگی کے لہجہ میں پڑھے جنسے اسکی تاریخ ولادت کی طرف بھی اشارہ ہے

ع بلله الحمد کہ آمد بوجود ٭ آنکہ از کون و مکان منتخب است ٭ پادشاہے کہ ز شاہان جہان اکبرش نام و جلالش لقب است ٭ شب دو شنبہ و سال میلاد ٭ شب یکشنبہ و پنج رجب است

ہمایوں شاہ جب اکبر کو دیکھتا تو بہت خوش ہوتا اور اسکی فراخ بلند نصیبہ ور پیشانی سے تفاول نیک لیکر کہتا کہ عنقریب ایک وہ زمانہ آنیوالا ہے کہ یہی ہلال نو فلک میں بدر کامل ہوکر چمکیگا۔ اور دنیا کے تمام جاہ و حشم اس کے قدموں کو بوسہ دینگے لیکن افسوس کہ اسکی اس خوشی کا ہمیں جلد خاتمہ ہوگیا۔ اور ابھی اکبر نے عمر کے بارہ مرحلے طے کرکے تیرھویں میں قدم رکھا تھا کہ ہمایوں کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک گیا یعنی سنہ ۹۶۳ ہجری میں اس سرائے فانی سے روضۂ جاودانی میں جلوہ آرا ہوا۔

حمیدہ بانو بیگم کی آنکھوں میں اگرچہ شوہر کے انتقال سے دنیا اندھیر ہوگئی تھی مگر اسکی تسلی اور دلجوئی کے لئے اکبر جیسا بیٹا کافی تھا وہ بیشک اپنی بیوگی پر خون کے آنسو روتی

اگر اکبر سا فرزند اُس کے آغوشِ محبت میں نہ ہوتا۔ اکبر نے تخت نشین ہوتے ہی ماں کی وہ سعادتمندانہ
خدمت کی کہ وہ چند ہی روز میں شوہر کے غم کو بھول گئی اور نہایت فارغ البالی کے ساتھ ایک
عرصہ تک زندگی بسر کرتی رہی۔

حمیدہ بانو بیگم کی طبیعت نہایت موزوں واقع ہوئی تھی اور فارسی میں بہت ہی برجستہ شعر
کہتی تھی چنانچہ جس زمانہ میں ہمایوں بادشاہ نے بیرم خان کو قلعہ قندھار کی حفاظت پر تعینات
کرنے کے بعد کابل پر دوبارہ چڑھائی کر کے فتح کیا تو ذیل کی چند بیتیں حمیدہ بانو نے بادشاہ کی
طرف سے بیرم خاں وزیر سلطنت کو لکھیں جس سے اُس کی زورِ طبیعت اور عالی دماغی کی شہادت
بہت کچھ ملتی ہے **ابیات** باز فتح زغیب روئے نمود ÷ کہ دلِ دوستاں ازاں بکشود ÷
شاکر اللہ کہ باز شاد انیم ÷ برُرخ یار و دوست خندانیم ÷ دوستاں را بکام دل دیدم ÷ میوۂ
باغِ فتح را چیدیم ÷ روزِ نو روز بیرم است امروز ÷ دلِ احباب بیغم است امروز ÷ شاد باد ا
ہمیشہ خاطرِ یار ÷ غم نہ گردد بگرد یار و دیار ÷ ہمہ اسباب وعیش آمادہ ست ÷ دل بہ فکر و صلت
افتادہ ست ÷ گوش و خرّم شود ز گفتارت ÷ دیدہ روشن شود ز دیدارت ÷ بعد ازیں فکر
کار سند کنیم ÷ عزم تسخیر ملک سند کنیم ÷ ان ابیات سے جس قسم کی برجستگی معلوم ہوتی ہے وہ حمیدہ
بانو بیگم کی حسن لیاقت و قابلیت کی صریح دلیل ہے۔ مگر بعض مورخوں کا بیان ہے کہ یہ اشعار
ہمایوں بادشاہ کے زور قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس سفر میں حمیدہ بانو بیگم بادشاہ
کے ساتھ نہ تھی بلکہ دارالخلافہ آگرہ میں موجود تھی۔

حمیدہ بانو بیگم شوہر کے انتقال کے بعد اڑسٹھ برس تک زندہ رہی اور نہایت کامیابی اور
نیکنامی کیساتھ زندہ رہی آخر کار ۱۰۱۲ھ ہجری میں سفر آخرت کیا اسوقت شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر
جہانگیر کی اصلاح کی غرض سے الہ آباد روانہ ہو چکا تھا۔ نصف رستہ طے کیا تھا کہ مریم مکانی کے اشتداد
مرض کی خبر پہونچی۔ شہزادہ نے خود تو وہیں قیام کیا اور شہزادہ بلند اقبال سلطان خرم بن جہانگیر
کو جو اپنی بزرگوار اور محترم دادی کی استرضا اور دلجوئی میں انتہا سے زیادہ کوشش کیا کرتا تھا۔
حکم دیا کہ فوراً دار الخلافہ کی جانب لوٹ جائے۔ سلطان خرم جدہ بزرگوار کی مزید علالت کی خبر
سنکر بیتاب ہو گیا اور فوراً واپس آنے کا ارادہ کیا۔ شہنشاہ اکبر نے چلتے وقت فرزند ارجمند کو تاکید
کی کہ جب تم اپنی بزرگ دادی سے سعادت حاصل کر چکو تو مرض کی واقعی کیفیت دریافت کر کے
بہت جلد واپس آجاؤ تاکہ مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے۔ سلطان خرم نہایت عجلت کر

سانحہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور مریم مکانی کی خدمت میں پہونچکر احوال دریافت کرنے کے بعد جدہ مکرمہ سے اجازت لیکر شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر حضور دیدار آخری کا ثواب حاصل کرنا چاہتے اور حضرت اور حضرت مریم مکانی کی خوشنودی کے طالب ہیں تو صلاح نیک اور فلاح دارین اس میں ہو کہ فوراً جناب واپس تشریف لے چلیں اور والدہ محترمہ کے سرہانے حاضر ہوں شہنشاہ اکبر شہر میں واپس آیا اور والدہ ماجدہ کے دیدار دم واپسیں کی سعادت حاصل کی۔ اتفاق سے اسی روز اس مرحومہ کا واقعہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انتہا کے غم میں سر اور ڈاڑھی اور مونچھوں کا صفایا کر ڈالا اور ماتمی لباس پہنکر دو روز تک نوحہ و بکا میں مصروف رہا تیسرے روز تبدیل لباس کیا اور جن امرائے دربار نے اس رسم میں بادشاہ کی تقلید کی تھی سب کو اعلیٰ قدر مراتب خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ شہزادہ سلیم یعنی جہانگیر کو اس ہولناک خبر کے سننے سے سخت ملال ہوا اور رسم تعزیت کی شہرت دیکر فوراً اکبر آباد حاضر ہوا۔

حاجی بیگم

یہ حسینہ اور پری جمال خاتون بھی ہمایوں بادشاہ کی دوسری بیگم ہے جسکی جیتی جاگتی یادگار شہر دہلی سے ساڑھے تین میل کے فاصلے پر بجانب جنوب عرب سرائے کے متصل ابتک کھڑی ہو اور اپنے بانی کی یادگار رہی ہے۔ اس حوصلہ مند بیگم نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ایک نہایت عالیشان اور خوبصورت عمارت بنائی جو مقبرہ ہمایوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقبرہ کی تیاری سنہ ۹۷۳ ہجری میں بیگم مذکور کی ہمت سے شروع ہوئی اور سولہ برس کے عرصہ میں شہنشاہ جلال الدین اکبر بادشاہ کی امداد سے پندرہ لاکھ روپیہ کی لاگت سے اختتام کو پہونچی۔

اس مقبرہ کی عمارت ایسی دلفریب اور خوبصورت ہو کہ روئے زمین پر اپنا نظیر نہیں رکھتی سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے ملا کر اس کی عمارت بنائی گئی ہو اس کا احاطہ جس کے گرد اونچی دیواریں ہیں ۳۰۰ گز مربع سے اوپر اور دو بڑے دروازے اندر جانے کے لئے ہیں۔ ایک جنوب کیطرف دوسرا مغرب کی جانب اسی طرف کے دروازے میں چند مکانات بنے ہوئے ہیں جو لطافت و دلکشائی میں بے مثل ہیں۔ دروازہ میں ہر مکان کے اندر جانیکا جداگانہ راستہ ہو اور نہایت خوبصورت سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جنوبی دروازہ میں اگرچہ مکانات نہیں ہیں لیکن دروازے کے گرد و روں کے بننے اور چبوترہ کے ہونے سے عجیب نمود اور شان پیدا ہو گئی ہے۔ دروازے سنگ سرخ اور سنگ رخام سے بنے ہوئے ہیں لیکن سنگ رخام ایسا خوشرنگ دیا

لگایا گیا ہے کہ دور سے بالکل ایسا نظر آتا ہے کہ سنگ سرخ میں سنگ مرمر بچی کر دیا گیا ہے۔ مقبرہ کی فصیل چونہ اور پتھر سے بنی ہوئی ہے:۔

مقبرہ کے گرد نہایت پُر فضا اور وسیع باغ ہو جس کو اب بہت ترقی دیدی گئی ہو کسی زمانہ میں بہت ہی آراستہ ہوگا۔ چاروں طرف نہریں جاری تھیں جا بجا حوض بنے ہوئے تھے پانی بھرا تا تھا۔ مقبرہ کے ہرے ہرے درخت لگے ہوئے تھے غرضکہ اس کی زیب و زینت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا تھا مگر اب وہ پہلی سی بات کہاں۔ تاہم گورنمنٹ نے خاصی رونق دیدی ہے مقبرہ کی عمارت بدستور قائم ہو غالباً اسکے بانیہ نے صرف اس غرض سے اسکی تعمیر کی تھی کہ شاہی خاندان کے لوگ یہاں دفن ہوا کریں۔ چنانچہ مدت تک یہ دستور رہا کہ شاہی خاندان میں سے جو شخص مرتا تھا اس مقبرہ میں دفن ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ دستور موقوف ہو گیا ہے جتنے در اس مقبرہ کی کرسی میں ہیں سب میں شاہی خاندان کی قبریں موجود ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک قبر دارا شکوہ کی ہو جو اورنگزیب کا بڑا بھائی وارث تاج و تخت تھا جسکو بادشاہ نے مروا ڈالا تھا مقبرہ کے وسطی کمرہ میں جو سب سے بڑا کمرہ ہے۔ ہمایوں بادشاہ کی قبر ہے۔ پھر مقبرہ کے ارد گرد اور کئی کمرے ہیں۔ انہیں سے اُس کمرہ میں جو شمال و مشرق کی جانب واقع ہو دو قبریں ہیں ایک حمیدہ بانو بیگم کی جو شہنشاہ اکبر کی سوتیلی ماں تھی دوسرے حجرے میں جو شمال و مغرب میں واقع ہو تین اولوالعزم اور مشہور بادشاہوں کی قبریں ہیں معزالدین۔ جہاندار شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ فرخ سیر ہیں اس کمرے کے مقابل ہیں جنوب مشرق کی طرف اور قبریں ہیں ایک اورنگ زیب کی بیگم کی دوسری دارا شکوہ کی بیگم کی تیسری فرخ سیر کی بیگم کی۔ یہ تینوں حقیقی بہنیں تھیں جو تین مختلف شخصوں کے نکاح میں تھیں۔ شاہ عالم بادشاہ اور ان کی بیگم کی قبر بھی اسی میں ہے۔ ان دونوں حجروں کے درمیان ایک وسیع دالان ہو جسمیں خاندان مغلیہ کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں مخفی ہو گئے تھے جسے انگریزوں نے ایک جالیدار دروازہ توڑ کر اپنی حراست میں کر لیا تھا۔ اب اس دروازے کی مرمت کر دی گئی ہے۔

اس مقبرہ کے متصل ایک سرا واقع ہو جو عرب کی سرا کے ساتھ مشہور ہے یہ سرائے بھی حاجی بیگم کی بنائی ہوئی ہو جب سرا بنکر تیار ہو گئی تو نیک دل اور فیاض بیگم نے بڑی عالی ہمتی سے عربوں کو حرمین شریفین سے لا کر آباد کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حاجی بیگم تین سو عرب حرمین سے لائی تھی جن میں سو عرب سادات عالیات سے تھے اور سو مشائخ کبار اور سو خدمتگزار

اور عوام۔ لیکن اس زمانہ میں ان کے خاندان کے لوگ معاش کی تنگی کیوجہ سے متفرق اور پریشان ہو گئے اور ان کی جگہ ہر قوم کے لوگ آباد ہوئے عرب سرا کے تین دروازے ہیں دو دروازے تو کچھ ایسے عمدہ اور خوبصورت نہیں ہیں لیکن شمالی دروازہ کسی وقت میں بہت شاندار ہوگا۔

خانہ زاد بیگم

یہ عصمت مآب اور پرجمال بیگم ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کی حقیقی بہن ہے جو حسن و جمال میں بینظیر ہونے کے علاوہ عقل و دانش میں بے مثل شہرت رکھتی تھی۔ چنانچہ بابر نامہ میں اس بیگم کے تجربے مذکور ہیں ۹۰۶ھ ہجری میں جب محمد بابر بادشاہ قلعہ سمرقند میں محصور تھا تو خانہ زاد بیگم اپنی عقلمندی سے بھائی کے دشمن شیبانی خاں کے پرزور حملے نہایت دلیری سے روک رہی تھی۔ انجام کار محمد بابر شاہ شیبانی خان کے ہاتھ گرفتار ہو گیا اور اسے بجز اس کے اور کوئی صورت مفر کی نہیں رہی کہ خانہ زاد بیگم کو شیبانی خان کے نکاح میں دیدے۔ چنانچہ اس نے اپنے ننگ و ناموس کی جان بچانے کے لئے خانہ زاد بیگم کو شیبانی خان کے نکاح میں دیدیا۔

اس واقعہ کا قصہ طول و طویل ہے مختصر یہ کہ جب ۸۹۹ھ ہجری میں میرزا عمر شیخ کبوتر خانہ کے کوٹھے سے گر کر انتقال کر گیا تو امراء دولت اور اراکین سلطنت نے موضع فرغانہ میں میرزا بابر کے سر تاج اقتدار و فرمانروائی رکھا۔ جو بعد کو ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے لقب سے پکارا گیا۔ اور ماوراء النہر اور سمرقند وغیرہ میں جب اس خبر نے اشاعت پائی تو وارثان ملک کی غیرت و حسد کی رگ حرکت میں آئی۔ اور بادشاہ کے چچا سلطان احمد میرزا نے حصار سے اور خالو سلطان محمود میرزا نے سمرقند سے لشکر کشی کی۔ مخالف فوج کے ہجوم نے سارے فرغانہ میں ایک عظیم الشان تہلکہ ڈالدیا۔ اور ہر طرف ہل چل سی پڑ گئی شاہی ملازموں اور نوکروں نے مرعوب ہو کر سلطان احمد میرزا سے ساز باز کر لی اور فتنہ انگیزوں کی جماعت نے بیوفائی کی۔ اس سے بادشاہ نہایت ہراساں ہوا اور زمین اسپر تنگ ہو گئی آخر کار قاضی القضات اور دیگر اعیان دولت کے باہمی مشورہ سے بادشاہ کو فرغانہ سے نکالکر اندرجان میں لے گئے اور چونکہ سامان جنگ فراہم نہ تھا تائید الٰہی پر بھروسہ ہونا پڑا ظاہر میں قلعہ اور برجوں کی حفاظت کر لی اور دشمنوں کی سد راہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور سلطنت کے دونوں مدعیوں نے دیگر مخالفوں کی نفاق انگیزی کی مدد سے اندرجان کا محاصرہ کر لیا اور آتش فشاں آلات سے محصورین کو تنگ کر دیا۔

ایام محاصرہ میں ہر چند کہ جانبین سے پیغام صلح کے گھوڑے دوڑے مگر سلطان احمد میرزا
کے امرا صلح پر راضی نہیں ہوئے یہانتک کہ بابر شاہ کی خوش قسمتی اور یاوری اقبال سے سمرقندیوں
کے لشکر میں طاعون پھوٹ پڑا جس نے بہت سے تھوڑے عرصہ میں تمام گھوڑے اور چوپائے
ہضم کر لئے یہ دیکھکر لشکر سمرقند بیتاب ہو گیا اور چند ضعیف شرطوں پر مصالحت کرکے مدعیان
دولت نے محاصرہ سے دست برداری کر لی ایسے بادشاہ کی خوش قسمتی کہنا چاہئے کہ دعویداران سلطنت
کے محاصرہ اٹھاتے ہی سلطان احمد میرزا کا انتقال ہو گیا اور بادشاہ وصحت وقت غنیمت جان کر
علی دوست طغائی کو اندرجان کا قلعدار مقرر کرکے تسخیر سمرقند کیلئے مستعد آمادہ ہوگیا۔ اور
سامان جنگ مہیا کرکے سمرقند کیطرف روانہ ہوا سمرقندی بھی جنگ کے ارادہ سے باہر نکلے اور ایک
کھلے میدان میں دونوں لشکر صف آرا ہوئے چند لڑائیوں کے بعد سمرقندیوں نے شکست کھائی
اور سخت شکست کھائی محمد بابر باتفاق دبخت کی یاوری اور دفاکیش جان نثار ہمراہیوں کی ۔۔
کوشش سے بطریق مصالحت کامیاب ہوا اور سمرقند نے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

جن بہادر افسروں نے اس معرکہ میں جان نثاریوں کا ثبوت دیا تھا اور داد شجاعت دیکر فطری
جوانمردی کے جوہر دکھائے تھے خلعت فاخرہ اور ممتاز عہدوں سے سرفراز ہوئے اور سب نے
بادشاہ کی تلوار کے آگے گردنیں جھکا دیں لیکن قوم ازبک کے بہت سے سردار قلعہ سمرقند کی فتح کے وقت
غنائم اور تاراج سے محروم کر دئے گئے تھے اور یہاں ان کی ناخوشی اور بگاڑ کیوجہ بھی پریشانی اور
بے سروسامانی کا عذر کرکے بادشاہ سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ احمد تنبل جس کے بارہ میں سب سے زیادہ
شاہی رعایت عمل میں آئی تھی اور ابراہیم بیگ جانعلی بیگ جو نامی اور مشہور امرا میں شمار کئے
جاتے تھے اور سلطنت کیطرف سے ان کی بڑی آؤبھگت ہوتی تھی خدمت بادشاہ سے جدا ہو کر
اوزن حسن سے جا ملے جو اس ضلع کے بعض تعلقات کا حاکم اور محمد بابر بادشاہ سے موروثی نزاع
رکھتا تھا اس کے ساتھ ہی جہانگیر میرزا کو جو بادشاہ کا بھائی تھا بھڑکا کر مدعی سلطنت قرار دیا
اور کھلے لفظوں میں بادشاہ کو پیام دیا کہ جہانگیر میرزا بھی ولدت تخت وتاج اور شریک سلطنت
ہے اگر تم سمرقند پر حکمرانی کرنا چاہتے ہو تو اندرجان جہانگیر میرزا کے سپرد کرو۔

اس بیہودہ اور ناجائز سوال کا جواب انکے خلاف مدعا ملنا ہی تھا جہانگیر میرزا اپنے مدعا کے
خلاف جواب پاکر غصہ سے بیتاب ہو گیا اور مدعی ملک ودولت ہو کر کھلے بندوں مخالفت کا طبل
بجایا اور ہتھیار فوج لیکر اندرجان پر چڑھ گیا بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً [illegible] کو

متوجہ ہوا بابر ادھر جہانگیر مرزا کی بہت سی فوج اور تنبل باغی انکے ساتھ مین جہانگیر مرزا نے
سمجھا اور شہر کی فتح کی غرض سے روانہ کیا۔ لیکن ظالم انہون نے خود آ کر الا اور
کیا ہزیمت کھا کر اس کا شہر کہ مخصر مین انکا دیا بھی دوست طغائی خود نہ ... خان کا انتظار
تھا باتفاق مولانا قاضی کے مستحکم مورچہ مین مشغول ہوا اور طلب کمک مین بادشاہ کو عریضہ
روانہ کیا اتفاق سے ان دنون بادشاہ کی طبیعت علیل تھی اور ایسا سخت علیل تھا کہ بولنے اور
بات کرنے کا یارا نہ تھا لہذا نہ تو وہ خود ہی اس طرف متوجہ ہو سکا نہ کوئی ہی مدد فرما کر انتظام
کر سکا۔ کچھ صحت کے آثار نمایان ہوئے تو ایک جرار فوج لیکر سمرقند سے اندجان کی جانب
متوجہ ہوا۔ ابھی پہلی منزل سے طے کر رہا تھا کہ لوگون نے خبر دی کہ قلعہ اندجان جہانگیر مرزا کے تصرف
مین آ گیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ادھر تو بادشاہ کی طرف سے کمک پہنچنے مین دیر ہوئی۔ ادھر
حضور کے عارضہ بیماری کی متواتر اور پے در پے اندیشناک خبرون نے لوگون کے قدم اکھیڑ دئے
انجام کار جہانگیر مرزا قلعہ پر قابض ہو گیا مولانا قاضی شہید کر دئے گئے اور خطبہ جہانگیر مرزا
کے نام پڑھا گیا علی دوست طغائی اظہار موافقت کے حیلہ سے جان بچا کر چلا گیا۔ اور قلعہ
مرغینان کہ وہ بھی اسی کے تعلق مین تھا ہو گیا اب تقاضائے وقت وہان بھی جہانگیر مرزا
ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا اور اسی کا سکہ چلتا ہے۔

اس وحشت انگیز خبر نے بادشاہ کی جمعیت مین اسقدر رنگ تفرقہ ڈالا کہ ساری فوج
اس سے برگشتہ ہو گئی اور دو ہزار سوارون سے زیادہ اسکے ہمراہی مین کوئی نہین رہا۔ اس قصور
سے سمرقند بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور فوج کی طرف سے تنہا ہو گیا سو الگ۔ ناچار خجند
کی طرف متوجہ ہوا۔ اور محمد حسین گورگانی کاشغری کی صلاح و موافقت کیوجہ سے چند روز
حوالی خجند مین بہزار بلا زندگی بسر کی جاڑے کا موسم نکل گیا تو کچھ جمعیت فراہم کر کے موضع ایلاق
مین پہونچا اور اپنے دربار دانش تدبیر اور محمد حسین کی رفاقت سے دو قلعہ فتح کر لئے۔ اگرچہ
اس وقت بظاہر تھوڑی سی جمعیت فراہم ہو گئی تھی جس سے بادشاہ کو فی الجملہ تشفی ہوتی تھی۔
لیکن چونکہ ضروری خرچ آمدنی سے زائد تھا اور لشکر کی تنخواہ گویا بالکل ناکافی تھا اس لئے باطنی جمعیت
و اطمینان حاصل نہ تھا فوج روز بروز گھٹتی جاتی تھی اور دشمنون کا غلبہ ترقی پر تھا۔

اسی اثنا مین علی دوست طغائی کا ایک عریضہ قلعہ مرغینان سے پہنچا جس کا مضمون یہ تھا
کہ جو قلعہ اندجان حضور کے ہاتھ سے نکل جانے پر سخت ندامت و افسوس کرتا ہون اور تکلیف دیتا

قلعہ مین داخل ہوا نا عاقبت اندیش اور بد انجام مخالفون نے بادشاہ کا اقبال مشاہدہ کیا۔ تو کوہستانی صحراؤن مین بھاگ گئے اور مدتون تک پہاڑون مین بھٹکتے پھرے۔

ناصر بیگ اور دیگر بہی خواہان سلطنت جو ناصر بیگ کی معیت مین تھے مورد عنایات خسروانہ ہوئے اور ہر ایک شخص علی حسب المراتب منصب عہدہ سے معزز و سرفراز ہوا۔ مخالفون کی جمعیت مین تفرقہ پڑنا تھا کہ بادشاہ کو متواتر نمایان اور پے در پے فتوحات حاصل ہونی لگین چنانچہ بہت تھوڑے عرصہ مین دار السلطنت فرغانہ بادشاہ کے تصرف مین آگیا اور فتوحات کا سلسلہ دور دور تک پھیلتا چلا گیا فرغانہ پر فتح پاتے ہی دریا دل بادشاہ نے اوزن حسن کی طرف رخ کیا اور چند دن کے محاصرہ کے بعد اوزن حسن ایام جان خراسان ہو کر آوارۂ دشت ادبار ہو گیا لیکن اس کے ہمراہیون نے بادشاہ کے حضور مین معذرت کی اور اسباب و عیال سمیت مشرف اندوز ملازمت ہوئے رحمدل بادشاہ نے ان کے قصور و خطا ان کو بخشدیا۔

ان ہی ایام مین اکثر امرا اور بہی خواہان سلطنت نے جو تنبل اور باغی جماعت کی بیداد اور غارتگری کی زد مین آئے ہوئے تھے حضور شاہی مین عرض کیا کہ تسخیر قلعہ اندجان اور قتل قاضی کے بعد ہمارے تمام مال و اسباب پر ان لوگون نے غارتگری کے ہاتھ کہولے تھے اور لوٹ کہسوٹ کر ہمین ننگا کر دیا تھا چنانچہ ابھی تک ہمارے بہت سے مال و اسباب انکے تصرف مین ہین۔ بادشاہ کا حکم بسر و چشم قابل تسلیم ہے جب حضور نے ان کو امان دی ہے تو ہم نے بھی اپنے مطالبات سے درگذر کی لیکن جس قدر ہمارا اسباب انکے ہاتھ مین بالفعل موجود ہے اسکے واپس دینے مین انہین کیا عذر ہو سکتا ہے حکم ہوا کہ جو شخص اپنا مال پہچان لے بشرط اثبات شرعی و عرفی اپنے قبضہ مین کر لے مغلون کے کانون تک یہ خبر پہونچی تو وہ از سر نو آزردہ ہوئے اور بادشاہ کی اطاعت سے منحرف ہو کر باتفاق احمد تنبل جہانگیر میرزا سے جا ملے اور دوبارہ علم بغاوت اونچا کر کے متوجہ تسخیر اندجان ہوئے محمد بابر بادشاہ نے قاسم خان قوچین کو جو بڑا بہادر اور جانباز افسر تھا فوج کا ایک دستہ دیکر باغیون کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اور تاکیدی حکم دیا کہ جہانتک بن پڑے غدار جماعت کی بغاوت کو آب شمشیر سے بجھایا جائے چنانچہ قاسم خان قوچین اپنی فوج کو ساتھ لیکر تعاقب مین نکلا اور فوج مخالف پر یکطرف ٹوٹ پڑا اور اس تیزی سے حملہ کیا کہ غنیم کے مردان کی صفین الٹ دین۔ مگر بعد کو قاسم خان کی فوج مین کچھ ایسی ابتری پہیلی کہ سنبھل نہ سکی حملہ آور فوج نے عقب سے حملہ کیا اور شاہی فوج بری طرح منتشر ہو گئی قاسم خان نے شکست کہائی اور بہت سے امرا و دولت کام آئے۔

اور بہت سے دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے ؛

احمد تنبل کے حق میں اگرچہ اس فتح کا نتیجہ برا ثابت ہوا مگر وہ اس فتح پر مغرور ہو کر بادشاہ کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا اور قلعہ اندجان کی تسخیر میں ساری کوشش صرف کر دی پورے ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کئے رہا۔ لیکن کچھ بھی فائدہ مترتب نہیں ہوا۔ اور جب آدمی اور جانور کثرت سے ضائع اور تلف ہو گئے تو مایوس ہو کر واپس ہوا مگر پھر بھی اطمینان سے نہ بیٹھا اور تھوڑے عرصہ کے بعد فوجی قوت جمع کر اور سامانِ جنگ درست کر کے مقابلہ میں آموجود ہوا۔ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور چند مرتبے سخت معرکہ ہوا اسی اثنا میں بادشاہ کو خبر پہونچی کہ سلطان محمد میرزا سات ہزار مسلح سواروں کے ساتھ جہانگیر میرزا کی مدد کو آپہونچا ہے اور قلعہ کاشان کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اگرچہ سردی بہت زور و شور پر تھی اور تمام جنگل و کوہستان برف باری کی کثرت سے برفستان بنا ہوا تھا تاہم بادشاہ اس خبر کے سنتے ہی بےچین ہو گیا اور محصورین کی مدد کو فوراً روانہ ہو۔ قلعہ کاشان کے قریب پہونچتے ہی فوج عظیم پر حملہ کیا اور ایک ہی حملہ میں لشکر کو ہزیمت دی۔ علی دوست اور قنبر علی جو دل سے بادشاہ کے خیر خواہ نہ تھے اور ان کی زبانیں دونوں سے موافقت نہ رکھتی تھیں۔ پیچھیں پڑ کر صلح کے درپے ہوئے اور مدار صلح یہ امر قرار پایا کہ ولایت اندجان اور اس کے تعلقات حضور بادشاہ سے تعلق رکھیں اور دریائے خجند سے اخشی تک جس قدر زمین ہے جہانگیر میرزا کو عنایت کی جائے بادشاہ اس صلح پر راضی ہو گیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اقرار کریں کہ ہم اپنے عہد و پیمان سے تجاوز نہ کرینگے تو مجھے یہ شرط منظور ہے۔ اور میں ان شہروں پر بدل راضی ہوں چنانچہ احمد تنبل اور جہانگیر میرزا نے اس مصالحت پر رضامندی ظاہر کی اور جانبین سے عہد و پیمان ہو گئے احمد تنبل اور جہانگیر میرزا دونوں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور دونوں طرف کے قیدی آزاد کر دئے گئے۔

علی دوست بادشاہ کی عنایتوں اور تقرب پر اسقدر مغرور تھا۔ کہ عموماً امرائے دربار اور اپنے معاصرین کو بےوقعت سمجھتا تھا اور ان سے اچھا برتاؤ نہ کرتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر ارکین سلطنت اس سے علیحدہ رہتے تھے اور قریب تھا کہ اس رنج اور باہمی کشمکش سے بادشاہ کی جمعیت خاطر میں خلل عظیم پڑ جائے بادشاہ کو علی دوست کا نفاق باطنی ظاہر ہوا تو اس نے اس کے ساتھ اس قدر رعایت پھر بھی کی کہ از راہ خطا بخشی بغیر ضرر جانی و مالی اسے رخصت کر دیا۔ ناحق شناس بدنیاد علی دوست احمد تنبل کے پاس پہونچا۔ اور جہانگیر میرزا کی خدمت میں

ساتھ لیکر قلعہ سے نکلا اور مرحلہ پیمائے دشت ناکامی ہوکر شیبانی خان کے پاس پہنچا جو شہر سے باہر تین میل کے فاصلہ پر خیمہ زن تھا یہ وحشت انگیز خبر سنکر شیبانی خان آٹھ ہزار فوج [illegible] کو فتح سمرقند کی تسخیر کی غرض سے بڑھا مگر یہاں پہنچکر جب معلوم ہوا کہ [illegible] پیش گیا اور تمام کوشش [illegible] نکال کچھ بن نہ آئی تو مجبور ہوا اٹھا کر واپس ہو گیا سمرقند کے تمام معززین و اعیان بادشاہ کے سلسلہ خدمت میں آگئے اور مع کچھ نذر وغیرہ کے [illegible] تسلیم کر دی تھی۔

اس کے بعد شیبانی خان سمرقند کی تسخیر کا خیال دل سے نکال نہیں سکا تھا [illegible] جب لشکر جمع ہو گیا تو وہ تلافی مافات کی فکر میں ہر طرف تگ و دو کرتا پھرا مگر اسکا کوئی موقع نہ پایا۔ ادھر فردوس مکانی بھی اسی فکر و تدبیر میں دن رات مصروف تھا کہ جہانتک ممکن ہو دشمن کو ماوراء النہر اور اس کے مضافات سے نکال باہر کرنا چاہئے چنانچہ شروع ۹۰۶ھ میں بادشاہ نے اپنا متفرق لشکر جمع کیا اور اطراف و جوانب سے کومکیوں کی ایک جماعت کثیر فراہم کر لی شیبانی خان با لشکر عظیم بنکر نواحی سمرقند میں آ دھمکا اور جانبین سے سخت معرکہ ہوا چونکہ کومکی فوج پہلے ہی بے دل ہو گئی تھی عین معرکہ میں قدم اکھڑ گئے اور مغلوں نے اپنے طریقہ قدیم پر کاربند ہوکر تاراجی کی جس سے لشکر شاہی میں تفرقہ پڑ گیا اور ایسا عظیم الشان تفرقہ پڑ گیا کہ جب بادشاہ معرکہ جنگ سے واپس ہوکر دروازہ قلعہ تک پہنچے تو اس کی ہمراہی میں پندرہ سولہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے شیبانی خان تعاقب کرتا ہوا قلعہ کے دروازے تک آ پہنچا اور فوراً محاصرہ کر لیا۔

اس محاصرے نے چار مہینے تک برابر طول کھینچا اور اہل قلعہ کو مطلق غذا نہ پہنچی جس سے بادشاہ اور اسکے ہمراہی سخت پریشان ہوئے۔ ذخیرہ کی تنگی کی یہانتک نوبت پہنچی کہ گھاس کا ایک گٹھا ہموزن زعفران کے میسر نہ تھا اور روٹی کا ایک ٹکڑا جان کے بدلے ملنی مشکل تھی۔ بہت سے گھوڑے ذبح کئے گئے اور ان سے قوت لایموت کی گئی۔ فردوس مکانی نے ہرچند کہ طلب کومک میں خراسان و قندہار اور مغلستان کے سلاطین کو لکھا مگر کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوا۔ آخرکار مجبور ہو کر بادشاہ صلح پر آمادہ ہوا اور مخلوق خدا کی جان بچانے کی غرض سے مصالحانہ کی ایک بڑی بھاری شرط یعنی اپنی ہمشیرہ خانزادہ بیگم کو شیبانی خان کے نکاح میں دینے پر راضی ہو گیا چنانچہ جانبین سے صلح کی شرطیں پیش ہوئیں اور دونوں فریق میں مصالحت ہو گئی۔

چونکہ اس سے پیشتر خانزادہ بیگم کی خالہ اور خالہ بھی حقیقی خالہ شیبانی خان کے نکاح میں تھی اس لئے اس جدید تعلق کے وقت اسے خانزادہ بیگم کی خالہ سے قطع تعلق کرنا ضرور تھا اور اسے

طلاق دینی ہی تھی چنانچہ شیبانی خان نے اسے فوراً طلاق دیدی اور خانزادہ بیگم کو نکاح مین لے آیا
مگر افسوس کہ آخر کار اسے بھی نباہ نہ کرسکا اور تھوڑے ہی عرصہ مین طلاق دے دی چنانچہ منتخب
اللباب بحوالہ تاریخ رشیدی بیان کرتا ہی کہ جب خانزادہ بیگم شیبانی خان کے نکاح مین آگئی تو بھائی
کی طرفداری کے سوا اس شیبانی خان کا تعلق جو خانزادہ بیگم کیساتھ تھا رنج سے بدل گیا۔ اور
اس نے باین لحاظ کہ وہ اپنے بھائی کی خیرخواہی اور جانبداری کا دم بھرتی ہے ایک فرزند کے تولد کے
بعد اسے طلاق دیدی۔

الغرض محمد بابر بادشاہ نے اس ذریعہ سے شیبانی خان کے پنجہ ظلم سے رہائی پائی اور سنہ ۹۰ھ
کے اوائل مین آدھی رات کیوقت برفاقت خواجہ ابو المکارم اور چند جان نثار ہمراہیون کے جو
شمار مین سو ستہ زیادہ نہ تھے قلعہ کے باہر آیا اور بعد توکل الٰہی کی مدد پر بادیہ پیما راہ تاشقند
ہوا۔ خانزادہ بیگم اور اس کے ساتھ چند مستورات شاہی کو جنکا نگہبان تحرخت کے ا اور کوئی نہ تھا ہمراہ
نہ لے سکا اور وہ سب کی سب ظالم شیبانی خان کے تصرف مین رہین جہانگیر میرزا اس موقع پہ
مطلع ہوا تو نہایت حسرت و افسوس سے بھرا ہوا ایک معذرت نامہ بھائی کی خدمت مین روانہ
کیا اور حضرت فردوس مکانی تاشقند مین پہونچکر سلطان محمود خان کے مہمان ہوئے میزبان نے
اپنے محترم و بزرگ مہمان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور تقدیم ضیافت کیبعد ایک نہایت
وسیع و پر فضا خوشنما مکان مین نہایت عزت و احترام سے ٹھہرا کر دست بستہ عرض کیا۔ کہ
حضور موسم سرما کے منقضی ہونے تک یہین رونق افروز رہین۔ کمترین وفادار غلام سے جناب
کی خدمت مین کوتاہی نہ ہوگی اور جہانتک بس چلیگا حضور کے مدعا برلانے مین کوشش و سعی
کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائیگا۔ بادشاہ نے بتقاضائے وقت ایک مدت وہان بسر کی۔ اور
جب خالی بیٹھے بیٹھے دل اکتا گیا اور طبیعت بہت ہی اچاٹ ہوگئی تو اس نے امداد کی درخواست
کی سلطان محمود خان نے اپنے سپہ سالار فوج کو بلا کر حکم دیا کہ لشکر کا سامان درست کرے جب
لشکر درست ہوگیا تو سلطان محمود خان بھائی کو ساتھ لیکر فرغانہ کی تسخیر کے قصد سے روانہ ہوا
جو ان دنون احمد تنبل کے تصرف مین تھا یہان پہونچتے ہی چارون طرف سے قلعہ کا محاصرہ
کر لیا اور غلہ وغیرہ کی رسد کی راہ بالکل بند کردی احمد تنبل بھی اطاعت شاہی سے مونہہ موڑ کر
مدافعہ و مقابلہ مین مشغول ہوا اور کمک کے لئے شیبانی خان کو طلب کیا وہ فوراً سمرقند سے روانہ
ہوا سفر فرغانہ مین آپہونچا۔ ایک وسیع اور کھلے میدان مین جانبین سے صف آرائی ہوئی اور نہایت

سخت اور عظیم الشان معرکہ ہوا۔

محمد بابر بادشاہ کے افسران فوج میں سے ابوالمکارم جو ایک نہایت آموزدہ شہسوار فوجی تھا اور جس نے ان کمیوں کی بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا تھا جیسے سازوسامان کے دشمنوں کے مقابلہ کو گیا شیبانی خاں نے پہلے سے کچھ فوج کمینگاہ میں بٹھا رکھی تھی۔ ابوالمکارم اپنی فوج کو لئے ہوئے قریباً دو میل تک بڑھا چلا گیا۔ شیبانی خاں کا صدر مقام بالکل قریب آ گیا تھا۔ دفعتہً اسکی مخفی فوج کمین گاہ سے نکلکر ابوالمکارم کے لشکر پر ٹوٹ پڑی ادھر خود شیبانی خاں فوج عظیم لیکر بڑھا ابوالمکارم کی فوج دونوں جانب سے بیچ میں آ گھری اور نہایت بدنظمی و ابتری پھیل گئی ابوالمکارم نے فوج کو بہت کچھ سنبھالا مگر وہ سنبھل نہ سکی۔ انجام کار شیبانی خاں کی فوج جیسے ندی ہوئے دفعتہً بل پڑی اور لشکر شاہی شکست کھا کر بھاگا۔ ابوالمکارم تنہا رہ گیا اور چونکہ معرکہ جنگ سے بہت دور جا پڑا تھا چاہتا تھا کہ خود بھی جان بچا کر کسی طرف نکل جائے اس عزم سے چند قدم بڑھا تھے کہ سامنے شاہی فوج نظر پڑی جسے شیبانی خاں اور احمد تنبل کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں ابوالمکارم اپنی فطری شجاعت ضبط نہ کر سکا اور جھلا کر غنیم کی فوج پر حملہ آور ہوا اور قریباً دو گھنٹہ تک بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔

اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمود خاں اور سلطان احمد خان دونوں بھائی دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔ اور شاہی ملازمان کو شکست ہوئی اور اب تاشقند بھی مع اسباب اور سازوسامان کے شیبانی خاں کے سلسلۂ فتوحات میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ نے نہایت بے سروسامانی کی حالت میں مغلستان کی راہ لی اور شیبانی خاں نے سلطان محمود خان و سلطان احمد خاں کو باپ کے لحاظ قید سے رہائی دیکر رخصت کیا کہ کسی وقت انکے باپ کا محکوم اور نمکخوار تھا اور نہ صرف قید سے رہائی دی بلکہ انکا ملک بھی انہیں واپس کر دیا۔ بادشاہ نے ناسازگاری بخت و زمانہ سے اس موقع پر جس قسم کے صدمے اٹھائے اور مصیبتیں جھیلیں انکا کچھ تذکرہ بابرنامہ میں مذکور ہے۔ میں بلحاظ اختصار ان واقعات کو اسجگہ قلم انداز کرتا ہوں۔

لیکن بادشاہ باوجود ان متواتر اور پے در پے شکستوں کے بددل نہیں ہوا۔ وہ آئے دن کے نئے نئے صدموں اور مصیبتوں نے اسکے حوصلوں کو ذرا پست نہیں کیا وہ پھر چند روز کے بعد کچھ فوج جمع کر کے تسخیر ہندوستان کے ارادہ سے متوجہ کابل ہوا۔ بدخشاں کی سرحد پر پہونچا تو خسرو شاہ جو اس ملک کا حاکم تھا اور خاندان شاہی کا ہمیشہ سے بدخواہ و دشمن تھا۔ بادشاہ کی

جہانداری اور خدمت گذاری کی طرف ذرا ملتفت نہیں ہوا بلکہ بداندیشی اور قصد فاسد
پر مستعد و آمادہ ہوگیا۔ لیکن ضرورتاً و مصلحتاً اپنے چند فوجی افسروں اور ارکین دربار کو ساتھ
لیکر حاضر خدمت ہوا۔ اور یہ بات مشتہر کر دی کہ خسرو شاہ عفو تقصیرات کی امید پر بادشاہ کی
خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ بادشاہ نے اسکے خبث باطنی کے آثار جو اسکی پیشانی سے ظاہر
تھے ملاحظہ فرمائے۔ اسکے امرائے دولت سے جو اس سے آزردہ خاطر تھے اور بادشاہ کی خدمت
میں اسکی عداوت اور اپنی جانفشانی کا اظہار کر چکے تھے ساز باز کر کے اسکے گرفتار کر لینے کا
قصد کیا اور وہ برگشتہ طالع اسوقت خبردار ہوا جبکہ موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ اب اسکو بجز
اسکے کوئی صورت مفر کی نہ تھی کہ یا تو شاہی ملازموں کے ہاتھوں گرفتار ہو یا راہ فرار اختیار
کرے۔ چنانچہ اسنے دوسری شق اختیار کی اور خان ومال سے ہاتھ دھوکر ملک و مال و عیال
سے دل برداشتہ ہوکر چند ہمراہیوں کے ساتھ آوارہ دشت ناکامی ہوگیا۔

بادشاہ جو ان دنوں نہایت بے سروسامانی اور پریشانی کی حالت میں تھا خسرو شاہ
کے فرار ہو جانے کو بخت و اقبال کی یاوری اور فضل الٰہی سمجھا اور خسرو شاہ کے تمام خزانے جواہرات
اور ساز و یراق سے آراستہ و پیراستہ گھوڑے اور جس قدر اسباب ہمراہ لیجا سکے قبل تھا تصرف
میں لے آیا۔ قریباً چار ہزار مغل جو بہادری و شجاعت میں بے نظیر و لاثانی تھے اور خسرو شاہ سے
بددل ہوگئے تھے۔ شرف اندوز رکاب سعادت ہوئے۔ بادشاہ ان لوگوں کو ساتھ لیکر کابل
کی طرف بڑھا۔ حوالی کابل میں جب شاہی جھنڈے پہنچے تو محمد مقیم جو الغ بیگ بادشاہ کے چچا
کا داماد تھا اور بدعوی ارث کابل کی تخت نشینی کرتا تھا بادشاہ کے نزول اجلال فرمانے کی
خبر سنکر محصور ہوگیا۔ اور قلعہ کابل کا دروازہ بند کر لیا۔ شاہی فوج نے نہایت جرأت و دلیری
کے ساتھ کابل کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور تیر و تفنگ اور آتش فشاں آلات سے
محمد مقیم اور اسکے ہمراہیوں کو تنگ کر دیا۔ چند روز تک محمد مقیم بھی حملہ آور فوجکے حملے روکتا
رہا لیکن آخرکار خواستگار امان ہوکر عفو تقصیر کی امید پر قلعہ کابل شاہی ملازموں کے سپرد کر دیا۔

افغانوں حکومتوں کی تبدیلیوں اور حکمرانوں کے اختلاف کی وجہ سے کابل بہت کچھ ویران
ہو چکا تھا۔ اور وہاں کے باشندے سخت پریشان و اضطراب میں تھے۔ اس لیئے بادشاہ کو شہر
کی تعمیر و آبادی اور رعایا کی شکستگی خاطر دور کرنے کے لیئے تھوڑے عرصہ تک کابل میں قیام
کرنا پڑا۔ چنانچہ اسنے تسخیر ہندوستان کا قصد ملتوی کر دیا اور اس مہم کو بالفعل دوسرے وقت کے لیئے

اٹھا رکھا شہر اور قلعہ جات کی خورد برداخت میں مشغول ہوا اور رعایا کو ہر طرح سے اطمینان
دیدیا آغاز سنہ ۹۱۱ ہجری میں بادشاہ کی والدہ محترمہ حضرت جنت مکانی مہر نگار خانم نے
اسی موقع پر انتقال کیا۔ اور اسی وجہ سے بادشاہ کو چندیں کابل میں اور قیام کرنا پڑا۔ ہی سال میں
بادشاہ نے غزنیں جہانگیر مرزا کے حوالہ کیا۔ جو ایک عرصہ سے بادشاہ کی رفاقت میں تھا اور سفر کی
سختیاں جھیلتا ہوا یہاں تک پہونچا لیکن جب جہانگیر میرزا غزنی میں پہونچ گیا تو بادشاہ کی
طبیعت میں اسکی طرف سے بے اطمینانی سی پیدا ہوگئی۔ اور اسی اثناء میں جانبین سے بے سروپا
خبریں اڑنے لگیں۔ جہانگیر مرزا بے سوچے سمجھے غزنی سے نکل کھڑا ہوا اور ایک نہایت جرار فوج
جمع کرکے کابل میں آدھمکا۔ اگرچہ جہانگیر میرزا کی یہ خود سری اور بغاوت بادشاہ کے اشتعال طبع
دینے اور محرک ہونے میں کچھ تھوڑا اثر نہیں رکھتی تھی لیکن اسنے اس موقع پر نہایت تحمل و
برداشت سے کام لیا اور دوبارہ غزنی کی حکومت اسکے حوالہ کرکے رخصت کیا۔

ان ہی ایام میں خراسان کی طرف سے مختلف فساد انگیز خبریں بادشاہ کے کانوں میں
پہونچیں وہ خراسانیوں سے پہلے ہی بدظن تھا اور لڑائی کا بہانہ ڈھونڈھتا تھا اب انکی یہ
گستاخیاں اشتہار جنگ کے لیئے اور بھی محرک ہوئیں چنانچہ وہ فوراً کابل سے نکل کھڑا ہوا۔ اور
جس قدر لشکر اپنے ساتھ لیجا سکتا تھا سب کو مسلح ہونیکا حکم دیا۔ لشکر تیار ہوگیا تو بادشاہ
نے کوچ کا حکم دیا لشکر ابھی کابل سے نکلا بھی نہ تھا کہ جہانگیر میرزا کے انتقال کی خبر پہونچی۔
بادشاہ نے فوراً ناصر میرزا کو جو بدخشاں کا حاکم تھا اور اسی زمانہ میں شیبانی خاں سے شکست کھا کر
خدمت شاہی میں حاضر ہوا تھا۔ حکومت غزنی پر مامور فرماکر رخصت کیا۔ اتنے میں شاہ بیگ اور
محمد بیگ جو قندہار کے بااقتدار صوبے تھے اور ازبکیہ کے قبضہ اور شیبانی خاں کے تسلط سے نہایت تنگ اور
عاجز ہوگئے تھے۔ حاضر دربار ہوئے اور دست بستہ عرض کیا کہ اگر حضور اس طرف رونق افروز ہوں
تو ہم قندہار کا قلعہ اور قلعہ کے اطراف و جوانب خدام والا کے سپرد کردیں۔ اور ازبکیوں کا اس
سرزمین سے بالکل قلع قمع کردیں۔ چنانچہ بابر شاہ نے تسخیر خراسان کی مہم کو چھوڑ دیا اور فوج
کے ساتھ قلعہ قندہار کی طرف بڑھا۔ مگر جب بادشاہ قندہار میں داخل ہوا تو شاہ بیگ اور
محمد بیگ دونوں بھائی اپنے ارادہ سے نادم و پشیمان ہوئے اور [illegible] بادشاہ
کی ہمراہی سے علیحدہ ہوکر قلعہ میں محصور ہوگئے اور جانبین سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں
محصورین نے پورے ایک مہینے تک قلعہ کا دروازہ بند رکھا۔ اور جب غلہ و گھاس وغیرہ

کی طرف سے مایوس و ناامید ہو کر تنگ آگئے اور قلعے سے نکلکر جان دینے پر آمادہ ہوئے تو قلعے سے باہر ایک وسیع اور کھلے میدان میں دونوں لشکر صف آرا ہوئے اور عظیم الشان معرکہ ہوا مقابلہ کے بعد طرفین سے ایک جماعت کثیر قتل ہوئی اور بیشمار لوگ زخمی ہوئے دونوں بھائی شکست کھا کر بھاگے اور پھر انھیں قلعہ میں گھسنا نصیب نہیں ہوا آخر کار بہادروں کی شمشیر کے صدمہ کے خوف سے زمین داور میں جا پناہ لی۔ اور فردوس مکانی فتح و نصرت کے ساتھ داخل قلعہ ہوا۔ اور ۹۱۳ھ ہجری کے آخر میں قندھار کا گردوں شکوہ قلعہ مع والا کے تصرف میں آیا خزانے اور جواہرات اور مصالح جنگ بادشاہ نے اپنے قبضہ میں کر لئے اور زر نقد لشکریوں کو تقسیم کر دیا۔

محمد بابر بادشاہ اس مہم سے فارغ ہو کر پھر کابل میں رونق افروز ہوا اور ان ہی ایام میں شہزادہ ہمایوں کی ولادت ہوئی ۹۱۳ھ ہجری میں افغانان مہمندی کی شورشوں و بغاوتوں کی متواتر اور پے در پے خبریں نہایت وحشت کے ساتھ بادشاہ کے کانوں میں پڑیں اور وہ فوجی جاہ و حشم کے ساتھ انکی تنبیہ کیلئے اس طرف روانہ ہو گیا۔ مغلیہ ازبکیہ کیلئے یہ موقع بہت اچھا تھا انہوں نے بادشاہ کی غیبت میں ایک ہنگامہ کھڑا کیا یعنی الغ بیگ کے فرزند عبد الرزاق کو اسیر ابھارا کہ وہ خسرو شاہ کے دعوی ارث میں علم بغاوت و بلند کرے اور بدخشاں کو اپنے قبضہ و تصرف میں لے آئے چنانچہ عبد الرزاق جو ابھی معاملات کے آثار نشیب و فراز سے واقف نہ تھا۔ اور نوجوان سادہ لوح تھا۔ بدنصیب ازبکیوں کے بہکانے میں آگیا اور اطاعت شاہی سے منحرف ہو کر ازبکیوں سے ملگیا۔ چار پانچ ہزار سوار فراہم ہو گئے اور ہر طرف فساد کی آگ بھڑکا دی۔

جس روز ازبکیہ کے اس شورش کی خبر شاہی لشکر میں شائع ہوئی تو فوج میں ایسا ہنگامہ تفرقہ برپا ہوا کہ اکثر فوجی افسر اور ندما دربار یہ عذر آمیز کر کے کہ ہماری اہل و عیال مخالفوں کی شورش میں شور و پامال ہو رہی ہو گی۔ کابل کی طرف روانہ ہو گئے اور اسکی نوبت یہانتک پہونچی کہ پانسو سوار سے زیادہ بادشاہ کی ہمراہی میں اور کوئی نہیں رہا۔ تمام بازار تاراج ہو گئے اور لشکر میں سناٹے کا عالم نظر آنے لگا۔ بادشاہ کے حق میں یہ موقع نہایت نازک اور اندیشناک تھا اور ممکن تھا کہ وہ گھبرا جاتا۔ مگر اسنے اس موقع پر ایسے تحمل اور استقلال کا ثبوت دیا جسکی نظیر کہیں دستیاب نہیں ہو سکی۔ اس قلت جمعیت اور سنگینی تفرقہ نے اسکے فراخ اور عالی حوصلے کو ذرا پست نہیں کیا بلکہ وہ نہایت استقلال و اطمینان کیساتھ تیرہ بخت افغانیوں کی آتش فساد بجھانے اور فتنے دبانے میں نہایت کوشش و سرگرمی کے ساتھ آمادہ و مستعد رہا اور بعض قلعے میں چند روز

آزما حملوں کے بعد یوسف رابہادروں کے مقابلہ میں کئے گئے تھے وہ نامدار دلیر بادشاہ
مخالفوں کی صفوں میں گھس گیا۔ اور بے شمار جنگ آزما اور شیر دل پہلوانوں کو خون میں نہلاتا
ہوا علی [illegible] کی صفوں تک پہونچ گیا افغانیوں نے شجاعت پناہ بادشاہ کی بے نظیر
دلیری دیکھی تو شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اور عبدالرزاق جو اس فساد کا بانی تھا گرفتار پنجہ اجل ہوا
ادھر شیبانی خاں اطراف ماوراءالنہر سے بے شمار فوج بہم پہونچا کر شاہ اسمٰعیل صفوی کی سرحد
قلمرو میں پہونچ گیا۔ اس سفر میں غریب خانزادہ بیگم بھی شیبانی خاں کے ہمراہ تھی اور بحال تباہ
زندگی بسر کرتی تھی۔ ظالم اور جفا پیشہ ازبک سرحد ایران میں پہونچے تو انہوں نے [illegible] قزلباش
کے مال و عیال پر دست غارتگری کھولدیا اور شاہ اسمٰعیل کی رعایا پر تاراجی کا بازار گرم کیا۔

شاہ اسمٰعیل صفوی کے پاس جب اس قسم کی متواتر خبریں پہونچیں اور رعایا کے پے در پے
استغاثے پیش ہوئے تو اسنے ایک نہایت چالاک زبان فہم۔ آداب دان ایلچی کو شیبانی خاں
کے پاس روانہ کیا اور نہایت نرم لفظوں میں پیام دیا کہ تمہیں مردم آزاری اور ارادۂ فاسد سے
باز آنا چاہیے۔ لیکن شیبانی خاں وجاہت و ریاست کے نشہ میں اس قدر مغرور تھا کہ جواب
میں لکھ بھیجا تجھے سلطنت و جہانداری کا دعویٰ ہرگز نہیں پہونچ سکتا۔ خاصکر ہمارے مقابلہ
میں کیونکہ ہم موروثی سلطنت رکھتے ہیں اور [illegible] سلطنت کا توارث ہم میں چلا آتا ہے ساتھ
ہی اپنے قاصد کے ہاتھ ایک بڑا عصا اور نہایت پرانی بوسیدہ گدڑی روانہ کی کہ ان دونوں
چیزوں کو شاہ اسمٰعیل کے سامنے پیش کر کے کہے کہ تمہارے باپ دادا کی میراث یہ ہے جو تمہارے
سامنے موجود ہے چنانچہ قاصد شاہ اسمٰعیل کے دربار میں حاضر ہوا اور نہایت شائستگی کے ساتھ
شیبانی خاں کا پیام ادا کیا جسے کجکلاہ ایران نے نہایت سنجیدگی سے سُنا اور سنکر یہ جواب
لکھا۔ حقیقت میں عصا اور گدڑی ہمارے آبائو اجداد کا ترکہ ہے اور دین و دنیا کی سلطنت اور
فقر دونوں سرمایۂ فخر ہیں اور جب یہ ہے تو تجھے کسی طرح نہیں پہونچتا کہ ہماری ہمسری کا دعوی
کرے رہا تیرا یہ خیال کہ سلطنت امر متوارث ہے اور ملک داری اور جہانبانی تو نے باپ دادا
کی میراث میں پائی ہے یہ محض لغو اور بے سود خیال ہے اگر در اصل سلطنت متوارث ہوتی تو
پیشدادیوں اور کیانیوں اور چنگیزیوں کی نسل کے ہوتے تجھ تک کبھی نہیں پہونچ سکتی"
یہ کہکر شاہ اسمٰعیل نے ایک چرخہ اور ایک تکلا۔ تھوڑی روئی۔ قاصد کو دیکر روانہ کیا اور کہا
شیبانی خاں کو یہ چیزیں دیکر کہدینا کہ یا تو گمنامی اور عزلت کے گوشہ میں بیٹھکر اس کام میں مشغول ہو جو تیرے

قابل وسزاوار ہی۔ یا معرکہ جنگ میں آحاضر ہوتا کہ بالمشافہ کھلے میدان میں ذوالفقار حیدر کرار
کی زبان سے تجھے جواب شافی دیا جائے مصرعہ ٭ ببینیم کز ما بلندی کراست
اور اب ہمکو اپنے قریب پہونچا ہوا جان۔

قاصد دربار سے نکلکر تھوڑی ہی دور پہونچا ہوگا کہ شاہ اسمعیل نے فوراً فوجی افسر و نکو
طلب کیا۔ اور امرا دربار سے مشورہ لیکر فوج کو مسلح ہونے کا حکم دیدیا ادہر تمام ممالک محروسہ
میں احکام روانہ کردیئے کہ ہر مقام پر معمول سے زیادہ فوج نہ رہے۔ فاضل اور زیادہ فوج
فوراً اسطرف روانہ ہوجائے۔ جب تمام فوج دار الخلافہ ایران میں جمع ہوگئی اور ہر طرح کا
سامان فراہم ہوچکا تو شاہ اسمعیل بڑے تزک کے ساتھ شہر سے نکلکر شیبانی خاں کی طرف
متوجہ ہوا اگرچہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ اسوقت شیبانی خاں کے ہمراہی ہیں لاکھ سواروں
سے کم نہ تھے۔ لیکن صاحب رشیدی نے صاف طور سے لکھ دیا ہے یہ امر مشکل سے تسلیم
کرنا پڑتا ہے کہ شیبانی خاں کی ماتحتی میں کبھی لاکھ یا لاکھ سے زیادہ سوار رہے ہوں۔
خاصکر اس وقت میں جبکہ قجکلاہ ایران کا معرکہ پیش آیا۔ اسوقت چونکہ اُسے شاہ ایران کے
دفعتہً چڑھ آنے کا مطلق خیال نہ تھا۔ اسلیئے اپنی فوج کے ایک بڑے حصّہ کو ملک خراسان کے
ضبط کرنیکو جابجا تعینات کر رکھا تھا۔ چنانچہ جس وقت شاہ ایران کے مقابلہ میں صف آرا
ہوا پچیس ہزار سوار سے زیادہ اُسکی ماتحتی میں فوج نہ تھی۔

والی ایران کے چڑھائی کی خبر سنکر شعبان کی انتیس تاریخ کو شیبانی خاں اپنی جگہ سے
اٹھا اور از راہ غرور شاہ اسمعیل کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔ اُسے امید تھی کہ فوج متفرق میرے بعد
فراہم ہوجائیگی اور میدان جنگ میں جب میں معرکہ آرا ہونگا۔ تو وہ میری کمک پر آموجود ہوگی
مگر شاہ اسمعیل نے اس قدر مہلت ہی نہیں دی اور اُسکی تمام آرزوؤں پر ناکامی کا پانی
پھیر دیا دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں تو شیبانی خاں اظہار تہوری وجلادت کیلئے
معرکہ جنگ میں تنہا آکھڑا ہوا۔ لیکن جسوقت جانبازان صفوی کی تیغ برق کی چمکیلی
شعاعیں میدان میں پڑیں اور ایرانی فوج کا عظیم الشان سیلاب موجزن ہوا تو شیبانی خاں
کو بجز راہ فرار کے اور کوئی بات کرتے دہرتے بن ہی نہیں پڑی ازبکیہ قوم کے قدم ڈگمگا گئے
اور وہ ایرانی بہادروں کی تلواروں کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ آخرکار شیبانی خاں اور اُسکے
ساتھ اُسکی ساری فوج شکست کھاکر بھاگی۔ اور قزلباشوں نے تعاقب کرکے مقتولوں کی لاشوں سے جنگل کو

بانٹ دیا۔ تقریباً پانسو سوار جنمیں بیشتر نامور شہزادے اور با اقتدار امراء تھے ایک چہار دیواری میں جہاں مسافروں اور دہقانوں کے مویشی رہتے تھے پناہ گزیں ہوئے اور محاصرے کے بعد حرکت مذبوحی کر کے قزلباشوں کے خون آشام تلواروں کے لقمے بنے ہزار ازبکیوں کے قریب جنکے ساتھ بہت سی عورتیں اور بچے بھی تھے۔ ایرانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے کجکلاہ ایران کا بانی فتحمندی کے ساتھ ہرات میں آیا اور یہاں کے باشندوں میں مذہب تشیع پھیلانا چاہا مگر چونکہ اس شہر کے معززین انکا بر نے اسکی اطاعت پر سر تسلیم خم نہیں کیا اسلئے اسنے طیش میں آکر جامع مسجد کے خطیب اور شیخ الاسلام کو قتل کرڈالا اسوجہ سے سارے شہر میں شاہ اسمعیل کی طرف سے بد دلی پھیل گئی۔ اور خان میرزا بادشاہ کا بھتیجا تھا اور بدخشاں میں حکومت کرتا تھا۔ فردوس مکانی بابر بادشاہ کا بھتیجا تھا اور بدخشاں میں حکومت کرتا تھا۔

شاہ اسمعیل کی فتح کی خبر پر مطلع ہوا تو فردوس مکانی کی خدمت میں خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا و شیبانی خان آپکا دشمن شکست کھا کر بھاگا اور قوم ازبک کے بیشمار سردار میدان جنگ میں قتل کیے گئے اگر ایسے وقت شہنشاہ اس طرف رونق افروز ہوں تو بد قسمت شیبانی خاں اور مغرور ازبکیوں کا پورے طور پہ قلع قمع ہو سکتا ہے۔ بادشاہ یہ فرحت افزا خوشخبری سنکر روانہ بدخشاں ہوا اور خان میرزا کو ساتھ لیکر حصار میں پہونچا چونکہ انکی بادشاہ کے اس طرف پہونچنے کی خبر سنکر پہلے ہی سے حصار کے بندوبست کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اسلئے اس مرتبہ فردوس مکانی کو کسی طرح کی کامیابی نہیں ہوئی۔

اسی اثنا میں شاہ اسمعیل صفوی کا فرحت افزا محبت نامہ بادشاہ کے نام پہونچا جسمیں ازبکیوں کے استیصال اور شیبانی خاں کی شکست کی کیفیت درج تھی اور ساتھ ہی ایک نہایت مبارک اور خوش کن خبر یہ بھی تھی کہ خانزادہ بیگم جو ظالم شیبانی خاں کے پنجہ میں گرفتار تھی نہایت حرمت و عزت کے ساتھ ہرات میں موجود ہے اور اس محبت نامہ کے عقب میں روانہ خدمت ہوتی ہے اس خط کو پڑھکر بادشاہ جوش مسرت سے اچھل پڑا اور فوراً ایک تہنیت نامہ شاہ اسمعیل کو روانہ کیا۔ تہنیت نامہ ایران پہنچنے نہ پایا تھا کہ شیبانی خاں نے قتل کی خبر موصول ہوئی لہذا شاہ اسمعیل نے خانزادہ بیگم کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ فوج کے ایک دستے اور چند بدرقوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اتحاد و دوستی کے اظہار کیلئے بہت سے گرانبہا اور قیمتی تحفے جو بادشاہ کے لائق و سزاوار تھے پیش کئے۔ خانزادہ بیگم بھائی کی خدمت میں

حاملہ ہوکر آداب شاہی بجالائی اور بھائی کے قدموں پر گر پڑی۔ بابر شاہ نے اپنی ہمشیرہ کے سر کو اٹھایا
اور دیر تک سینہ سے لگا کر زار زار روتا رہا۔ شاہی بیگمات کو اطلاع ہوئی۔ تو سب دوڑتی ہوئی آئیں اور
خانزادہ بیگم کو بغل میں لے لے کر ملیں۔ بادشاہ نے اس خوشی میں ایک جشن مرتب کیا اور ہوا خواہان
دولت کو بہت کچھ انعام دیا۔ والی ایران کو فتح کی مبارکباد دی اور خانزادہ بیگم کی شکر گزاری
میں ایک اور تہنیت نامہ مع ان تحائف کے بھیجا کہ جو بادشاہوں کی شان کے لائق و سزاوار
تھے خان میرزا کو دے کر روانہ کیا اور اخبار یگانگت و دوستی کے عالم میں ملک کو بھیجنے کا ارشاد فرمایا۔

شہزادہ خانم

یہ ہر دلعزیز اور حسین بیگم جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی دختر ہے جو حسن و
خوبصورتی کے علاوہ علم و فضل اور سخاوت و فیاضی میں اعلیٰ درجہ کی
شہرت رکھتی تھی تاریخ سے کچھ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ عصمت مآب شہزادی حرم آشیانی
کس بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی تھی اس کے حالات زندگی بالکل تاریکی میں ہیں لیکن قیاس سے
معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک بھی اس کے واقعات ہونگے نہایت دلچسپ اور پُر لطف ہونگے
کیونکہ یہ ان مشہور بیگمات میں سے ہے جو گمنامی کے دائرہ سے نکل کر مشرقی دنیا کے تمام حصوں
میں نیکی اور پارسائی کے ساتھ شہرت پا چکی تھیں ۹۹۰ھ ہجری میں مظفر میرزا کے ساتھ جو
نہایت معزز و ممتاز شہزادہ تھا اور بلحاظ حسب و نسب رتبے کا آدمی تھا اس بیگم کی شادی ہوئی
اور نہایت تجمل کے ساتھ ہوئی ۹۹۰ھ کے آغاز میں جب والی برہانپور نے مظفر میرزا اور
اس کی والدہ گلرخ بیگم کو قید کر کے مع تحائف دہلی کے ایک زبان دان اور قاعدہ فہم ایلچی
کی ہمراہی میں جلال الدین محمد اکبر کی خدمت میں روانہ کیا تو بادشاہ نے از راہ فضل و
عنایت مظفر میرزا کو قید سے آزاد کر دیا اور نہایت احترام سے اپنے یہاں مہمان رکھا چونکہ مظفر
میرزا نہایت قابل تعلیم یافتہ شخص تھا اس نے چند روز میں بادشاہ کو اپنا گرویدہ کر لیا اور شہامت
بادشاہ نے اپنی عزیز لڑکی شہزادہ خانم کو اس کے عقد میں دیکر معزز و مفتخر کیا۔

دل پذیر بانو بیگم

یہ شہزادی بادشاہزادہ محمد شجاع کی بیٹی اور ابوالمظفر شہاب الدین
شاہجہاں کی پوتی ہے ۱۰۴۲ھ ہجری میں پیدا ہوئی غریب
دلپذیر بانو بیگم کی ماں اپنی ننھی سی بچی کا رنج مفارقت لیکر دنیا سے اٹھ گئی یہ میرزا رستم
صفوی کی دختر تھی جو انتظامی امور اور اصلاح خانہ داری میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی شہزادہ محمد شجاع
اسے بہت چاہتا تھا اور سفر و حضر میں ایک لمحہ کے لیے بھی جدا کرنا پسند نہیں کرتا تھا جس

زمانہ میں جو دلپذیر بانو بیگم پیدا ہوئی حضرت اعلیٰ السنی دلپذیر بانو بیگم کا تعلق شاہجہان بادشاہ تک
کشمیر میں جلوہ آرا تھا اور صبح و شام اس سبزہ زمین کے دلکش باغوں میں سیر و تفریح کرتا اور راتیں بزم نشاط
میں گزارتا تھا کہ دفعۃً دلپذیر بانو بیگم کے پیدا ہونے اور اسکی مہربان ماں کے انتقال کر جانے کی خبر
پہونچی۔ بادشاہ یہ خبر سنتے ہی گھبرا گیا اور کشمیر کے سیر و شکار سے اسکی طبیعت بالکل اچاٹ ہو گئی۔
برخاستگی طبع کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ شاہزادہ محمد شجاع اس موقع پر برہانپور کی طرف روانہ
ہو چکا تھا اور چونکہ وہ اپنی اہلیہ کو انتہا سے زیادہ دوست رکھتا تھا حضرت اعلیٰ کو خیال ہوا کہ مبادا
شہزادہ کا مزاج بگڑ جائے اور یہ جانکاہ صدمہ اس کے دل و دماغ پر اپنا موذی اثر ڈالکر اسے
دین و دنیا سے کھو کر رکھ دے اس لحاظ سے وہ فوراً کشمیر سے چل کھڑا ہوا اور یہاں پہونچکر مرنے
والی کی تعزیت میں شریک ہوا۔ بے ماں کی بچی کو گودی میں لیا۔ اور اسے پیار کرکے دلپذیر
بانو بیگم نام رکھا۔ اس سے زیادہ حالات زندگی دلپذیر بانو بیگم کے باوجود تحقیقات کے ہم دستیاب
نہیں ہوئے اور یہاں سے آگے اسکے حالات پر تاریکی ہے لہذا ہم نے بھی اسکے حالات ختم کر دیے۔

بی بی دودو

یہ مشہور اور شجاع عورت جلال خان کی ماں اور بہادر خان لوہانی کی بی بی تھی۔ خان لوہانی بڑا دلیر اور جانباز آدمی تھا اور اسکی بی بی اس سے بھی
بڑھکر جری اور شجاع تھی۔ چنانچہ خان لوہانی کو جو عروج اور حکومت حاصل ہوئی وہ بی بی دودو کی
بے نظیر بہادری اور عدیم المثال دلیری ہی کا نتیجہ تھا تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ خان لوہانی جس
نے صوبہ بہار میں علم سلطنت بلند کیا اور بعد کو اپنے تئیں سلطان محمد کے خطاب سے مشہور کیا
اپنی عورت بی بی دودو نامی کی حسن تدبیر اور حد سے زیادہ دلیری کی وجہ سے وارث حکومت قرار
پایا شیر شاہ جو ایک عرصہ تک ہندوستان کے دارالخلافہ آگرہ پر حکمران رہا اور ہمایوں شاہ کو
ہند سے جلاوطن کر دیا۔ ابھی سلطان محمد کا باوفا اور نہایت معتمد نوکر تھا اور چونکہ سلطان
محمد خود بھی بہادر اور دلیر تھا اسلیے بہادر اور دلاور شخص کی بے انتہا قدر کرتا تھا۔ شیر شاہ اصل
میں حسن جاگیردار کا لڑکا تھا (اسکے حالات ہمنے کسی دوسری جگہ بھی بیان کیے ہیں) اور اپنے باپ
اور سوتیلی ماؤں کی بے توجہی اور بے مات بھائیوں کے خرخشوں کی وجہ سے وطن کو خدا حافظ
کرکے سلطان محمد کے ملازموں کی فہرست میں داخل ہو گیا تھا چونکہ شجاع اور دلیر تھا اور
اس سے روز بروز جوہر شجاعت کے نمونے ظاہر ہوتے تھے اور سلطان محمد اس کے کارنمایاں
کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

جلال خان جو سلطان محمد کا سب سے بڑا فرزند تھا ادب سے ولیعہدی سے ممتاز ہو چکا تھا۔ سلطان محمد نے اسکو شیر شاہ کے حوالہ کر دیا اور تمام دولت و ریاست کا مختار کر دیا۔ لیکن ابھی بہت تھوڑا عرصہ گذرا تھا کہ شیر شاہ بادشاہ سے رخصت حاصل کر کے اپنی جاگیر پر چلا گیا اور ایک مدت وہاں بسر کی۔

جب سلطان محمد نے انتقال کیا تو یہ سب حکومت کی باگ شیر شاہ اور جلال خان کے ہاتھ آئی۔ لیکن بی بی دودو جلال خان کی ماں نے اس انتظام کو پسند نہیں کیا۔ اور چونکہ وہ خود آئین سلطنت سے واقف اور حکمرانی کے قواعد سے ماہر تھی اسلئے جلال خان کو اپنا موافق پاکر خود تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوئی اور چند مدت تک نہایت شائستگی اور آزادی کے ساتھ حکومت کرتی رہی۔ لیکن جب وہ بھی انتقال کر گئی تو اب شیر شاہ کے لئے بالکل میدان صاف تھا خود تخت سلطنت پر متمکن ہو گیا۔ اور بالاستقلال حکومت کرنے لگا اسی اثنا میں والی بنگالہ اور حاکم بہار میں نزاع اٹھ کھڑی ہوئی اور شدہ شدہ جنگ و جدال کی نوبت پہونچی شیر شاہ ایک مدت سے اس موقع کا منتظر تھا اور لڑائی کا بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ ان دونوں حکمرانوں کا نفاق اسکی طبع آزمائی کا اور بھی محرک ہوا۔ وہ جھٹ ایک فوج لیکر ادھر متوجہ ہوا اور بعد نمایاں ترود کے فتح پائی بہت سے بیش قیمت ہاتھی جو چاندی سونیکے سامان سے آراستہ تھے اور بیشمار خزانے اور جواہر شیر شاہ کے قبضے میں آئے اور فتح کی دھوم چاروں طرف پھیل گئی۔

اس فتح کے بعد شیر شاہ کا اقتدار ہر طرف پھیلتا چلا گیا۔ اور اب اسکی سلطنت کی جڑ خوب مستحکم و مضبوط ہو گئی۔ اسکی شجاعت کے افسانے جستہ جستہ شہرت پذیر ہوئے۔ لوہانیوں کی ایک بڑی جماعت جو جلال خان کی موروثی مقرب تھی۔ شیر شاہ کی طرف سے بدظن ہو گئی۔ اور اس بدظنی کی نوبت یہانتک پہونچی کہ باہم سخت عداوت پیدا ہو گئی۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ جسطرح بن پڑے شیر شاہ کے رشتۂ حیات کو بالکل قطع کر دینا چاہئے الغرض ادہر تو انہوں نے یہ منصوبے نکالے اور ادہر جلال خان کے کان شیر شاہ کی برائیوں سے بھر دیئے۔ آخرکار دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی اور یہ رنجش بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچی کہ جلال خان اور لوہانیوں کی ایک کثیر جماعت علیحدہ ہو گئی اور بہار و بنگالہ کے تمام امرانے جلال خان سے اتفاق کر لیا۔ جانبین سے فوجیں صف آرا ہوئیں اور ایک عظیم الشان معرکہ کے بعد شیر شاہ قلعہ گلی میں جو خود اسی کا ساختہ پرداختہ تھا مغلوب ہو کر محصور ہو گیا۔ مگر چونکہ

اسکا ستارۂ اقبال اوج عروج پر تابان تھا اور بخت اتفاق سے موافق رہ رہ کر رہتے تھے۔ بہادر بیت روز بروز بڑھتے گئے کہ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا۔ بالآخر لڑائی میں جو ہوئے اور بقیہ السیف گرفتار ہوکر قید کئے گئے جلال خان نے کمال پریشانی کے سے شکست کھائی اور بیشمار خزانے انگنت گھوڑے جواہرات وغیرہ شیر شاہ کی غارتگری اور تاراج میں آئے بہار و بنگال کی سلطنت اور انکے اطراف و جوانب کی حکومت نے شیر شاہ کے آگے گردن جھکا دی اور وہ ان شہروں کا مالک ہوگیا۔

دل رس بانو بیگم

یہ حسین بیگم شاہ نواز خان صفوی کی چہیتی لڑکی اور اورنگ زیب عالمگیر کی بیوی تھی جو انتہا درجہ کی شکیلہ تھی اور شکیلہ ہونے کے علاوہ فصاحت و بلاغت اور سلیقہ شعاری میں یکتائے زمانہ تسلیم کی جاتی تھی۔ اور ساتھ ہی فقیر دوست اور غربا پرور اعلیٰ درجہ کی تھی اس سے غربا اور مسافر بہت فیضیاب ہوتے تھے اور اس کی داد و دہش کی خبر سنکر لوگ دور دور سے آکر متمتع ہوتے تھے۔ بادشاہ کو اس بیگم سے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ کیونکہ قدرت نے اسے وہ تمام خوبیاں عنایت کی تھیں۔ جو عورتوں میں ہونی ضرور ہیں۔ اورنگ زیب کی تین بیویاں اور بھی تھیں۔ نواب بائی۔ اور اورنگ آبادی۔ بائی اودے پوری مگر حسقدر انسیت بادشاہ کو اس سے تھی کسی اور سے نہ تھی۔ اور اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ دل رس بانو بیگم نہایت بیدار مغز اور اولوالعزم اور شجاع اور عالی ہمت عورت تھی۔ اگرچہ نرم مزاج اور حلیم الطبع تھی مگر ساتھ ہی سرد مہر اور غصیلی بھی تھی ظاہر میں تیز ہوش اور زیرک تھی لیکن باطن میں کچھ کچھ تکدر بھی رکھتی تھی کہتے ہیں کہ اسے کچھ مذہبی تعصب بھی تھا اور یہ ہمیشہ ہندوؤں سے زیادہ نفرت اور رنج رکھتی تھی۔

عالمگیر کے ہاں دلرس بانو بیگم کے بطن سے پانچ اولادیں پیدا ہوئیں دو لڑکے اور تین لڑکیاں لڑکوں کا نام محمد اعظم اور محمد اکبر تھا محمد اعظم جو شعبان کی بارہوین تاریخ سنہ ۱۰۶۳ ہجری میں پیدا ہوا اور بعد کو ایک عرصہ تک حکومت و سلطنت کرکے اٹھارہوین ربیع الاول کو عالمگیر کی وفات کے تین مہینے اکیس روز بعد ایک سخت معرکہ آرائی میں زیب افزائے صدر رحمت و مغفرت ہوا۔

دوسرے فرزند کا نام محمد اکبر تھا جو بارہوین ذیحجہ سنہ ۱۰۶۷ ہجری کو پیدا ہوا سن وفات معلوم نہیں لڑکیوں کے نام یہ ہیں۔ زیب النساء بیگم جو دسوین شوال سنہ ۱۰۴۸ ہجری کو پیدا ہوئی اور سنہ ۱۱۱۳ ہجری میں وفات پائی۔ زینت النساء بیگم جو غرہ شعبان سنہ ۱۰۵۳ ہجری میں پیدا

ہوئی اور سنہ وفات باوجود تحقیق کے معلوم نہیں ہوا۔ زبدۃ النساء بیگم جو ۲۲ رمضان سنہ ۱۰۶۱ ہجری میں پیدا ہوئی اور جس مہینے میں عالمگیر نے انتقال کیا اتفاق سے اسی مہینے میں اس نے بھی وفات پائی۔ الغرض دل رس بانو بیگم نے ایک تو اپنی حسن لیاقت سے عالمگیر جیسے ہوشمند بادشاہ کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کثیر الاولاد اور ذی عیال تھی اس سے بادشاہ دوسری بیگمات پر اسے ہمیشہ ترجیح دیتا اور ہر موقعہ پر اسکی رضامندی مقدم رکھتا۔

دلرس بانو بیگم کا باپ شاہ نواز خاں جو زمانے میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا اور عالمگیر کیطرف سے گجرات کی صوبہ داری کے منصب پر ممتاز تھا اپنی لڑکی سے بیحد محبت رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ ابتدا میں دلرس بانو بیگم کا اس سے جدا ہونا اس کے لئے تکلیف کا موجب ہوا شادی کے بعد اسنے چند روز تک یہ طریقہ بنا رکھا کہ مہینے میں ایک دفعہ ضرور آگرہ یا دہلی میں آکر بیٹی کو دیکھ جاتا اور دوسرے تیسرے مہینے اپنے ہمراہ وطن میں لیجاتا۔ اس سے زیادہ دلرس بانو بیگم کے واقعات ہمیں تاریخ سے دستیاب نہیں ہوئے اور جو ہوئے ہیں وہ ایسے بے سروپا ہیں جن کے واقعہ کے مطابق ہونے میں ہمیں خود کلام ہے اس لئے انہیں یہاں نقل کرکے ناظرین کا وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

روشن آرا بیگم

یہ پاک عصمت خاتون محمد شاہجہان بادشاہ کی بیٹی اور اورنگ زیب عالمگیر کی بہن ہے یہ تمام اپنے عمدہ خصائل میں جداگانہ رکھتی تھی اور شاہجہان اسکی حد سے زیادہ عزت کرتا تھا شاہجہان کے انتقال کے بعد عالمگیر نے اسکی گذشتہ وقعت برقرار رکھی اور ہر موقعہ پر اسکی خوشنودی کا خواستگار رہا۔ تاریخ میں اس قسم کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ عالمگیر اپنی ہمشیرہ روشن آرا بیگم کو اپنے تمام اقارب میں وقعت سے دیکھتا تھا چنانچہ میں اس دعوی کے ثبوت میں صرف ایک واقعہ تمثیلاً پیش کرتا ہوں اور اسی کو کافی خیال کرتا ہوں۔

سنہ ... ہجری میں جب شہنشاہ عالمگیر راجہ کرن کی مہم سر کرنیکی غرض سے روانہ ہونیوالا تھا تو اسنے اپنے امراء اور فوجی افسروں کا دل بڑھانے کے لئے ایک جشن کیا اور چونکہ اس جشن میں تمام جان نثار سلطنت مدعو تھے اس لئے بہ نسبت اور جشنوں کے اس میں خاص اہتمام مدنظر تھا سامان جشن فراہم و مہیا ہونیکے بعد جہان پناہ تخت پر جلوس فرما ہوئے اور ارکین دولت نے بادشاہ کو مبارکباد دی جس کے بعد میں شہنشاہ نے ان کو خلعت اور گرانبہا انعامات سے سرفراز کیا اگرچہ جشن کی بنیاد ایک نہایت ضروری پولیٹکل بات پر تھی اور عہدہ داران ملک کے علاوہ انعام واکرام کیلئے

منتخب نہیں کیا گیا تھا مگر تاہم بادشاہ نے اپنی ہمشیرہ روشن آرا بیگم کی دلشکنی کے خیال سے دو ہزار اشرفیاں اسکے سامنے پیش کیں جبکہ وہ مبارکبادی دینے اور سلام کرنیکی غرض سے بادشاہ کے سامنے آئی اس نیک بیگم نے روز پنجشنبہ ستر ہویں جمادی الاولی ۱۰۸۲ھ کو نقاب عدم میں منہ چھپایا اور خلوت سرائے عالم قدس میں آرام کیا۔ این نیز گذشت ازین گذرگاہ ۔ وآن کیست که نگذرد درین راه ؛
راہیست عدم کہ چہ مستقیم ۔ از آفت قطع و مرستقیم با ین عقبہ کردار وایام ۔ انجام کہ میکند سرانجام ؛

روشن آرا بیگم کی تعریف میں مورخین کے متفق الفاظ یہ ہیں کہ یہ عصمت مآب ملکہ خصائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے ساتھ موصوف تھی اور سخاوت وفیاضی جو شرافت انسانی کے بیشبہا جوہر ہیں درجہ کمال رکھتی تھی اسنے ابتدا نشو ونما کے زمانہ سے لیکر وفات کیوقت تک اپنے مہربان بھائی کی نسبت ہمیشہ محبت ووفاداری کا ثبوت دیا اور کبھی اسکی مخالفت نہیں کی عالمگیر کو ایسی محترمہ اور شفیقہ بہن کے انتقال پر جو صدمہ ہوا اس کی کوئی حد نہیں اول اول اس نے بہت ضبط کیا اور اپنی زندہ دلی کو روشن آرا بیگم کے پسماندوں سے مخفی رکھا۔ لیکن آخرکار وہ اس فطرتی جوش کو ضبط نہ کرسکا جو اسے روشن آرا بیگم کے ساتھ تھا وہ دفعتہً چیخ اٹھا اور مرحومہ کی لاش پر زار وقطار رونے لگا۔ مگر اسنے اپنے تئیں سنبھالا اور قضا و رضا کی رضا پر گردن تسلیم خم کرکے تجہیز وتکفین میں مشغول ہوا اور مرحومہ کی روح خوش کرنے کے لئے خیرات کے تمام طریقے بجالایا مرحومہ کے جس قدر متعلقین تھے کیا مرد کیا عورت سب کو عنایات خسروانہ سے سرفراز فرماکر لباس تعزیت اوتروادیا اور خلعت فاخرہ زیب جسم کئے۔

اسبات کا ظاہر کرنا کہ صاحب قران ثانی شاہجہان بادشاہ کو مرحومہ روشن آرا بیگم کے ساتھ کس درجہ محبت تھی اگرچہ محتاج بیان نہیں کیونکہ تاریخ میں سینکڑوں اس قسم کے واقعات موجود ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ شاہجہان اپنی پیاری بیٹی کو انتہا درجہ دوست رکھتا تھا تاہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے تمثیلی واقعہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے۔ جب شاہجہان بادشاہ نے جن کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے امیر تیمور تک پہنچتا ہے دارالخلافہ میں نزول اجلال فرمایا اور رونق افزائے تخت سلطنت ہوا تو مساجد کے منبروں نے اسکے نام نامی کے خطبے سے از سر نو رونق پکڑی اور زر سرخ وسپید نے اسکے نام سے تازہ سرخروئی حاصل کی۔ اس سراپا امید اور فرحت افزا نوید کی تہنیت سے نسیم مسرت نے ہندوستان کے تمام باشندوں کے قلب میں روح تازہ پہونچائی اور اٹھائے جوش مسرت میں ہر شخص کی زبان پر یہ الفاظ جاری

جہیز سے شہ گیتی ستان جمشید ثانی ☆ سرافرازی وہ تاج کیانی ☆ خداخوانندہ ازان شاہ
جہانستانش ☆ مسخر شدہ زمین و آسمانش ☆ کوس شادی کے بجنے اور نوبت و شہنائی رامشگروں
کے رقص اور حور تمثال مغنیوں پروازی سے جو طاؤس ان بہشت کی طرح سرگرم ناز و خرام تھیں
آسمان و زمین عیش و نشاط سے لبریز ہو گیا اور ہر طرف سے اس دلکش صدا نے اٹھ کر
لوگوں میں ایک ایسا ذوق سرور پیدا کیا جس کی کچھ حد نہیں ☆ وزان جشن فرح بخش ☆
طرب خیز ☆ جہانیان شدہ زمین از عیش لبریز ☆ نہ تنہا ساز عشرت شد طرب ساز ☆ کہ یک
عیش عالم شد ہمہ ساز ☆ جہان امروز داد خرمی داد ☆ زمان در گوے انداز خرمی داد ☆

حضرت اعلیٰ امراء دربار کے آداب و سلام اور ارکین سلطنت کے نثار و نچھاور کے بعد جب
شبستان عیش میں تشریف فرما ہوئے تو سب سے پہلے نواب قدسیہ ارجمند بانو بیگم الملقب
بہ ممتاز محل نے سیم و زر سے بھرے ہوئے خوان اور لعل و گوہر سے لبریز طبق بطریق رسم مبارک
بادی بادشاہ کے سر مبارک پر نچھاور کئے بعدہ جہان آرا بیگم اور دوسری بیگمات محل شرط
نثار و تہنیت بجا لائیں۔ بادشاہ نے دو لاکھ اشرفیاں اور کچھ روپے ممتاز محل کو اور ایک
لاکھ روپیہ نواب روشن آرا بیگم اور نواب جہان آرا بیگم اور ثریا بانو بیگم کو عنایت فرمایا۔
اور چونکہ نواب روشن آرا بیگم اس موقع پر کچھ علیل تھی اس لئے بادشاہ نے ان لوگوں
کو وہیں چھوڑ کر سیدھا رستہ بیگم مذکور کے کمرہ کا لیا اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ اوس کی
پیشانی کا بوسہ لیا اور محبت سے اپنے پہلو میں بٹھایا اور بہت کچھ تسلی و دلجوئی کر کے
شبستان عیش میں رونق افروز ہوا۔ الغرض بادشاہ اس بیگم کو دل سے چاہتا تھا۔ اور
ہمیشہ اسکی مراعات پیش نظر رکھکر تمام پر اسکی خوشنودی و رضامندی کو مقدم رکھتا تھا۔

روپ متی

یہ حسن کی دیوی ملک مالوے کی رہنے والی قوم ہنود سے تھی جس کے حسن
و خوبی کا عالمگیر شہرہ دور دور تھا اگرچہ کسی راجہ یا معزز سردار کی
بیٹی نہ تھی مگر تاہم جس خاندان کے سلسلہ میں منسوب کیجاتی تھی نہایت ممتاز خاندان تھا۔
بیان کیا جاتا ہے کہ روپ متی پدمنی کی قسم سے تھی یعنی اسمیں تمام وہ ادائیں پائی جاتی تھی
جو پدمنی کی تعریف و شناخت میں لوگوں نے بیان کی ہیں۔ یہ نازنین ایک نہایت ہی حسین
عورت تھی اور ناز و حسن کے علاوہ نزاکت کا بہت بڑا حصہ رکھتی تھی ابھی اٹھارہواں ہی
سال ہوگا کہ لوگوں کے پیام آنے لگے مگر اوسنے کسی شخص کو اپنے لئے پسند نہیں کیا اور اسکے عالم شباب

حسن نے کسی کی قید میں رہ کر زندگی بسر کرنیکی اجازت نہیں دی۔

روپ متی میں علاوہ نازک ادائی کے ایک صفت یہ بھی تھی کہ وہ ہندی اشعار نہایت نازک مضمون میں ادا کرتی تھی اور مشکل مضمون کو نہایت آسانی کے ساتھ نظم کر دیتی تھی کہ سننے والے حیرت کرتے تھے ان خصائل سے لوگ نادیدہ اسکے فریفتہ ہو جاتے تھے فرمانروائے مالوہ جس کا نام باز بہادر تھا روپ متی پر فریفتہ تھا اور اوس نے صدہا تدبیروں سے اسے رام کیا تھا سنہ ۹۶۸ھ اور بقول بعض مورخین سنہ ۹۶۹ھ میں اور غالباً یہی صحیح بھی ہے جب جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے ادہم خان کو بمرافقت پیر محمد خان مالوی کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ تو باز بہادر فرمانروائے مالوہ جو عیاشی اور عیش و عشرت کے فراہم کرنے میں مشہور تھا روپ متی کے ساتھ خلوت نشاط میں مشغول تھا اگرچہ بادشاہ کی بحر امواج فوج کی آمد آمد کی خبر سب طرف منتشر ہو چکی تھی اور بدقسمت باز بہادر کو تحقیق معلوم ہو چکا تھا کہ شاہی فوجیں عنقریب مالوہ پر حملہ آور ہونیوالی ہیں مگر اُسے روپ متی کے عشق نے اسقدر اندھا اور مدہوش کر دیا تھا کہ دین و دنیا کی خبر نہ تھی وہ خواب غفلت میں یہانتک پڑا رہا کہ شاہی فوجیں آفت ناگہانی کی طرح سر پر ٹوٹ پڑیں اور بیدار ہوا تو ایسے وقت کہ کام ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ صبح کو پو پھٹی تھی کہ شاہی لشکر شہر میں دندانہ گھس آیا اور قتل عام شروع کر دیا۔ باز بہادر کو خبر ہوئی تو وہ گھبرا کر اٹھا اور کوئی تدبیر بنائے نہ بن پڑی یہانتک کہ اپنی بہت سی ناموسوں اور روپ متی کو شاہی لشکر کے ہاتھوں میں چھوڑ کر تنہا گھر سے نکل گیا۔ اور بیجانگر یا بیجاگڑھ کے جنگلوں کی طرف بحالت بے سروسامانی فرار ہو گیا۔

ادہم خان نے لڑے بھڑے تمام خزانوں اور گھوڑوں اور ہاتھیوں اور اسباب تجمل پر قابض ہو گیا اور بہت سی پری تمثال اور زہرہ جبین عورتیں لوٹ میں آئیں ادہم خان نے جب روپ متی کے حسن کی تعریف سنی تو اوس کی ملاقات کی رغبت ظاہر کی۔

پری جمال روپ متی جیسے حسن و نزاکت کے لئے مشہور تھی ویسے ہی عفت و پاکدامنی کو بھی انتہا سے زیادہ عزیز رکھتی تھی اور سچ پوچھئے تو اُسنے ابتداء نشو و نما سے لیکر اسوقت تک اپنی عصمت کو محفوظ بھی رکھا تھا اور آیندہ بھی محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی تھی اس نے اول اول بہت سے اس قسم کے عذر اور حیلے حوالے جن سے ادہم خان کو اپنے ارادہ سے باز رہنا چاہیئے تھا مگر چونکہ اوس کے دل پر روپ متی کے عشق کا تیر کاری لگ چکا تھا اور وہ

نادیدہ اسکے عشق میں گھائل و بسمل ہو چکا تھا اس نے اُسنے حکم دیا تھا روپ متی کو ملاقات کرنے پر مجبور کیا روپ متی نے اسیر بھی اسکی اطاعت نہ مانی اور جواب ظالم دنیا ملا ہم سے حتی الامکان اس کے دفعیہ میں کوشش کرتی رہی لیکن جم ادہم خان کا اصرار اور بیجا اصرار حد درجے کو پہونچ گیا اور روپ متی کو یقیناً معلوم ہو گیا کہ ادہم خان اپنے اس ارادے سے باز آنیوالا نہیں تو اسنے اپنے ذہن میں فیصلہ کر لیا اور قطعی فیصلہ کر لیا کہ چاہے کچھہ بھی ہو مگر میں تو اسکے پاس ہرگز نہ جاؤنگی یہ ٹھانکر اس نے نہایت عجز وانکساری سے ایک روز کی مہلت مانگی اور ادہم خان سے کہلا بھیجا کہ براہ عنایت کل تک کی مجھے مہلت دیں تاکہ میں آپسے ملاقات کرنیکے لیے تیار ہو جاؤں بیوقوف ادہم خان عورت کے فریب میں آگیا اور کل کے وعدے پر مطمئن ہو کر جوش مسرت میں پھولا نہ سمایا دوسرا روز ہوا تو پری تمثال روپ متی نے غسل کیا عمدہ اور شاہانہ لباس زیب جسم کئے سونیکے جڑاؤ زیورات اور گراںبہا جواہر بدن پر سجائے غرضکہ بدنی زیب و زینت اور دکھاوٹی آرائش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ملاقات کا جو وقت مقرر ہوا تھا اس سے کچھہ پیشتر نازک اندام روپ متی ایک بڑے کمرے میں جو نہایت آراستہ اور سامان عشرت سے پر تھا ایک نہایت نرم قالین پر تکیہ لگا کر بیٹھہ گئی۔ عفت نے ایک ملازم کو ادہم خان کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ روپ متی آپکے انتظار میں بیٹھی ہیں تشریف لائیے اور جلد تشریف لائیے۔ ادہم خان پہلے ہی سے منتظر وقت تھا ملازم کے پہونچتے ہی اور اجازت کا مژدہ سنتے ہی جگہ سے اٹھہ کھڑا ہوا۔ اور جوش مسرت کو دبائے ہوئے روپ متی کے محل میں پہونچا باغیچہ کی سیر کرتا ہوا اور ایک ایک مکان کو دیکھتا ہوا روپ متی کے کمرے میں آیا دیکھا تو ایک پسیح مچ کی حسن کی دیوی اور نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی مورت نہایت زیب و زینت اور جاہ و جلال سے ایک بیش قیمت مسند پر تکیہ لگائے بیٹھی ہے اور بڑی آن بان اور شان و شوکت سے بیٹھی ہے یہ سامان دیکھکر ادہم خان اپنی خوش قسمتی پر نہایت نازاں ہوا اور بڑی خوشی اور مسرت کیساتھہ آگے بڑھا اس کی یہ مسرت اصل میں عارضی اور تھوڑی دیر کی تھی قریب جا کر بیٹھا اور دیکھا تو روپ متی کو مردہ پایا۔ روپ متی جس مسند پر تکیہ لگائے بیٹھی تھی اسکے کنارے ایک بلورین گلاس رکھا تھا اور اسپر ایک لکھا ہوا کاغذ ڈھکا تھا۔ گلاس میں تھوڑا سا پانی تھا جس میں زہر ہلاہل گھلا ہوا تھا کاغذ میں روپ متی کے ہاتھہ کے لکھے ہوئے یہ فقرے موجود تھے۔ شریف لوگ اپنی عصمت اور آبرو کو کبھی برباد نہیں کیا کرتے اور عصمت کے پیچھے جان پر کھیل جایا کرتے ہیں۔

ہیں صرف اپنے شوہر کے ننگ و ناموس محفوظ رکھنے کی غرض سے [illegible]
ہزار جانیں بھی نہیں کر سکتیں نہایت مایوسی اور نا امیدی کی حالت میں زہر کھا لیا ادہم خاں ان دو
نعروں سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا اور جب یہ دیکھا کہ وہ کار روائی پر
نہایت نادم و پشیمان ہوا۔ روپ متی کی اس درد ناک حالت میں جان دینے پر تڑپتا ہوا چھوڑ کر اور
اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوا اس کمرے سے باہر آیا۔

لیکن صاحب صحائف الاخبار نے کتاب کی تیسری جلد میں ۹۶۸ھ کے واقعات پر بحث کرتے
ہوا لکھا ہے کہ روپ متی ایک بازاری مغنیہ عورت تھی جو حسن و جمال اور نیز لطافت
طبع میں اعلیٰ درجہ کی شہرت رکھتی تھی اور قطع نظر حسن و جمال کے فن موسیقی اور دانائی میں
اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی جلال الدین محمد اکبر شاہ نے اسے بہ ہزار دم لانا چاہا اور نہایت سعی
سے اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی تکلیف دی مگر چونکہ وہ اپنے وطن کے ایک بڑے امیر کبیر
اور عیش پسند شخص سے رابطہ محبت اور علاقہ مودت رکھتی تھی اور دونوں شخصوں میں سے
ایک دوسرے کا عاشق تھا اس لئے وہ حالت مجبوری میں زہر ہلاہل کا ساغر منہ سے لگا کر
ہمیشہ کے لیئے زمین میں چھپ گئی اور جلال الدین محمد اکبر کے ساتھ میں اپنی عزت دینے
کے خوف سے دوام کے لیئے دنیا سے مفارقت کر گئی۔

مگر جن لوگوں کو تاریخ سے دلچسپی ہے وہ صحائف الاخبار کی اس خبر کا صحیح اور ٹھیک
اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس درجہ کی خبر ہے اور مصنف صحائف الاخبار نے کہاں تک سچائی اور دیانت
سے کام لیا ہے تاریخ میں کہیں اسکا پتہ نہیں چلتا کہ جلال الدین محمد اکبر شاہ نے ایک ایسی بازاری
اور مغنیہ عورت کی کبھی خواہش کی ہو بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اور اس واقعہ خاص کے متعلق
تاریخی اوراق کو الٹ پلٹ کیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو روپ متی کے مالوے
میں ہونے کی خبر تک نہ تھی اور اسکے حسن و خوبی کی خبر سے اس کے کان آشنا تک نہ تھے افسوس ہے
کہ لوگ ایک ایسی بے سر و پا بات کو جسکی کچھ اصل نہ ہو ایک ایسے عظیم الشان بادشاہ کی طرف
منسوب کرنے کا ذرا مضائقہ نہیں کرتے اور جو جی میں آتا ہے بے دھڑک لکھ مارتے ہیں لیکن
یہ انکا تعصب بیجا ہے جو کسی پردے کی آڑ میں ہمیشہ ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

زاں بعد ادہم خاں نے شہر کا کچھ بندوبست کیا اور جو نقد و اسباب غارتگری میں
آیا تھا اس میں سے چند ہاتھی بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے باقی اموال سب بے حساب

تصرف میں لاکر اس طرف کے باقی قلعوں کی تسخیر کیلئے روانہ ہوا بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ادہم خاں مالوے کے تمام خزانوں اور مال و اسباب پر خود قابض و متصرف ہو گیا ہے تو وہ خود اس طرف متوجہ ہوا اور صرف پانچ سو سوار ساتھ لیکر مہینے بھر کی راہ ایک ہفتے سے کم میں طے کر کے قلعہ کاکرون کے قریب پہونچ گیا یہاں کا قلعہ دار فوراً حاضر خدمت ہوا اور قلعہ کی کنجی بادشاہ کے سامنے رکھ دی بادشاہ نے تھوڑی دیر یہاں توقف کیا اور قلعہ دار نے جو ما حضر تھا پیش کیا تناول فرماکر اُسے منصب قلعہ داری اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا ازاں بعد اسی طرح یلغار کرتا ہوا ادہم خاں تک پہونچ گیا جو ہنوز راہ میں تھا ادہم خاں کو بادشاہ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو فوراً قدموں میں آگرا اور اپنی خونریزی کے خوف سے تمام زر نقد اور مال و اسباب بادشاہ کی نذر گذرانا اور ترساں و لرزاں معذرت کی بادشاہ نے اظہار رحمدلی کیلئے اُسکے جرائم معاف کر کے خلعت عطا فرما کر رخصت کیا پیر محمد خاں کو مالوے کی حکومت عنایت کی اور خود آگرہ کی جانب عنان توجہ موڑی۔

رحمت بانو یہ نازنین اور سلیقہ شعار بیگم شہنشاہ عالمگیر کی بڑی بہو اور شاہزادہ محمد معظم کی پہلی بیوی ہے اسکا باپ مرزبان آشام کے نام سے شہرت رکھتا تھا تاریخ سے اسکا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ مرزبان آشام کون شخص تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا اور کس خاندان سے تھا لیکن اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ایک بھلا آدمی نیک کردار اور کسی معزز خاندان کا ممتاز ممبر تھا۔ رحمت بانو کے حالات زندگی بھی تاریکی میں ہیں مگر مختلف واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت شریف پاکدامن سلیقہ شعار اور تعلیم یافتہ خاتون تھی اُسکے تمام عادات بالکل شریفانہ اور اخلاق نہایت مہذبانہ تھے اور اسی وجہ سے شہنشاہ عالمگیر اور خود شاہزادہ محمد معظم اس سے کمال محبت رکھتے تھے اور خانگی امور میں اکثر اوقات اُس سے مشورہ بھی لیتے تھے اس کی تدبیر نہایت صائب اور عقل دور اندیش بالکل سلیم تھی اسکا نکاح غرۂ ذالحجہ ۱۰۷۲ھ ہجری کو ہوا اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہوا ایک لاکھ اسٹی ہزار روپیہ کا مہر مقرر ہوا اور شاہی بیگمات کے طریقہ کے مطابق سلطنت سے ماہانہ تنخواہ کی اجازت ہو گئی۔

بعد کو شہزادہ محمد معظم کی ایک شادی اور بھی ہوئی یہ شادی خاصکر اس لیئے قابل ذکر ہے کہ اس میں شہنشاہ عالمگیر نے جس فیاضی کا اظہار کیا اسکی مثال اور تقریبات میں بہت کم

پائی جاتی ہے۔ اس شادی کا آغاز ستائیسویں رجب ۱۰۷۹ھ میں ہوا تاریخ عقد سے تیرہ روز پہلے رسوم شادی اور قرنائے مسرت نے آسمان و زمین پر ایک غلغلہ برپا کر دیا۔ دسویں شعبان کو ظہر کے بعد دیوان خاص میں ارکین دولت جمع ہوئے اور بادشاہ نے دربار میں رونق افروز ہو کر نہایت خوشی اور شکرگزاری کے ساتھ درباریوں کا سلام لیا تخت سلطنت پر جلوہ آرا ہوا اور شہزادہ محمد معظم کو بلا کر خلعت فاخرہ اور دس عربی و عراقی گھوڑے جو ساز و یراق سے آراستہ اور دو گراں قیمت ہاتھی مع سامان عنایت ہوئے ساتھ ہی ایک مرصع شمشیر قیمتی بیس ہزار روپیہ کی اور ساٹھ ہزار روپیہ کا سرپیچ اور بارہ لاکھ نقد عطا فرمایا۔ پانچ گھڑی رات گذر جانے کے بعد نوشہ کمال شان و شوکت اور جاہ و عظمت کے ساتھ اپنی حویلی سے برآمد ہو کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا حضرت مسجد میں تشریف لے گئے وہاں قاضی عبدالوہاب جو منصب قضات پر ممتاز و سرفراز تھے پہلے ہی موجود تھے بادشاہ کی اجازت سے قاضی نے میر سید محمود قنوجی کی وکالت سے اور ملا عوض وجیہ زنجانی اور شیخ سیف اللہ سرہندی کی شہادت سے عقد پڑھایا اور چھ لاکھ روپیہ کا مہر قرار پایا۔ عقد سے فراغت پا کر بادشاہ شہزادے کو ساتھ لیکر نواب قدسیہ بانو بیگم کی حویلی تک تشریف لائے اور عجب آن بان اور شوکت و شان کے ساتھ تشریف لئے دونوں وارث تخت و تاج گھوڑوں پر سوار تھے اور طلائی شمشیریں زانوؤں پر لٹک رہی تھیں امرائے دربار پانصدی سے لیکر ہزاری تک جلو میں تھے اور تمام فوجی افسر اسلحہ میں ڈوبے ہوئے آگے چل رہے تھے آدھی رات گذر چکی تو حضور اعلیٰ شاہزادہ معظم کو ہمراہ لئے ہوئے لوٹے اور صبح ہوتے ہوتے دلہن کا سکھ پال شاہزادے کے عظمت سرائے میں پہونچ گیا اس دن کا شاہی جاہ و حشم دیکھنے کے قابل تھا۔ قلعہ معلے کا چپہ چپہ زیب و زینت اور آرائش میں بہشت بریں کی ہمسر ہونیکا دعوی کرتا تھا قلعہ کے باہر سارے شہر میں روشنی کا سامان خاص طور سے کیا گیا تھا اور بڑی بڑی سڑکوں پر دو رویہ ٹھاٹھر بندی خوشنمائی کے ساتھ کی گئی تھی۔

الغرض نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ مبارک تقریب انجام کو پہونچی اور بادشاہ نے نہایت خوشدلی اور فراخ حوصلگی سے درباریوں اور تمام عہدہ داروں کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا غریبوں اور مسافروں کو اتنا کچھ دیا کہ وہ ایک عرصہ کے لئے دولتمند ہو گئے

رحمت بانو پہلے درجہ کی خلیق اور ملنسار عورت تھی اگر ایسے موقع پر عموماً عورتوں کو دل شکنی ہوتی ہے اور وہ بتقاضائے بشریت اپنے شوہر کے لئے اپنے مقابلہ میں دوسری عورت کو

تجویز کرنے میں سخت مضائقہ کرتی ہیں لیکن رحمت بانو کے دل پر اس واقعہ کا ذرا ملال نہ ہوا
بلکہ وہ نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ شاہزادہ محمد معظم کی اس شادی میں شریک ہوئی
اور بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے درست کیے اگرچہ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ شاہزادہ
محمد معظم کی یہ شادی رحمت بانو کے انتقال کے بعد ہوئی لیکن یہ اُن تاریخ نویسوں کی غفلت
اور صریح غفلت بلکہ سخت غلطی ہے جو اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کیونکہ رحمت بانو کے عقد
اور اس شادی کی تقریب میں کل دو برس بلکہ اس سے کم ہی کم کا فاصلہ تھا اور تاریخ سے یہ بات
پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ وہ اپنے عقد کے بعد پانچ سال تک زندہ رہی۔ تاریخ سے
ایا ت کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ رحمت بانو لاولد مری یا اپنے مرنے کے بعد کوئی جیتی جاگتی یادگار
چھوڑی اسی طرح ٹھیک طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اسنے کون سنہ میں انتقال کیا
بہ کیفیت جہاں تک اسکے تاریخ زندگی ہمیں دریافت ہوئی ہیں یہ ہیں اس سے زیادہ اگر کسی تاریخ میں
کچھ اور حالات ہوں تو ہمیں علم نہیں۔

رضیۃ النسا بیگم

یہ تارزین بیگم شہزادہ محمد اکبر کی بیٹی اور شہنشاہ عالمگیر کی
پوتی ہے جو غربا پروری اور عام فیاضی میں مشہور ہے رضیۃ النسا
بیگم کی تاریخ زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ رضیۃ النسا بیگم ہمیشہ
سادگی پسند کرتی تھی۔ اور دنیاوی جاہ و تجمل اور ظاہری شان و شوکت سے متنفر رہتی تھی باوجودیکہ
وہ ایک نہایت عظیم الشان بادشاہ کی پوتی اور ذی جاہ باپ کی عزیز بیٹی تھی اور اس بنا پر
جس قدر چاہتی وہ شان اور شوکت کرتی لیکن اُس نے بچپنے کے زمانہ سے لیکر جوانی اور
بڑھاپے تک کبھی کسی موقع پر ناز بیجا نہیں کیا اور نہایت سادہ طور پر معمولی زندگی بسر کی اسکے
فطرت میں خلق الہٰی کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا اور غربا کے ساتھ ہمیشہ سلوک کرنا اور
کسی کی تکلیف و ایذا کو نہ دیکھ سکنا یہ سب باتیں خدا کی طرف سے ودیعت رکھی گئی تھیں یہی
وجہ تھی کہ جو رقم اُسے بادشاہ کی طرف سے سالانہ یا ماہانہ ملتی تھی وہ ہمیشہ اُسے غربا اور حاجتمندوں
کے مصارف میں صرف کرتی تھی اور اپنی آسائش اور تن پروری میں ایک حبہ خرچ کرنے میں مضائقہ
کرتی تھی۔ رضیۃ النسا بیگم جوان ہوئی تو خود عالمگیر نے اسکی شادی شہزادہ رفیع القدر کے
ساتھ کی اور نہایت تزک و احتشام سے کی عقد کا دوسرا روز جو دلہن کے رخصت ہونے
کا دن تھا تاریخوں میں نہایت جلی حرفوں میں لکھا ہوا نظر آتا ہے عالمگیر نے اس موقع پر

نہایت دریادلی اور شاہانہ فیاضی کا ثبوت دیا اور جس قدر سامان جہیز اپنی اولاد کو رخصت کے وقت دیا تھا یا دینا تجویز کیا تھا اُس سے زیادہ زبدۃ النسار بیگم کو مرحمت فرمایا۔

رضیۃ النسار بیگم کی زندگی نہایت عافیت سے گزری اور کبھی اسکو کوئی ایسا صدمہ نہیں پہونچا جس سے وہ دلگیر ہوتی۔ لیکن آخر عمر میں شہزادہ محمد اکبر کے انتقال کے صدمہ نے بہت کمزور کردیا اور اسقدر رقلق پہونچا کہ پھر وہ نہیں بچی ۱۱۱۵ھ ہجری میں سرحد ایران سے خبر موصول ہوئی کہ شاہزادے محمد اکبر جو بدبخت اتفاق کی نامساعدت کی وجہ سے ناکامی کے جنگلوں میں فراری ہوگیا تھا انتقال کرگیا اس سے خود عالمگیر اور شہزادے کے متعلقین کو جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں خاصکر رضیۃ النسار بیگم کو اپنے مہربان اور شفیق باپ کی مفارقت نے نہایت مضطرب اور بیچین کردیا اور اب اسکی زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا ہونا شروع ہوا۔ آخرکار اسی اندوہ وغم میں تھوڑے روز زندگی بسر کرکے خود بھی رہگرائے عالم آخرت ہوئی

زیب النسار بیگم

زیب النسار بیگم اورنگ زیب کی سب سے پہلی اولاد تھی اسکی ماں جس کا نام دلرس بانو بیگم تھا، شاہ نواز خاں صفوی کی بیٹی تھی شاہ نواز کا اصلی نام بدیع الزماں ہی جہانگیر کے زمانے میں معزز عہدوں پر ممتاز ہوکر شاہ نواز خاں کے خطاب سے ملقب ہوا۔ شاہ جہاں کے زمانے میں بھی کارہائے نمایاں کئے چونکہ لیاقت ذاتی کے ساتھ عالی خاندان بھی تھا۔ شاہجہاں نے ۱۰۴۷ھ میں کہ اسکی سلطنت کا دسواں سال تھا۔ اورنگ زیب کی شادی اُس کی بیٹی سے کردی چار لاکھ مہر باندھا گیا طالب کلیم نے مادہ تاریخ کہا۔ مصرع

دو گوہر بہ یک عقد دوراں کشیدہ[۱]

زیب النسار بیگم شادی کے دوسرے سال شوال ۱۰۴۸ھ ہجری میں پیدا ہوئی عالمگیری امرا میں عنایت اللہ خاں نہایت معزز عہدہ دار تھا۔ اسکی ماں حافظہ مریم قابل اور تعلیم یافتہ تھی۔ زیب النسا بیگم جب پڑھنے کے قابل ہوئی تو اورنگ زیب نے اسکی تعلیم کیلئے حافظہ مریم کو مقرر کیا جس نے حسب دستور قدیم سب سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم دی۔ زیب النسار بیگم نے قرآن مجید حفظ یاد کیا جسکے صلہ میں اورنگ زیب نے تیس ہزار اشرفی انعام میں دی[۲]

تمام تاریخیں اور تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ زیب النسار بیگم نے عربی اور فارسی کی تعلیم

---

[۱] ماثر الامرا جلد دوم صفحہ ۶۷۰ و ۶۷۱ [۲] ماثر الامرا جلد دوم صفحہ ۸۲۸ [۳] ماثر عالمگیری صفحہ ۵۳۸۔

نہایت اعلیٰ درجہ کی حاصل کی تھی اور بڑے بڑے علماء و فضلا اسکی خدمت میں رہتے تھے۔ لیکن اسکے اساتذہ میں سے زیادہ مقرب اور باریاب ملا سعید اشرف ماژندرانی تھے۔ ملا سعید - تقی مجلسی کے نواسے تھے۔ عالمگیر کے آغاز جلوس میں ایران سے آئے اور عالمگیر نے انکو زیب النساء بیگم کی تعلیم کے لئے مقرر کیا[۱] اسوقت زیب النساء کی عمر تقریباً اکیس برس کی تھی۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ تیموریوں میں مستورات کی تعلیم کا سلسلہ کس قدر ممتد ہوتا تھا۔ زیب النساء نظم و نثر میں ملا سعید ہی سے اصلاح لیتی تھی۔

ملا اشرف شاعر بھی تھے اور شاعری ہی کے وصف سے مشہور ہیں قریباً تیرہ چودہ برس وہ تعلیم کے تعلق سے زیب النساء کی خدمت میں رہے[۲] ۱۰۸۳ھ ہجری میں وطن جانا چاہا۔ زیب النساء کی خدمت میں ایک قصیدہ لکھکر پیش کیا جس میں رخصت کی درخواست کو اس طرح ادا کیا تھا۔

یک بار از وطن نتواں برگرفت دل	در غربتم اگرچہ فزوں ست اعتبار
پیش و قرب و بعد تفاوت نمیکند	گو خدمت حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی ست چہ دہلی چہ اصفہاں	دل پیش تست من چہ بہ کابل چہ قندہار

زیب النساء نے جس قسم کی تعلیم پائی تھی اور خود اسکا مذاق طبیعت جس قسم کا واقعہ ہوا تھا اسکے لحاظ سے وہ پالٹیکس سے بالکل ناآشنا تھی تاہم عالمگیر کے پرپیچ عہد حکومت میں وہ بھی اس بدنامی سے نہ بچ سکی ۱۰۹۱ھ میں راجپوتوں نے جب عام بغاوت کی۔ اور عالمگیر نے ان کے دبانے کے لیئے شہزادہ اکبر کو فوج گراں دیکر چودہ پور کی طرف روانہ کیا تو راجپوتوں کے بہکانے سے شہزادہ خود باغی ہوگیا۔ اور عالمگیر کے مقابلہ کو بڑھا۔ زیب النساء و شہزادہ اکبر حقیقی بھائی بہن تھے دونوں میں خط و کتابت بھی تھی یہ خطوط پکڑے گئے اور عالمگیر نے اسکے انتقام میں زیب النساء کی تنخواہ جو چار لاکھ سالانہ تھی بند کردی اسکے ساتھ تمام مال متاع ضبط کرلیا گیا اور قلعہ سلیم گڈھ میں رہنے کا حکم ہوا[۳] لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد اسکی بیگناہی ثابت ہوئی اور عفو کردیا گیا کیونکہ سنہ ۱۰۹۲ھ ہجری میں جب حمیدہ بانو بیگم (والدہ روح اللہ خاں) نے انتقال کیا تو رسم تعزیت ادا کرنیکے لیئے عالمگیر نے زیب النساء کو روح اللہ خاں کے گھر بھیجا۔ اسی سنہ میں جب شہزادہ کام بخش (عالمگیر کا سب سے چھوٹا بیٹا) کی شادی ہوئی تو تقریب کی رسمیں زیب النساء ہی کے محل میں ہوئیں[۴] اور عالمگیر کے حکم سے تمام ارکان دربار زیب النساء کی ڈیوڑھی تک پاپیادہ

[۱] سرو آزاد تذکرہ ملا اشرف [۲] سرو آزاد تذکرہ ملا اشرف ماژندرانی [۳] ماثر عالمگیری صفحہ ۲۰۴ [۴] ماثر عالمگیری صفحہ ۲۲۵

گئے - زیب النساء نے شادی نہیں کی - عام طور پر مشہور ہے کہ سلاطین تیموریہ لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے اس غلط روایت کو یورپین مصنفوں نے بہت شہرت دی ہے اور اس سے اُن کو شاہی بیگمات کی بدنامی پھیلانے میں بہت مدد ملی ہے لیکن یہ قصہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے خود عالمگیر کی دو بیٹیاں زبدۃ النساء بیگم اور مہر النساء بیگم سپہر شکوہ اور ایزد بخش (پسران شہزادہ مراد) سے بیاہی تھیں چنانچہ مآثر عالمگیری میں دونوں شادیوں کی تاریخیں اور مختصر حالات لکھے ہیں اور خاتمہ کتاب میں بھی اسکا ذکر کیا ہے -

عالمگیر زیب النساء کی نہایت عزت کیا کرتا تھا - جب وہ کہیں باہر سے آتی تھی تو اُسکے استقبال کیلئے شہزادوں کو بھیجتا تھا سفر و حضر میں اسکو ساتھ رکھتا تھا - کشمیر کے دشوار سفر میں بھی وہ ساتھ تھی - لیکن جب عالمگیر دکن گیا تو اس نے غالبًا اپنی علمی زندگی کی وجہ سے پائے تخت کو چھوڑنا مناسب نہ سمجھا - اسکی چھوٹی بہن زینت النساء عالمگیر کے ساتھ گئی چنانچہ اسکا نام بار بار واقعات میں آتا ہے زیب النساء نے دلی میں قیام کیا اور وہیں پیوند زمین ہو گئی - زیب النساء نے ۱۱۱۳ھ ہجری میں جو عالمگیر کی حکومت کا اڑتالیسواں سال تھا دلی میں انتقال کیا ادخلی جنتی مادہ تاریخ ہے - عالمگیر اس زمانہ میں دکن کی فتوحات میں مصروف تھا - یہ خبر سنکر سخت غمزدہ ہوا بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلے اور باوجود انتہا درجہ کے استقلال مزاج کے صبر کی تاب نہ لا سکا - سید امجد خاں شیخ عطاء اللہ اور حافظ خاں کے نام حکم صادر ہوا کہ اسکے ایصال ثواب کے لئے زکوٰۃ و خیرات دیں اور مرحومہ کا مقبرہ تیار کرائیں[۵۱] -

خافی خاں نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں زیب النساء کا نام اور اُسکے واقعات ۱۱۲۲ھ تک لکھتے ہیں لیکن یہ صریح غلطی ہے کاتبوں نے غلطی سے زینت النساء کو زیب النساء سے بدل دیا ہے

"کمالات علمی اور عام اخلاق و عادات"

تمام مورخین نے بہ تصریح لکھا ہے کہ زیب النساء علوم عربیہ اور فارسی زباندانی میں کمال رکھتی تھی - نستعلیق، نسخ - اور شکستہ خط نہایت عمدہ لکھتی تھی - لیکن اسکی تصنیفات سے آج کوئی چیز موجود نہیں - عام طور پر مشہور ہے کہ وہ مخفی تخلص کرتی تھی اور دیوان مخفی جو چھپکر شائع ہو چکا ہے اسی کا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کسی تاریخ یا تذکرہ میں اسکے تخلص یا دیوان کا ذکر نہیں - مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں لکھتے ہیں "این دو بیت از نام او مسموع شدہ" اور پھر دو شعر نقل کئے ہیں اسکا دیوان ہوتا تو صرف دو شعر کا ذکر کیوں کرتے - مخزن الغرائب ایک تذکرہ ہے جو احمد علی سندیلوی

[۵۱] مآثر عالمگیری صفحہ ۴۶۲

کی تصنیف ہی مصنف نے نہایت کثرت سے فارسی تذکرے بہم پہنچائے ہیں اور ان سے
حالات اور اشعار انتخاب کئے ہیں زیب النسا کے حال میں لکھتے ہیں۔
اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ شاعر تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسکا کلام ضائع ہو گیا۔ اسی
تذکرہ میں ملا سعید اشرف کے حال میں لکھا ہے کہ زیب النسا کی بیاض خاص ایک خواص کے ہاتھ سے
جسکا نام ارادت فہم تھا حوض میں گر پڑی۔ چنانچہ سعید اشرف نے اسپر ایک قطعہ لکھا جو آگے
آئیگا۔ غالباً یہ اشعار کی بیاض ہوگی۔ تذکروں میں یہ دو شعر زیب النسا کے نام سے منقول ہیں

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد　　کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت　　غنچۂ باغ دل ما زیب دستارے نشد

زیب النسا کی تصنیفات و تالیفات سے زیب المنشآت کا ذکر البتہ تذکروں میں آیا ہے تذکرۃ الغرائب
کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اسکو دیکھا ہے یہ زیب النسا کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ ہے۔

علم پروری

زیب النسا نے خود کوئی تصنیف کی ہو یا نہ کی ہو لیکن اسنے اپنی نگرانی میں اہل فن سے
بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کرائیں۔ مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں لکھتے ہیں۔
زیب النسا کا دربار حقیقت میں ایک اکاڈیمی (بیت العلوم) تھی ہر فن کے علما اور فضلا اسکے
نوکر تھے جو ہمیشہ تصنیف اور تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ یہ کتابیں عموماً اسکے نام سے موسوم
ہوتی تھیں یعنی ان کتابوں کے نام کا پہلا جز زیب کا لفظ ہوتا تھا۔ اس سے اکثر تذکرہ نویسوں
کو دھوکا ہوا ہے اور انھوں نے وہ کتابیں زیب النسا کی تصنیفات میں شمار کیں۔
زیب النسا نے جو کتابیں تصنیف کرائیں ان میں زیادہ قابل ذکر تفسیر کبیر کا ترجمہ ہے
یہ مسلم ہے کہ تفسیروں میں امام رازی کی تفسیر سے زیادہ جامع کوئی تفسیر نہیں۔ اس لئے زیب النسا
نے ملا صفی الدین اردبیلی کو جو کشمیر میں مقیم تھے۔ حکم دیا کہ اسکا فارسی میں ترجمہ کریں
چنانچہ اس کا نام زیب التفاسیر رکھا گیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے غلط لکھدیا ہے کہ وہ زیب النسا

اما دیوان اشعارش جائے بنظر نیامدہ۔ مگر در تذکرہ انتخابش بہ نظر آمدہ۔ لیکن اعتبار
نشاید۔ بسبب آنکہ اکثر شعرا و اساتذہ صاحب آں تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود۔ ہمت
بہ ترقیہ حال ارباب فضل و کمال مصروف مے داشتہ و جماعت کثیر از علما و شعرا و منشیان و
خوشنویسان بہ سایہ قدردانی او آسودہ بودند و کتب و رسائل بسیار بنام او بسمت تالیف پذیرفتہ

کی مستقل تصنیف ہے۔

زیب النسا نے تصنیف و تالیف کا جو محکمہ قائم کیا تھا۔ اسکے ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانہ کا ہونا بھی ضرور تھا جس سے مصنفین فائدہ اٹھا سکیں چنانچہ بیگم موصوفہ نے ایک نہایت عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا مصنف مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ اس کتب خانہ کی نظیر کسی کی نظر سے نہ گذری ہوگی مصنف مذکور کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

در سرکار عالیہ کتابخانہ گرد آمده بود کہ بنظر ہیچ یکے در نیامده باشد زیب النسا کے حسن مذاق سے بڑا نفع یہ ہوا کہ عالمگیر کی خشک مزاجی نے جو نقصان پہنچایا تھا اسکی تلافی ہوگئی۔ یاد ہوگا کہ دربار میں ملک الشعرائی کا خاص عہدہ ابتدائے سلطنت سے چلا آتا تھا جیسے فیضی۔ طالب آملی قدسی کلیم مامور ہو چکے تھے عالمگیر نے اس عہدہ کو موقوف کر دیا۔ اور دفعتہً شعرا گویا بے خانماں ہو گئے۔ لیکن زیب النسا کی قدردانی نے پھر وہ دربار قائم کر دیا مختلف تقریبوں پر شعرا قصیدے لکھکر پیش کرتے تھے۔ اور گرانبہا انعام پاتے تھے۔ زیب النسا کی شعر دوستی کا یہ اثر ہوا کہ اہل سخن معمولی عرض معروض بھی شعر ہی میں کرتے تھے اس قسم کے چند واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی ہوگا

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ ارادت فہم نام ایک خواص کے ہاتھ سے زیب النسا کی بیاض خاص حوض میں گر پڑی تھی اس جرم کی معافی کے لئے ملا سعید اشرف نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا۔

اے ادا فہمے کہ پیشت فاضلان عصر را ۔۔ تشنستن مجموعہ اندیشہ باب افتادہ است

درخم افلاطون زیادہ النشت سرخوش بود ۔۔ ہمچو مخمورے کہ در فکر شراب افتادہ است

گاہ گاہے گرز بے آدابی باد صبا ۔۔ از گل روئے عرقناکت نقاب افتادہ است

آب حسرت در دہان اختران گردیدہ است ۔۔ آتش غیرت بجان آفتاب افتادہ است

ذہن صافت تا علم گردیدہ در دانشوری ۔۔ طبع افلاطون رئیس در اضطراب افتادہ است

دفتر فرہنگ در جنگش مجزا گشتہ است ۔۔ از کفش مجموعہ دانش در آب افتادہ است

عرض حالے ہست در خاطر کہ در اظہار آن ۔۔ بند بندم موج سان در اضطراب افتادہ است

آن بیاض خاصہ شاہی کہ در اطراف آن ۔۔ جائے افشان نقطہا کز انتخاب افتادہ است

آن مصرع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر ۔۔ دُرِّ الفاظش لبے با آب و تاب افتادہ است

دوش از دست ارادت فہم خادم در رہش ۔۔ چون بیاض سینہ ماہی در آب افتادہ است

[illegible] ۔۔ [illegible] افتادہ است

بحر شعر آبدارش تازہ طوفان کردہ است — گستبش در چار موج اضطراب افتادہ است

گوئیا از سر برون رفت ست آب جدولش — کاین چنین گرداب اشعارش خراب افتادہ است

آہ زین غم در دلِ پیر و جوان پیچیدہ است — لرزہ زین ہیبت بجانِ شیخ و شاب افتادہ است

بسکہ می بیند ہر یک بر گلوئے دیگرے — گر بیاض گردنش خوانند تاب افتادہ است

من چہ گویم کان چہ مژگان خودش برگشتہ بخت — در تب غم خیال از خود و خواب افتادہ است

زان زمان بالا پریشان حالی و آشفتگی — ہمچو زلفِ خویشتن در پیچ و تاب افتادہ است

رفت رنگ آتشین چون شمع صبح از عارضش — ہمچو نبضِ موج اندر اضطراب افتادہ است

فیض بخشا از در پروانہ بخشا کشتے — کاتشے در روے چو شمع از التہاب افتادہ است

در خواہی دید، یکدم دفتر افلاک را — از ہجوم گریہ اش یکسر خراب افتادہ است

نعمت خان عالی اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک مرصع کلغی جو دستار پر لگاتے تھے زیب النسا کی خدمت میں فروخت کیلئے پیش کی زیب النسا نے رکھ لی لیکن جیسا کہ درباروں کا معمول ہے قیمت کے ملنے میں دیر ہوئی نعمت خان نے یہ رباعی لکھکر بھیجی۔

اے بندگیت سعادت اختر من — در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من

گر جیغہ خریدنی ست پس کو زر من — ور نیست خریدنی۔ بزن بر سر من

اگر خریدنا ہے تو دام دلوائیے — اور نہ خریدنا ہو تو مری سر مارئیے

بیگم نے پانچہزار روپے دلوائے اور کلغی واپس کر دی [۱]

ملا سعید اشرف جو زیب النسا کا استاد تھا اور زیب النسا انہی سے نظم و نثر میں اصلاح لیتی تھی بڑے پایہ کا شاعر تھا۔ تمام تذکروں میں اسکے حالات تفصیل سے لکھے ہیں بیگم اس کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ ایک دفعہ اسنے ایک لونڈی ملا صاحب کے پاس بھیجی کہ اسکو خدمت میں رکھیں۔ کنیز ملا صاحب کے مذاق کے موافق نہ تھی ایک طول طویل قطعہ اسکی ہجو میں لکھکر بیگم کو بھیجا آغاز کا شعر یہ تھا۔

قدرت انشور شناسا۔ نور چشم عالما — ایکہ ہرگز قدرت ہم چشمیت حورا نداشت

مولوی غلام علی آزاد نے صرف یہی ایک شعر نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں قاب توسین او ادنیٰ کا قافیہ حسن موقعہ پر استعمال کیا تھا لیکن یہ نہایت تعجب کی بات ہے۔ زیب النسا تو زاہدانہ مذاق رکھتی تھی شاہی بیگمات کے دربار میں کیونکر اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

[۱] یہ تمام اشعار تذکرہ مجمع الغرائب اشرف سعید کے حالات میں نقل کئے ہیں [۲] خزانہ عامرہ تذکرہ نعمت خان عالی ۱۲

جہاں آرا بیگم (زیب النسا کی پھوپی) ایک دفعہ باغ کی سیر کو نکلی۔ ہر طرف پردہ کرا دیا گیا۔ میر صیدی طہرانی ایک مشہور شاعر تھا۔ وہ کسی حجرہ میں چھپکر سواری کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ بیگم کا ہاتھی پاس سے گذرا تو بیساختہ صیدی نے یہ مطلع پڑھا:-

برقع بہ رخ افگندہ برد ناز بہ باغش	تا نکہت گل بیخته آید به دماغش
باغ میں برقع پہنکر اس لیئے جاتی ہے	کہ پھول کی خوشبو چھنکر دماغ میں آئے

بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لائیں۔ بیگم نے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچہزار روپئے دلوا دئے لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ شہر سے نکال دیا جائے[1] (یعنی یہ گستاخی کیوں کی) اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیگمات کے لیئے کس قسم کے آداب مقرر تھے:۔

"اخلاق و عادات"

زیب النسا اگرچہ درویشانہ اور مصنفانہ مذاق رکھتی تھی تاہم شاہجہاں کی پوتی تھی۔ اس لیئے نفاست پسندی اور امارت کے سامان بھی لازم تھے **عنایت اللہ خان** جو امرائے عالمگیری میں مقرب خاص تھا۔ زیب النسا کا میر خانساماں تھا کشمیر میں جا بجا خوشگوار اور خوش منظر چشمے ہیں انمیں سے ایک چشمہ جس کا نام احول تھا۔ زیب النسا کی جاگیر میں تھا۔

زیب النسا نے اسکے متصل ایک نہایت پر تکلف باغ اور شاہانہ عمارتیں تیار کرائی تھیں چنانچہ عالمگیر جب ۱۰۷۳ھ میں کشمیر کے سفر کو گیا ہے تو اس مقام پر ایک دن قیام کیا۔ اور زیب النسا نے قاعدہ کے موافق نذر پیشکش کی اور روپیے نچھاور کیئے[2]۔

۱۰۹۰ ہجری ابرک کا ایک بڑا خیمہ تیار کرایا تھا جو تمامتر شیشہ معلوم ہوتا تھا۔ نعمت خاں عالی نے اسکی تعریف میں ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

ازاں خرگاہ طلقش چشم بد دور	کہ شد از جلوہ اش نور علی نور
تعالی اللہ چہ روشن بارگاہے	کدورت را درو نجا نیست راہے
ز نور رش گشتہ خیرہ چشم کوکب	کمینہ خانہ زادش ماہ نخشب
فروغش گر چنیں در جہاں تاب	کسے شب را نخواہد دید در خواب
چو عاجز گشت نظم از ثنائش	شدم جویائے تاریخ بنائش
پئے تاریخ آں گفت زمانہ	بروں زنگ دلم آئینہ خانہ

[1] خزانہ عامرہ ذکر صیدی طہرانی [2] ماثر الامرا جلد دوم تذکرہ عنایت اللہ خان صفحہ ۸۲۹۔
[3] عالمگیر نامہ مطبوعہ کلکتہ ۸۳۶ صفحہ ۱۲

بھائیوں سے نہایت محبت رکھتی تھی سنہ ۱۱[illegible]ھ میں جب اعظم شاہ مرض استسقا میں سخت بیمار ہوا تو زیب النسار نے اسکی تیمار داری اس محبت سے کی کہ تمام ایام مرض تک اس پرہیزی غذا کے سوا جو خود شہزادہ کھاتا تھا۔ کوئی غذا نہیں کھائی۔ محمد اکبر جس زمانہ میں عالمگیر سے باغی ہوکر راجپوتوں سے مل گیا ہی اس زمانے میں بھی زیب النسا نے اس سے برابر راہ و رسم اور خط و کتابت ترک نہ کی جس کے صلے میں اسکی تنخواہ اور جاگیر ضبط ہوگئی [1]

"زیب النسار کے متعلق جھوٹے قصے"

زیب النسار کے متعلق متعدد جھوٹے قصے مشہور ہوگئے ہیں جنکو یورپین مصنفوں نے اور زیادہ آب و رنگ دیا ہی انہیں سے ایک یہ ہی کہ زیب النسار اور عاقل خان سے دوستی کا تعلق تھا اور زیب النسار اسکو چوری چھپے سے محل میں بلایا کرتی تھی ایک دن عالمگیر محل میں موجود تھا۔ کہ اس کو پتہ لگا کہ عاقل خان محل میں ہی اور حمام کی دیگ میں چھپا دیا گیا ہی۔ عالمگیر نے انجان بنکر اسی دیگ میں پانی گرم کرنیکا حکم دیا عاقل خان نے اخفائے راز کے لحاظ سے دم نہ مارا اور جل کر رہ گیا مرنے کے وقت یہ مطلع کہا تھا۔

بعد مردن زجفائے تو اگر یاد کنم ۔۔۔ از کفن دست بروں آرم فریاد کنم

عاقل خاں کا مفصل تذکرہ ماثر الامرار میں موجود ہے۔ اور چونکہ شاعر تھا۔ تمام تذکروں میں اسکے حالات مذکور ہیں۔ لیکن اس واقعہ کا کہیں نام و نشان نہیں جن کتابوں میں اس کا حال مل سکتا ہی اور مستند اور معتبر خیال کیجاتی ہیں حسب ذیل ہیں اور ہماری پیش نظر ہیں۔ عالمگیر نامہ۔ ماثر عالمگیری۔ ماثر الامرار۔ تذکرہ سرخوش۔ خزانہ عامرہ۔ سرو آزاد۔ ید بیضا۔ ان کتابوں میں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق نہیں۔ حالانکہ اس کی وفات کا تذکرہ سب نے لکھا ہی جو سنہ ۱۱۱۳ہجری میں واقع ہوئی۔

دوسرا واقعہ یہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ زیب النسار نے یہ مصرع کہا۔

از ہم نمے شود ز حلاوت جدا لبم

چاہتی تھی کہ مطلع ہو جائے لیکن دوسرا مصرع اسکے جوڑ کا موزوں نہ ہوتا تھا۔ ناصر علی کے پاس مصرع لکھکر بھیجا اسنے برجستہ کہا۔

از ہم نمے شود ز حلاوت جدا لبم ۔۔۔ شاید رسید بر لب زیب النسا لبم

[1] ماثر الامرار جلد اول صفحہ ۵۹۹۔ ماثر عالمگیری میں زیب النسار کے بجائے زینت النسار کا نام لکھا ہی لیکن جو شہی قطعی اشتباہ ہے :-

لیکن جو شخص تیموریوں کے جاہ و جلال اور آداب آئین سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ بیچارے ناصر علی کو خواب میں بھی اس گستاخی کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی اکثر مورخین لکھتے ہیں کہ اس عصمت مآب خاتون نے ۱۱۱۳ ہجری کو ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی اسکا مقبرہ لاہور میں موجود ہے اور تاریخ وفات یہ ہے وادخلی جنتی بیان کیا جاتا ہے کہ جب زیب النساء کو انتقال کا وقت قریب آ لگا تو اُسنے اپنے لوگوں کو بلا کر وصیت کی کہ دیکھو میری قبر کو پختہ نہ بنانا ایک کچا سا دھابہ بنا کر یوں ہی چھوڑ دینا اور زمین سے زیادہ اونچا بھی نہ کرنا چنانچہ اس کے انتقال کے بعد اسکی تجہیز و تکفین اور تدفین بالکل اسکی وصیت کے مطابق کیگئی یہ شعر بھی اسی کا بیان کیا جاتا ہے۔

برسر گور غریباں گنبد گردوں بس ست اغنیا ساز ند گنبدہا از طلا و نقرہ زر

زینت النساء بیگم

یہ بیگم نواب زیب النساء بیگم کی بہن ہے جو ۱۰۵۳ھ میں پیدا ہوئی اور حسن و جمال کے علاوہ نہایت متین و سنجیدہ اور صاحب عقل و شعور تھی اسکی شادی اورنگ شاہ والی ترکستان سے ہوئی نکاح کے بعد اُس روز کی کیفیت کا سماں جو لڑکی کے رخصت ہونیکا دن تھا قابل دید اور یادگار زمانہ تھا تمام بازار کی دکانیں مشجر سے بڑی جگمگا رہی تھیں صدہا خوبصورت لڑکے زریں کپڑے پہنے ہوئے ہاتھوں میں عطر کے ڈوبے ہوئے گلدستے گلوں میں گجرہ ہمرو بیر قند بیش اُنہیر جواہر نگار رطرے عجب بہار دکھا رہے تھے کہ تمام حشمت انگیز سماں اور زر خیز حالت ٹھاٹھ عالمگیری شوکت اور دبدبہ اور امن کی پکار پکار کر شہادت دیتی تھی۔ زینت النساء کو جو جہیز عالمگیر کی طرف سے دیا گیا اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ عالمگیر نے جو حقہ اورنگ شاہ والی ترکستان کو دیا تھا وہ سر سے پا تک سبز یاقوت کا تھا جس کی قیمت کا اندازہ کئی لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔

الغرض بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کیساتھ یہ بیگم رخصت کی گئی اور شہنشاہ عالمگیر نے اس تقریب میں نہ صرف امرا و دولت بلکہ شہر کے عام مساکین اور محتاجوں کو بہت کچھ دیا۔

زینت النساء بیگم چونکہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ اور مہذب و سنجیدہ اور حلیم الطبع عورت تھی اُسنے شادی کے بعد اپنے خاوند کو اس درجہ اپنا مطیع اور گرویدہ بنا لیا کہ چند روز میں تمام بخارا وغیرہ کی حکومت اس کے قبضے میں آ گئی اور اپنے شوہر کی جگہ خود بالاستقلال فرمان روائی کرنے لگی۔

زینت المساجد جو دہلی میں ایک نہایت مشہور و معروف اور قابل دید عمارت ہے اسی بیگم کی یادگار ہے۔ یہ مسجد زینت النساء بیگم نے خاص اپنے صرف سے تعمیر کرائی اور ہمیشہ کے لیے اپنی

ایک عجیب اور قابل یادگار نشانی چھوڑ گئی :

زینت المساجد ایک بڑی نامی اور مشہور عمارت ہے جو دریا گنج میں دریا کے کنارے واقع ہے اس کے بلند اور اونچے اونچے مینار دور سے نظر پڑتے ہیں اور خود مسجد دور سے دکھائی دیتی ہے اودھر مسجد کی فضا اور منبت کاری اور رنگین سازی کی بہار اور ادھر سبزہ کا نظارہ اور دریا کا بہنا اور طرح طرح کی لہریں لینا عجیب عالم دکھاتا ہے واقع میں جیسی کیفیت اور لطف اس مسجد میں ہے بہت کم کسی مسجد میں ہوگا مسجد نیچے سے اوپر تک سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے - اور اور تینوں برج جو نہایت خوبصورت اور عالیشان ہیں سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں - اور ان میں سنگ موسیٰ کی نازک دھاریاں عجب بہار دکھا رہی ہیں برجوں پر نہایت خوشنما اور قیمتی سنہرے کلس چڑھے ہوئے ہیں جن کی دمک آفتاب کی چمک کو مات کرتی ہے مسجد کے سات در ہیں مگر بیچ کا در بہت بڑا ہے - اور نہایت خوشنما ہے صحن کے بیچ میں نہایت خوشنما حوض ہے جو کسی زمانہ میں بڑی دلربائی کی موجیں لیتا ہوگا مسجد کے پاس ایک بڑا عمیق کنواں ہے جس میں سے حوض میں پانی پہونچایا جاتا تھا لیکن اب کنواں پٹ گیا ہے - اسی مسجد کے صحن میں شمال کی طرف زینت النسار بیگم بانی مسجد کا مدفن ہے یہ ایک چھوٹا سا برج تھا اور اس کے نیچے دو مختصر سے حجرے تھے ایک سنگ باسی کا اور ایک سنگ مرمر کا سنگ مرمر کے حجرہ میں فرش بھی سنگ مرمر ہی کا تھا مگر اب یہ برج اور حجرہ خراب ہوگئے ہیں سنگ مرمر کے حجرہ میں زینت النسار بیگم کی قبر ہے اور قبر کے سرہانے ذیل کی عبارت کندہ ہے -

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم -

مونس - او رلحد فضل خدا تنہا بس است

سایہ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

امیدوار حسن خاتمہ خادمہ فاطمہ زینت النسار بیگم بنت شاہ محی الدین محمد عالمگیر غازی انار اللہ برہانہ ۱۱۲۲ ہجری -

نواب زبدۃ النسار بیگم

یہ بیگم شہنشاہ عالمگیر کی بیٹی اور نواب زیب النسا بیگم کی حقیقی بہن ہے جو ۲۶ رمضان المبارک

۱۰۶۱ھ ہجری کو بطن درس بانو بیگم صبیہ شاہ نواز خان صفوی سے پیدا ہوئی اس کے پیدا ہونے پر شاہی محل سرا میں معمول سے زیادہ خوشی منائی گئی اور جب کچھ ہوشیار ہوئی تو شاہی حرم کے قاعدے کے مطابق اسے پڑھنے بٹھایا گیا۔ عالمگیر کے والد محترم شاہجہان نے ایک لڑکی معلمہ سے جو دینی علوم اور رسمی فنون میں اچھی مہارت رکھتی تھی تعلیم دلوائی اور تربیت و تعلیم میں نہایت اہتمام کے ساتھ کوشش کی۔ لڑکی تھی ذہن اور پھر دادا کے معمول سے زیادہ کوشش تھوڑے عرصہ میں رواجی علوم و فنون سے واقف ہوگئی اور ترکی و عربی زبان میں بلا تکلف گفتگو کرنے لگی اسکے چند روز بعد اسنے دیگر علوم کیطرف توجہ کی اور اب اسکی قادر الکلامی اور سخن سنجی کی شہرت ہوگئی سن بلوغ کو پہونچی تو شاہجہان نے عالمگیر سے درخواست کی زبدۃ النسا کی شادی داراشکوہ کے چھوٹے فرزند سپہر شکوہ سے ہونی چاہئے۔ اگرچہ عالمگیر اس تعلق کو اپنی پالیسی کے بالکل خلاف سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے اسنے فوراً اپنے والد کو ہاں نا کا کچھ جواب نہیں دیا لیکن شاہجہاں کے بار بار کے کہنے سے اُسے بجز اظہار رضامندی کے اور کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہ پڑا آخر کار زبدۃ النساء کی شادی سپہر شکوہ کے ساتھ ہوئی اور نہایت شان و شوکت اور عظمت و حشمت کیساتھ ہوئی شادی کے چند دنوں بعد زبدۃ النساء بیگم بیمار پڑ گئی اور اس بیماری نے اس قدر طول کھینچا کہ پھر اُسے بستر علالت سے اُٹھنا نصیب ہی نہیں ہوا چنانچہ عین عالم شباب میں اسی سال میں انتقال کر گئی جس میں شہنشاہ عالمگیر نے دنیا سے منہ موڑا مورخین کا بیان ہے کہ عالمگیر کو زبدۃ النساء کے فوت ہونیکی خبر نہیں ہوئی۔

اختر زمانی

نہایت خدا ترس بیگم تھی حاجتمندوں کے ساتھ بیحد محبت اور خلق سے پیش آتی تھی۔ عبادت کا یہ حال تھا کہ تہجد تک ناغہ نہونے دیتی تھی مزاج میں تھوڑی سی ظرافت بھی تھی۔ مگر دل خدا کی طرف اتنا زیادہ رجوع تھا کہ دنیوی معاملات میں بہت کم توجہ کرتی تھی جب تک یتیموں کو کھانا نہ کھلاتی خود کبھی کچھ نہ کھاتی۔ لباس سادہ رکھتی تھی اور وظائف وغیرہ میں بہت زیادہ مصروف رہتی ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا۔

سکندر سلطان

یہ بیگم فن سپہگری میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی چنگیزی خون رگ رگ میں تھا۔

اس لئے بعض دفعہ خفیف جرم میں اپنے ماتحتوں کو سخت سزا دیتی تھی اکثر پا پیادہ ہوا خوری کو نکل جاتی اور بلا خوف وخطر سیر کرتی ایک موقع پر بھیڑیے سے مقابلہ ہو گیا۔ چونکہ ہر وقت مسلح رہتی تھی۔ بھیڑئے کو مار ڈالا ۱۰۱۵ ہجری میں انتقال کیا۔

سلیمہ سلطان بیگم

یہ ہوشمند اور عالی دماغ بیگم محمد ہمایوں بادشاہ کی بھانجی تھی جو حسن وصورت اور دلربائی میں اپنی آپ ہی نظیر تھی۔ فارسی مورخوں نے اس حسینہ اور پری چہرہ بیگم کو حسن کی دیوی اور نور کی پتلی لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس بیگم کے فوٹو سے اعلیٰ درجہ کی نزاکت ولطافت ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے بچشم اس بیگم کا اصلی مرقع دیکھا ہے جو قریباً تین سو سال سے ایک خاندانی مصور کی وراثت میں چلا آتا ہے حسن وخوبصورتی اور ملاحت ونزاکت کے علاوہ اس کے چہرہ سے متانت وسنجیدگی کے آثار نمایاں ہیں اور شان وشوکت وعظمت وجلال کی علامات ظاہر۔ اس کی دلکش تصویر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے تمام اوصاف جمیلہ اور آثار حمیدہ اس بیگم کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر دئے ہیں اس کے ناز وکرشمے حقیقت میں زہر کے بجھے ہوئے تیر ہوں گے اور انداز وعشوے ہندی شمشیر سے بڑھکر اثر رکھتے ہوں گے۔

سلیمہ سلطان بیگم تعلیم یافتہ اور نہایت مہذب شہزادی تھی اس نے بہت سی شریف زادیوں۔ اور بوڑھی اُستانیوں سے تعلیم پائی تھی۔ جنہیں مذہبی علوم میں بڑا دخل تھا۔ اور جو اس زمانے میں شاہی محل سرا کی بیگمات کی تعلیم کے لئے منتخب کی گئی تھیں سلیمہ سلطان بیگم تمام علوم مروجہ میں تھوڑا بہت ضرور دخل رکھتی تھی اور ریاضی وعلم ہیئت میں تو انتہا درجہ کی مشتاق تھی۔ جب ہم ان نامور شہزادیوں اور بادشاہ بیگموں کے حالات تاریخ میں پڑھتے ہیں تو ہمیں کامل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی فن میں عاری نہ تھی یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی ناواقفیت اور لاعلمی کی وجہ سے شاہی بیگمات پر بیجا الزام لگائیں جو انتہا درجہ کی ناانصافی اور سخت حماقت ہے کہ ہم اپنی قصور فہمی کی وجہ سے اس پر حرف گیر ہوں یہ سچ ہے کہ سب شہزادیاں نہ عالم ہی ہوتی تھیں نہ جاہل ہی لیکن تاریخ پڑھنے والے کہہ سکتے ہیں کہ اکثر شہزادیاں تعلیم یافتہ مہذب متین سنجیدہ ہوتی تھیں بعض چاہے بے لکھی پڑھی ہوں جن بیگمات کے ہم حالات قلم بند

کر چکے ہیں یا آئندہ قلمبند کرینگے اُن سے ہر شخص کو اس بات کا کافی اندازہ ہو جائیگا کہ شاہی بیگمات کی لائف کس درجہ وقعت رکھتی ہے اور جو لوگ اُنکے بارے میں بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں وہ کہاں تک راستی کے کانٹے میں وزن کئے جا سکتے ہیں اس بات کا بیشک ہمیں اعتراف ہے کہ مغلیہ گورنمنٹ نے اپنی بیگمات اور شہزادیوں کو پورا آزاد بنا رکھا تھا اور جس طرح شاہان فرنگستان کی لیڈیاں نہایت آزادی کے ساتھ محل میں نہیں اور ضرورت کے وقت بازاروں اور باغات میں پھرتی ہیں شاہان مغلیہ کی مستورات بھی اُسی طرح آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں۔ لیکن ساتھ ہی اُن کی طرز معاشرت اور چال چلن ایسے مہذب اور شریف تھے کہ کبھی کسی کو اپنے او پر مشتبہ ہونے نہیں دیا۔ عیب جو آنکھیں اور ہٹ دھرم نظریں گو کتنی ہی کوشش کریں مگر وہ مغلیہ خواتین کی مشتبہ حالت ثابت کرنے میں بہت کم کامیاب ہو سکتی ہیں اُن کی اس آزادی کو خواہ کوئی اشتباہ اور بے وقعتی کی نظر سے دیکھے مگر ہم تو اس کو بھی مصلحت وقت سمجھتے ہیں شاہی حرم سرا میں بے شک آزادی تھی اور عموماً تمام بادشاہ بیگمیں ہتھیار بند رہتی اور جنگ میں مردوں کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت دیتی تھیں پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ انہیں مقید کر کے رکھا جاتا۔

سلیمہ سلطان بیگم کو بھی شاہی گورنمنٹ سے پوری آزادی حاصل تھی وہ جو کچھ چاہتی کرتی کوئی مانع و مزاحم نہ ہوتا تھا کیونکہ اُس کے طرز معاشرت کی ابتدائی نشو و نما سے عالم شباب تک کبھی اپنے پرائے کو اپنی حالت پر مشتبہ ہونے نہیں دیا۔ اس کی طبیعت نہایت موزوں اور سنجیدہ واقعہ ہوئی تھی۔ شعر گوئی اور شیریں زبانی اور بندش الفاظ اور بے ساختگی جو سلیمہ سلطان بیگم کو حاصل تھی کم شعرا میں دیکھی جاتی تھی اس کے اشعار نہایت مضمون خیز اور پر لطف ہوتے تھے ہمیں افسوس ہے کہ باوجود بے حد تلاش کے اُس کا کوئی قصیدہ یا غزل دستیاب نہیں ہوئی خافی خاں مورخ نے صرف ایک شعر لکھا ہے جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں ؎

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام
مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

مرزا نور الدین محمد سلیمہ سلطان بیگم کا باپ اس کی طفلی کی حالت میں انتقال کر گیا تھا اور نسی

وجہ سے سلیمہ سلطان بیگم نے ابتدائً محمد ہمایوں بادشاہ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور بعد کو جلال الدین اکبر بادشاہ اس کا متکفل ہوا ۹۶۵ھ ہجری میں جلال الدین اکبر نے اس کی شادی بیرم خاں المخاطب بہ خانخانان سے کی اور نہایت شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ کی صاحب منتخب اللباب کہتا ہے کہ سلیمہ سلطان بیگم کی شادی کی تقریب دہلی میں واقع ہوئی مگر تاریخ فرشتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تقریب جالندہر میں ہوئی الغرض اس تقریب میں بادشاہ نے نہایت فراخ حوصلگی سے کام لیا اور سلیمہ سلطان بیگم کو اسقدر سامان جہیز اور زر نقد عطا کیا کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔

بیرم خاں جو جلال الدین اکبر کا ایک نہایت لائق مشیر اور سلطنت کا بازو تھا جسے اب سلیمہ سلطان بیگم کے شوہر بننے کی عزت حاصل ہوئی علی شیر ترکمان کی اولاد میں تھا اس کے آباء و اجداد خاندان امیر تیمور کے نمک پروردہ تھے اور یہ خود اس خاندان کے تین بادشاہوں کی خدمت کا گرانبہا تمغہ حاصل کر چکا تھا اس کی شجاعت کی دھوم سب طرف پھیلی ہوئی تھی اور امور ریاست کی تمشیت و تدبیر میں ضرب المثل تھا ہمایوں شاہ کے عہد سلطنت میں جو کارنمایاں اس سے ظہور میں آئے اُن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی جلال الدین اکبر اسکی جان نثاریوں کا معترف تھا اور تمام امرائے دولت سے زیادہ تعظیم کرتا تھا۔
بیرم خاں نہ صرف امور سلطنت کی تدابیر میں ید طولےٰ رکھتا تھا بلکہ علوم مروجہ سے بھی بخوبی واقف تھا۔ بالخصوص علم موسیقی میں اُستاد مانا جاتا تھا۔

بیرم خاں اگرچہ اپنی عمدہ کارگذاریوں اور روزافزوں ترقیوں اور مزید اختیارات سلطنت کیوجہ سے مسعود زمانہ تھا اور تنگ چشم امرائے دولت کی آنکھوں میں ہمیشہ کانٹا بنکر کھٹکتا تھا۔ بالخصوص بادشاہ کی اس عزت افزائی کے سبب سے کہ اُس نے سلیمہ سلطان بیگم کو اُس کے عقد ازدواج میں دیدیا تھا اور بھی لوگوں کو حسد تھا چنانچہ اُمراء چغتہ کو اس کا یہ تعلق نہایت ہی ناگوار اور گراں تھا اور اسی وجہ سے وہ اُس کے جانی دشمن ہوگئے تھے انہوں نے اُس پر طرح طرح کی تہمتیں تھوپیں اور آخرکار اُسے بادشاہ کی مخالفت اور بغاوت سلطنت کے ساتھ متہم کیا لیکن طبقات اکبری کے مطالعہ کرنے والوں کو صاف معلوم ہوگا کہ خاندان ترکمان کے تمام لوگ اپنے ولی نعمت کے ہمیشہ فدائی اور جان نثار ثابت ہوئے اور ان سے نمک حرامی بہت کم ظہور میں آئی بیرم خاں من ان الزامات

سے بالکل بری اور پاک تھا جو معاندوں نے اُس پر لگائے تھے اور یہی وجہ تھی کہ بادشاہ کی طرف سے کبھی اُس کی دلجوئی اور مدارات میں کمی واقع نہیں ہوئی اور مخالفوں نے اُسکے مقابلہ میں ہمیشہ ذلت و زک اُٹھائی۔ الغرض سلیمہ سلطان بیگم کی بیرم خاں سے شادی ہوگئی اور اس ذہین اور عاقلہ بیگم نے شادی ہوتے ہی اپنے خاوند کو ایسا گرویدہ اور مطیع کر لیا کہ دیکھنے والوں کو حیرت تھی مگر افسوس کہ شادی کے بہت تھوڑے عرصہ بعد بیرم خاں کا انتقال ہوگیا اور کچھ عرصہ کے لیے سلیمہ سلطان بیگم کا عیش زندگی منغض و مکدر ہوگیا بیرم خاں کا واقعہ انتقال نہایت مزیدار اور دلچسپ ہے اور وہ موقوف ہے ایک بڑے تاریخی واقع پر۔ چنانچہ میں نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ؛

اس تاریخی دلکش سین جس میں غالبًا ناظرین کی دلچسپی کے بہت کچھ سامان ہیں بیرم خاں کی حیرتناک ترقی و تنزل کی دونوں تصویریں دکھائی جائیں گی جن سے زمانہ کا انقلاب اور فلک کج رفتار کی نیرنگی کا رنگ صاف طور پر نظر آئے گا۔ بیرم خاں اصل میں شہنشاہ بابر کے عہد سلطنت میں ملازمان شاہی کے جرگہ میں داخل ہوا جو بانی سلطنت مغلیہ امیر تیمور شاہ کا پانچواں تاجدار تھا۔ اور رفتہ رفتہ سلطنت میں وہ رسوخ پیدا کیا کہ تھوڑے عرصہ میں فوج کا سپہ سالار ہوگیا۔ پھر ہمایوں شاہ کے زمانہ میں اُسے وہ عروج و اقتدار حاصل ہوا کہ معتمد علیہ سلطنت ہوگیا اور حق یہ ہے کہ بیرم خاں نے ہمایوں بادشاہ کی رفاقت میں وہ نمایاں کام کیے جن کی نظیر تاریخ میں بمشکل نظر آسکتی ہے جس زمانہ میں شیر شاہ سلطنت ہند پر قابض ہوا اور ہمایوں شاہ کو مجبورًا جلا وطنی اختیار کرنی پڑی بیرم خاں اُس کے ساتھ تھا اور ایسے اندیشناک اور نازک وقت میں اس نے بہت کام آیا۔ ہمایوں شاہ ایران میں پہنچا ہے تو پہلے یہی بیرم خاں سفیر بن کر ایران گیا اور بادشاہ کا اقتدار ایرانیوں کے دلوں میں بہت کچھ بیٹھا گیا۔ بادشاہ نے بھی اس کی جان نثاریوں کی معتدبہ قدر کی یہانتک کہ وزارت کا عظیم الشان اور معزز منصب عنایت کیا اور امور سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدی جلال الدین اکبر کا دور دورہ ہوا تو اُس نے بھی بیرم خاں کی قدر افزائی میں کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی مگر اس زمانہ میں بیرم خاں کے بہت سے حاسد و دشمن پیدا ہوگئے اور اس

کی سالہا سال کی حاصل کی ہوئی عزت و وقعت کو خاک میں ملانے کے لیئے ہر طرف سے کمر باندھکر کھڑے ہو گئے۔ مخالفوں کو بیرم خاں کی مہتم بالشان مناصب سے جو رنج اور حسد تھا وہ ایک معمولی رنج تھا وہ اکثر اوقات معاصرین میں ہوا کرتا ہے اور کوئی زمانہ کبھی ایسا نہیں گذرا جس میں اس قسم کے حسدات ہمعصروں میں نہ ہوتے ہوں لیکن سلیمہ سلطان بیگم کے تعلق عقد نے دشمنوں کے معمولی حسدوں کو ایک بالکل نیا اور انوکھا رنگ۔ دیدیا تھا اس تعلق کی وجہ سے دربار کے بڑے بڑے امرار خاص کر خیتہ بیرم خاں کے جانی دشمن ہو گئے تھے اور اُن کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی تھی انہیں رات دن یہی فکر تھا کہ جس طرح ممکن ہو بیرم خاں کو بادشاہ کی نظروں میں بے وقعت کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے بہت منصوبے گانٹھے اور بیرم خاں کی دلکش اور خوبصورت تصویر کو بادشاہ کی نظروں میں نہایت بھدی اور عیب دار کر کے دکھائی وہ تو بادشاہ ہی ایسا مدبر اور وسیع نظر تھا جس نے مخالفوں کی مصنوعی باتوں پر ذرا التفات نہیں کیا مگر تاہم حاسدوں کی مخالفانہ ریشہ دوانیوں نے کئی بار بادشاہ کا مزاج بیرم خاں کی طرف سے منحرف کر کر دیا اور اس عہد میں اُسے بہت ایسے دلخراش اور جانگزا جھگڑے پیش آئے کہ کوئی شخص کیسا ہی مستقل مزاج اور ثابت قدم ہوتا اُسکے قدم ضرور ڈگمگا جاتے اور وہ ان زہر کے بجھے ہوئے تیروں کی ہرگز تاب نہ لاسکتا لیکن یہ بیرم خاں ہی کا جامہ تھا کہ وہ ان ناگوار اور شاق حملوں کو نہایت استقلال کے ساتھ جھیلتا اور دشمنوں کے وار کو روکتا رہا اور اس حالت میں بھی اپنے ولی نعمت کی خدمت میں ویسا ہی جان نثار ثابت ہوا جیسا کہ پہلے تھا جس زمانہ میں قلعہ گوالیار کی مہم در پیش تھی اور باوجود جلال الدین اکبر کی انتہائی کوشش کے بھی اُسکے فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی بیرم خاں نے بادشاہ کے رفع ملال کی غرض سے اس مہم کے سر کرنے کا خود ذمہ کر لیا اور عرض کیا کہ ولی نعمت قلعہ گوالیار کی تسخیر میرے سپرد کریں میں بغیر اسکے کہ خزانہ شاہی میں کسیطرح کی کمی واقع ہو اور فوج میں نقصان حاصل ہو بفضلہ تعالیٰ تن تنہا فتح کر لونگا بادشاہ بہت خوش ہوا اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا۔ بیرم خاں صرف اپنے رسالہ کو ساتھ لیکر گوالیار پہنچا اور اپنی بے مثل شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بہت تھوڑے عرصہ

میں قلعہ گوالیار فتح ہوگیا اور اُس کے اونچے اونچے گنبدوں پر اکبری جھنڈے ہوا میں اُڑنے لگے۔ بیرم خاں قلعہ گوالیار کی مہم سے فارغ ہوا تو اب اُس نے اُن شرقی شہروں کی طرف عنان توجہ موڑی جو افاغنہ کی نوجنگشی اور فساد سے پامال ہو رہے تھے اور اکبری دربار کے امرا میں سے کوئی اُس طرف پیش قدمی نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ اس وقت بیرم خاں کی فوج افغانوں کے مقابلہ میں جو مور و ملخ کی طرح تمام مشرقی حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور سلطنت سور کے دعوے ارث میں جمع ہوکر ہر طرف تاخت و تاراج کر رہے تھے بہت تھوڑی تھی مگر بیرم خاں نے اس امر کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی اور نہایت آزادی کے ساتھ آگے بڑھا چلا گیا۔ افغانوں کو خبر ہوئی تو وہ سب فراہم ہوکر بیرم خاں کے مقابلہ میں آئے اور دونوں طرف سے لشکر صف آرا ہوئے۔ بیرم خاں نے پہلے ہی حملہ میں دشمنوں کو پسپا کر دیا اور چند نامی سرداروں کو جو اس بغاوت کے باقی و سرغنہ تھے تہ تیغ کیا۔ آخرکار فوج مخالف بھاگی اور بیرم خاں دریائے گنگا کے کنارے تک مخالفوں کی گرد کو آب شمشیر سے دھوکر پاک و صاف کر دیا اور یہ تمام شہر جلال الدین اکبر کی قلمرو میں داخل ہوگئے وہاں سے لوٹتے ہوئے بیرم خاں میوات کی جانب متوجہ ہوا اور سرکشوں کا قلع قمع کرتا ہوا نواح دہلی اور آگرہ میں آپہنچا۔ بادشاہ نے اُس کی خطابخشی کا اقرار کیا اور از سرنو وزارت کا معزز و ممتاز عہدہ عنایت فرمایا ♦

لیکن معاندین و حاسدین ہمیشہ بیرم خاں کی تاک میں لگے ہوئے تھے اور شب و روز اُس کے اعتبار و دولت کے مٹانے اور عزت و آبرو کے کھونے میں مصروف و مشغول تھے۔ ہر روز ایک نیا شگوفہ کھلاتے اور ہر ہفتہ اور ہر مہینہ میں تازہ تمہیدیں کرتے تھے مگر اُسے بیرم خاں کی خوش قسمتی کہنا چاہیئے کہ اُس پر اُن کا کوئی داؤں چلتا نہ تھا اور برسوں کی بنائی ہوئی عمارتیں آناً فاناً میں گر پڑتی تھیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب مخالفوں نے دیکھا کہ ہماری کوئی کوشش نیک نہیں لگتی تو باہم مشورہ کرکے جلال الدین اکبر سے تخلیہ میں عرض کیا کہ بیرم خاں روزانہ شاہ ایران سے خط و کتابت کرتا اور یہاں کے تمام پوست کندہ حالات لکھکر بھیجتا ہے شاہ ایران اُس کے معاوضہ میں اُسے گرانبہا تحفے اور بے انتہا زر و نقد اہل قافلہ اور تاجروں کی معرفت نذر کرتا ہے بادشاہ اس شکایت پر بھی

چند دن توجہ نہ کی اور بیرم خاں سے کچھ جواب طلب نہیں کیا یہانتک کہ اُن لوگوں نے ماہم انگہ اور ادھم خاں کوکہ اور احمد خاں کو اپنا ہمدم و ہمراز کر لیا اور سب ملکر شاہ غوث کی خدمت میں حاضر ہوئے جو بادشاہ پر ہر طرح سے حاوی ہو گیا تھا اور بیرم خاں بھی اسی کا ساختہ کہلایا جاتا تھا۔ شاہ غوث اصل میں نہایت نیک مزاج اور عالی حوصلہ شخص تھا اور جسے بیرم خاں کے عادات واطوار پر کبھی شبہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مگر نہیں معلوم کہ مخالفوں نے کیا افسون پڑھا کہ آخرکار اُن کی بیہودہ اور محض بے سر و پا باتوں کا جادو اُس پر چل گیا اور وہ بھی اُن کا شریک و معاون ہو گیا۔

۹۶۶ھ ہجری میں جلال الدین اکبر بادشاہ سیر و شکار کی غرض سے سکندر آباد کی جانب روانہ ہوا اور اُن دنوں بادشاہ کا عام قاعدہ تھا کہ جب چند روز کے لئے سیر و شکار کے واسطے جایا کرتا تو امور ملکی و مالی کا انتظام کے لیئے بیرم خاں کو اپنی جگہ مقرر کر جاتا۔ اسی قاعدہ کے موافق اس مرتبہ بھی بادشاہ بیرم خاں کو اپنا قائم مقام کرکے آگرہ میں چھوڑ گیا اور شکار کھیلتا ہوا اور بجائے جمنا کے کنارے پھر وہاں سے سکندر آباد میں پہنچا۔ اس اثنا میں ماہم انگہ اور ادھم خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کی والدہ محترمہ کا مزاج نہایت ہی ناساز ہے اگر حضور بطریق عیادت دہلی ہوتے چلیں تو بہت مناسب معلوم ہوتا ہے بادشاہ یہ سنکر ستوجہ دہلی ہوا شہاب الدین جو ماہم انگہ کا داماد تھا ان دنوں دہلی کا حاکم تھا اور جلال الدین اکبر بادشاہ کی طرف سے یہاں کے لوگوں پر حکومت کرتا تھا اُس نے جب سنا کہ بادشاہ دہلی میں آتا ہے تو استقبال کے لیئے شہر سے باہر نکلا اور شرف قدمبوسی حاصل کرنے کے بعد قاعدہ کے مطابق ایثار نیاز بجا لایا اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا کر کانپتی اور تھراتی زبان میں عرض کیا کہ اگر بیرم خاں کو یہ معلوم ہوا کہ حضور ہماری التماس سے دہلی میں رونق افروز ہوئے تو بس ہماری جان ہی جاتی رہیگی اور فوراً ہمیں مروا دے گا نہیں تو ہمارے ننگ و ناموس کو خراب کریگا لہٰذا التماس ہے کہ حضور ہمیں مکہ معظمہ جانے کی اجازت دیں تاکہ ہم باقی عمر امن و امان اور عزت و آبرو کے ساتھ وہاں بسر کریں اور اپنی جانیں اور ننگ و ناموس کو بیرم خاں کے ہاتھ سے بچالیں ان خانہ برانداز اور جوش دلانیوالی باتوں نے اگرچہ بادشاہ کا مزاج بیرم خاں کی طرف سے فی الجملہ منحرف کر دیا تھا

اور اُسے بہت کچھ طیش و غضب دلایا مگر پھر اُس نے نہایت تحمل اور لطف سے فرمایا کہ خان بابا کو لکھ دینا چاہیئے کہ ہم قلعہ دہلی میں والدہ محترمہ کی عیادت کی غرض سے اپنے ارادہ اور اختیار سے آئے ہیں تم اس بات کا ہرگز خیال نہ کرنا کہ ہم کسی کے بلائے ہوئے آئے ہیں بادشاہ کی زبان سے نکلتے ہی یہ سارا مضمون فوراً قلمبند کیا گیا اور سیو نعت قاصد کے ہاتھ بیرم خاں کے پاس بھیجا گیا بادشاہ قلعہ دہلی میں پہنچا تو شہاب الدین خاں نے جو اس بات کا بیڑا اٹھا چکا تھا کہ میں بادشاہ کا مزاج بیرم خاں کی طرف سے منحرف کر دونگا خلوت میں بہت ایسی غیر وقوعی اور بے سر و پا باتیں بادشاہ کے گوش گذار کیں جن سے بیرم خاں کا دامن بالکل بے لوث اور پاک تھا اور ساتھ ہی ادہم خاں و احمد خاں نے چند بے بنیاد اور جھوٹے واقعات بیرم خاں کی نسبت بیان کئے۔ اور اتنی بہت سی شہادتیں گذاریں کہ بادشاہ کو بجز تسلیم کرنے کے اور کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہیں پڑا۔ اب بادشاہ کا دل بیرم خاں کی طرف سے بالکل منحرف ہو گیا اور اُس کی تمام پہلی خدمتیں اور وفاداریاں ایک ایک کرکے بادشاہ کے خیال سے نکل گئیں۔ یہ آغاز ہے بیرم خاں کی دولت و اقتدار کے مٹنے اور عزت و آبرو کی بنیادیں متزلزل ہونے کا۔ بادشاہ کا فرمان اُسکے پاس پہنچا تو وہ اُسے پڑھکر سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ مخالفوں کا منتر بادشاہ پر چل گیا اب اپنی خیر نظر نہیں آتی۔ سلیمہ سلطان بیگم جو بیرم خاں کی محرم راز تھی اور دشمنوں کے شک رفع کرنے میں انتہا سے زیادہ مدد کرتی تھی۔ بیرم خاں کی یہ حیرت انگیز کیفیت دیکھکر گھبرا گئی اور دریافت کرنے کے بعد اصل واقعہ پر مطلع ہوئی تو پہلے بیرم خاں کی تسلی کی پھر اُسے فرمان کا جواب لکھنے کا مشورہ دیا۔ بیرم خاں نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ جواب لکھا اور مغلظ قسمیں کھا کر معذرت کی کہ جو خیال حضور کے ذہن نشین کیا گیا ہے عاجز کے دل میں اُس کی ہوا تک نے راہ نہیں پائی یہ صرف میرے مخالفوں کے من گھڑت منصوبے ہیں جو عمدہ اور مقبول صورت میں حضور کے گوش گذار کئے گئے ہیں معذرت نامہ تیار ہوا تو بیرم خاں نے حاجی محمد خاں کو جو ایک لائق اور مدبر اور رکن سلطنت تھا بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور دو اور مخصوصوں کو جو معتمد علیہ تھے ساتھ کیا۔ حاجی محمد خاں سر پر قرآن مجید لئے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور قسم کھا کر عرض کیا کہ جو کچھ اس معذرت نامہ میں لکھا ہے فی الحقیقت بیرم خاں اسمیں بالکل سچا ہے مگر مخالفوں کے پھیلے ہوئے وا ... (text cut)

مزید ان تقریروں نے بادشاہ کی طبیعت کو ایسا منغض کر دیا تھا کہ اُس نے کسی کی بات سمع قبول سے نہیں سنی بلکہ حاجی احمد خاں اور اُس کے دونوں ہمراہیوں کو قید کر دیا۔ یہ خبر سارے میں منتشر ہو گئی اور بیرم خاں کی بدنامی ایسی طشت از بام ہوئی کہ ہر خاص و عام کے کانوں میں نہایت ناگواری کے ساتھ پہنچی اور دوست و دشمن کی زبان پر جستہ جستہ اس کا ذکر آنے لگا اب بیرم خاں کی کامرانی کا زمانہ دشمن کامی سے بدل گیا۔ اور شاہی توجہات و عنایات تنزل و پستی کی طرف رخ کیا۔ اُس کے تمام اقتدارات و عروج ایک ایک کر کے گھٹنے اور ذلت و پستی کی گھٹا ٹوپ اندھیری ہر طرف سے اُمنڈ آئی ۔

جلال الدین اکبر بادشاہ آگرہ پہنچا تو بیرم خاں معذرت کے لیئے حاضر ہوا۔ مگر اُس نے رخ دیکر کوئی بات نہیں کی اس پر بیرم خاں نے ولی نعمت کے رفع ملال کی غرض سے تسخیر مالوہ کی مہم پیش کی اور بغیر کسی کی رفاقت کے بادشاہ سے رخصت حاصل کر کے اس طرف فوج کشی کی اس مہم کے سر کرنے میں اگرچہ شاہی خزانہ بہت کچھ صرف ہوا لیکن بخت و اتفاق کی شومی اور بدفرجام دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے کسی طرح کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ معاندوں نے اس طرف کے زمینداروں کو بادشاہ کی زبانی خفیہ احکام لکھکر بیرم خاں سے برگشتہ اور بددل کر دیا اور ہر طرح بیرم خاں کے سد راہ ہوئے۔ جب مالوے کی تسخیر سے بیرم خاں کا دل اُچاٹ ہو گیا اور کوئی کام کرتے دھرتے بن نہیں آیا تب نیل مرام واپس ہوا۔ اور دوبارہ بخت آزمانے کے لیئے مہم بنگالہ کو اپنے ذمہ لیا۔ لیکن باوجود انتھک کوششوں اور سرگرمیوں کے نمایاں تردد وں کے تحریب و تعجب کے امراء سے ناموافقت کیوجہ سے پھر بھی کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ایک طرح کی اُلٹی بدنامی سر چپک گئی کہ جہاں جاتا ہے عمداً اور قصداً سرکاری کام کو درہم و برہم کر دیتا ہے اور جس کام میں پیشقدمی کرتا ہے اُس سے بہبودی نظر نہیں آتی۔ اب بیرم خاں اپنی بدقسمتی سے بالکل مجبور ہو گیا اور بدگوں کی زبان سے بچنے اور ننگ و ناموس کی حفاظت کے لیئے ارادہ بیت اللہ کو وسیلہ قرار دیکر بادشاہ سے رخصت کی التماس کی یہ التماس فوراً منظور ہوئی اور اسیوقت بادشاہ نے اپنے اتالیق میر عبداللطیف قزوینی کو بیرم خاں کی طرف روانہ کیا اور پیغام دیا کہ ابتدا میں بتقاضائے ایام سن اور ذوق سیر و شکار اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہم نے تمہیں اپنا قائم مقام کر دیا تھا اور رجوع مدار سلطنت تم پر چھوڑ دیا تھا لیکن اب منظور یہ ہے کہ خود بذات اتعلق و سلطنت کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں دوسرے جب

تم نے بیت اللہ کی زیارت کا عزم کرلیا ہے تو ادائے حج تم پر واجب ہوگیا مناسب ہے کہ علائق دنیا
سے کنارہ کشی کرکے روانہ بیت اللہ ہو جاؤ۔

بیرم خان نے بادشاہ کا یہ پیام پاتے ہی علم و نقارہ اور ہاتھی اور گھوڑے غرضکہ
تمام سامان تجمل اور اسباب امارت جو کچھ اوس کے پاس تہا سب حسین قلی کے ہاتھ جو اس
کا ایک بڑا معتمد اور وفادار خادم تہا بادشاہ کی خدمت میں روانہ کردیا۔ اور خود سامان سفر
بیت اللہ کے مہیا کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ چند روز مین سامان فراہم ہوگیا۔ اور بیرم خان
نے کوئی تاریخ مقرر کرکے کوچ کا اعلان دیدیا۔ ضرورت سے زیادہ جو اسباب تہا۔ اوس کو محمد اذربک
اور شیر محمد خان خواجہ کے حوالہ کیا۔ اور سلیمہ سلطان بیگم کو معہ دیگر پردہ نشینوں کے
روانہ بیت اللہ ہوا۔ مگر مخالفون نے اب بھی اوس کا پیچھا نہین چھوڑا۔ اور برابر اوس
کی ایذارسانی مین کوشش کرتے رہے چنانچہ جس منزل مین بیرم خان پہنچتا تہا وہان کے
زمیندار اور حکام سے جو بدانجام معاندون کے متوسل اور ہواخواہ تھے تصدیع و ہرج زیادہ
کہینچتا تہا۔ یہان تک کہ اسے اپنی جان اور ناموس و ننگ کی حفاظت سے بالکل ناامیدی
ہوگئی۔ کیونکہ یہ خبرین متواتر پہنچ رہی تہین - کہ مخالفون نے مدعیون کے اشارہ سے
اس کے ارادہ قتل پر مستعدی ظاہر کی ہے اس اثنا مین بیرم خان کے بہت سے خادم اس
کے علیحدہ ہوگئے اور عین موقعہ پر ترک رفاقت کرکے اپنے اپنے گھر واپس چلے آئے۔ یہ موقع بیرم خان
کے لئے نہایت اندیشناک اور پرخطر تہا اسے نہ تو یہی بن آتا تہا کہ حج بیت اللہ کا عزم
فسخ کرکے واپس چلے نہ یہی ممکن تہا کہ سیدہا منہ اوٹہائے مکہ معظمہ پہنچ جائے کیونکہ اسے
یقین تھا کہ دشمن میرے قتل کے پیچھے مین اور قلمرو ہند مین سے باہر قدم رکہنا مشکل اور بہت
مشکل ہے اتنے مین ملا پیر محمد اپنے ہمدمون کے لکہنے کی موجب بادشاہ کی خدمت مین پہونچا
اور از سر نو خطاب و اضافہ منصب سے معزز و ممتاز ہوکر برفاقت دیگر امرائے فتنہ
جو بیرم خان کی تنبیہ کے لئے روانہ ہوا۔ ادھر بیرم خان کو جب آگے چلنے کا رستہ نہین ملا
تو وہ اپنی بدقسمتی اور برگشتگی ایام سے پیدا ہوکر بایں ارادہ متوجہ پنجاب ہوا کہ قندھار کی راہ
سے مشہد مقدس پہونچتا ہوا اور مرقد امام رضا اور نجف اشرف کی زیارت کرتا ہوا بیت اللہ پہنچے
مگر جب اسے یقیناً معلوم ہوگیا کہ ملا پیر محمد میری گرفتاری کے لئے متعین ہوا ہے - تو ناچار
اپنی جان و آبرو کی محافظت کی غرض سے جو کچھ فی الوقت بن پڑا بندوبست کیا اور تہوڑے سے

جمعیت فراہم کرکے قندھار جانے کے لئے سامان جب اختیار کی ہ

پیر محمد خان سرہند کے قریب پہونچا تو اس نے بیرم خان کی اس حیثیت سے بادشاہ کو
لکھی کہ اس سے پہلے سے وہ گنہگار زیادہ ہے پیر بیرم خان کے خطرہ سے پیش گیا - اور وہ سوچنے لگا
کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے اور جب بیرم خان سے کچھ تدبیر نہ بن پڑی اور کچھ کرتے
دھرتے نہیں بن پڑا۔ تو بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا بیرم خان کا یہ عریضہ نہایت
دردناک اور پسندیدگی کے علاوہ مضمون نہایت اور نصیحت آمیز ہے اسلئے ہم ملکو بیرم خان
ہی کی زبان میں ادا کرتے ہیں وہ لکھتا ہے بندہ واجب آنکہ چون بموجب اظہار و آرزوئے
حاسدان حقوق خدمت دیرینہ سہ واسطہ آن بد ذاتان پامال تہمت کفر آن نعمت در خدمت
ولی نعمت گردیدہ و معاندان در خیال دانستن نمودن دا فتنی داد و بد اندیشی مخالفت بجان
کہ در ہمہ نیت جمعیت می خواہم بہ دور فانت چندے خود را ازین بلیہ نجات دہم و ہم
بدین نیت کہ باظہار اہل غرض اسباب بغی آمادہ میدانند در خدمت آن خداوند بحر نیتی نفس الامر
ارادہ بیت اللہ باعث آمدن کفر میدانم و برعائے ظاہرست کہ در خاندان با ترکمان نمک بہ
حرامی ظہور نیامدہ و لہذا ارادہ مشہد اختیار نمودہ ام کہ بعد طواف روضۂ امام رضا علیہ السلام
و عطیات نجف اشرف و کربلا خواندن فاتحہ در آن مکانہائے شریف بقائے عمر و سلطنت
ولی نعمت از سر نو احرام کعبۃ اللہ بندم التماس آنست اگر بندہ را در جرگہ نمک بحرامان واجب
القتل میدانند یکے از بندہائے بے نام و نشان را تعین فرمایند کہ سر بیرم را بریدہ سرستان
جلوہ دہان برائے تنبیہ و عبرت دیگر بدخواہان دولت بحضور بیارد۔ گر قبول افتد زہے عز و
شرف۔ والا سردارے فوج سوائے ملائے خارجی کہ تا نمک پروردہائے نمک بحرام و اخراجی
فدویست بدیگرے یکے از بندہائے درگاہ والا مقرر شدہ۔ جب یہ درد انگیز اور غمناک عریضہ
بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور وہ مضمون پر مطلع ہوا تو پڑھتے ہی دل پر سخت رقت طاری
ہوئی اور بیرم خان کی خدمات سابقہ اور کارہائے نمایان نے اس کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ
بیچین ہو گیا مگر بیرم خان کے حاسدوں اور مخالفوں نے اسمیں وہ نمک مرچ لگایا۔
کہ بادشاہ کو ذرا اوس کے حال زار پر متوجہ نہ ہونے دیا۔ انجام کار جلال الدین اکبر نے پیر
محمد خان کو حضور میں طلب کیا اور شمس الدین خان کو خان اعظم کا خطاب دے کر حاکم لاہور
مقرر کیا اور دونوں سرداروں کو لاہور روانہ ہونے کا حکم دے کر چلتے وقت خفیہ طور

سمجھ لیا کہ اگر بیرم خان میں نافرمانی اور بغاوت کا شعلہ بلند ہوا تو اس کی فتنہ انگیزی کی آگ
فوراً آب شمشیر سے بجھا دینے کی کوشش کی جائے۔

چونکہ بیرم خان کی برگشتگی طالع [illegible] کمال عروج پر پہنچ چکا تھا۔
اور نحوست و بد اقبالی کی گھنگھور گھٹا نے [illegible] چاروں طرف سے گھیر لیا
تھا۔ اس لئے اب اس کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اگر اپنے برادر حقیقی اور فرزند صلبی کی طرف
بھی متوجہ ہوتا تھا تو وہ بھی اس سے کنارہ کشی اور نہ صرف کنارہ کشی بلکہ اس کی تذلیل
و تفضیح میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا جس قدر اس کے ہمدم و محرم راز اور
قدیمی پروردہ تھے سب ایک ایک کرکے علیحدگی اختیار کر چکے تھے اور اب بجز چند اہل و
عیال و خدام کے کوئی اس کا مونس و غمخوار نہ تھا۔ اس وقت اس کی تنہائی اور بیکسی کا اندازہ
اور کافی اندازہ کچھ وہی شخص کر سکتا ہے جو تاریخوں کو غور بین نظروں سے دیکھتا
ہے۔

جس وقت بیرم خان ہندوستان سے بارادہ ہجرت بیت اللہ روانہ ہوا تھا تو اپنا
سارا اساز و سامان درویش محمد خواجہ اور شیر محمد خواجہ کے پاس اس غرض سے چھوڑ گیا
تھا کہ اگر کسی موقع پر ضرورت پڑیگی تو کام آئیگا۔ اور کسی حادثہ کے وقت تاراجیوں
کی دست برد اور تاراج سے محفوظ رہے گا۔ اس بے سر و سامانی اور مفلسی کے وقت
میں اسے اپنا وہ اسباب و سامان یاد آیا۔ اور چند محرمان خاص کو بعض ضروری اشیاء
کے مطالبہ کے لئے درویش محمد خواجہ اور شیر محمد خواجہ کے پاس روانہ کیا مگر ان غداروں
نے بیرم خان کے فرستادوں کو قید کر دیا اور امانت سے صاف انکار کر گئے۔ اور وہ ساز و
سامان جو بیرم خان نے نہایت جانکاہیوں اور سخت کاوشوں سے مدۃ العمر میں جمع کیا تھا
اور آڑے وقت کا سہارا جانتا تھا۔ ان عہد شکن اور بیوفاؤں نے ایسا تل پٹ کر دیا
کہ نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ اس کے سننے سے جو قلق اور صدمہ بیرم خان کے دل پر
گذرا اوس کی انتہا نہیں ایسے یاس اور ناکامی کے وقت اگر خود کشی کر لیتا یا کسی کنوین
کھائی میں گر کر مر جاتا تو عجب نہ تھا لیکن اوس نے پھر بھی اپنے آپ کو بہت سنبھالا اور
استقلال و ثابت قدمی کا دامن نہ چھوڑا اس ناامیدی اور یاس کے وقت جو کارنمایان
سلیمہ سلطان بیگم سے ثابت ہوئے وہ قابل نوٹ ہیں۔ اوس نے بھی ان تکلیفوں اور

سختیوں کی شکایت اپنے مصیبت زدہ شوہر سے نہیں کی جو اسے برگشتگی ایام اور بیرم خان
کی بدقسمتی کے زمانہ میں پیش آئیں بلکہ ہمیشہ اپنے مصیبت زدہ شوہر کی دلدہی اور تسلی میں
سرگرم رہی اور اسے جادۂ استقامت سے منحرف نہیں ہونے دیا۔ جس وقت بیرم خان
کو خبر ملی کہ درویش محمد خواجہ اور شیر محمد خواجہ میر اہتمام مال و اسباب ہضم کر گئے اور میرے
قاصدوں کو مجرم قرار دے کر قید میں ڈالدیا۔ تو اسے سخت صدمہ ہوا سلطان سلیمہ بیگم
نے فوراً اپنا تمام زر و نقد اور زیور بیرم خان کے قدموں پر ڈالدیا۔ اور انس و محبت سے
کہا میں کہ آپ خرچ کی تنگی سے ہرگز ہراسان نہ ہوں جس قدر چاہئے اسمیں سے صرف
کیجئے اور بے دغدغہ صرف کیجئے خدا مسبب الاسباب ہے۔ اس پر اعتماد کرنے اور اسی پر اپنی
حاجات کے برلانے کی التجا کرنی چاہئے آدمی پر صدا ایک سا زمانہ نہیں رہتا ہے۔ دنیا کی دولت
ڈھلتی پھرتی چھاؤن ہے۔ اس کے ہونیکی خوشی اور نہ ہونیکا رنج ہی کیا۔ بیرم خان نے
سلیمہ سلطان بیگم کی تسلی آمیز تقریر اس کی غمگساری کا شکریہ ادا کیا۔ اور جو زر و
نقد اور زیورات کا ڈھیر سلیمہ سلطان بیگم نے ایک جگہ لگا دیا تھا۔ سب واپس
کر دیا۔

آہ زمانہ کا انقلاب اور ایسا سخت ناگوار انقلاب کسی کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا
اس نے صدہا ممتاز اور با اقتدار لوگوں کی آبرو ریزی کر دی اور دیکھتے دیکھتے آناً فاناً میں کرسی
حکومت پر سے اتار کر خاک ذلت پر بٹھا دیا۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ بیرم خان کے اقتدارات
سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے اور بڑے بڑے مقتدر اور با وقعت لوگ
اسے آنکھوں بیٹھنے کے لئے جگہ دیتے تھے۔ ایک یہ زمانہ ہے کہ ادنے آدمی بھی اسے
اپنے پاس بٹھانے کا روادار نہیں۔ ایک وہ موقع تھا کہ اس کی شجاعت اور بے مثل
جرأت کے چاردانگ عالم میں ڈنکے بج رہے تھے اور بڑے بڑے شیردل اور جانباز
اس کے نام سے تھراتے تھے ایک یہ وقت ہے کہ کمینے اور کمتر ادنٰے ملازم اوس کے
اوپر حملے کر رہے ہیں اور وہ خاموش بیٹھا سہ رہا ہے جس وقت بیرم خان ہمایون
کا قاصد بن کر ایران گیا ہے تو کیا سارا ایران اوسے دیکھکر کانپ گیا۔ لیکن جب اوس
نے بنی اور ہمایون کی مہمانی کا ذکر کیا تو طہماسپ شاہ کے دم میں دم آیا۔ اور نہایت
شان و شوکت و جاہ و جلال سے بیرم خان کو مہمان رکھا یا اب یہ وقت ہے کہ تنگی کا ایک

گذرنیا اسے اپنے کہنہ اور ٹوٹے ہوئے جھونپڑے مین شب باشی کی اجازت نہین دیتا
ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ یہی بیرم خان جواب جنگلون اور صحرائون مین اپنی ننگ و ناموس کو
ساتھ لئے ہوئے مارا مارا پھر رہا ہے ہندوستان کے قدیم دارالخلافہ اور مستقر حکومت
آگرہ مین شاہی تخت پر جلوہ آرا نظر آتا تھا۔ اور تمام دربار ی امرا اوس کے سامنے مؤدب
کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ اکبر جیسا کہ متلون اور مغلوب الغضب بادشاہ اوسے بابا کے
معزز خطاب سے یاد کرتا تھا۔ اب یہ موقع ہے کہ اوس کے تمام ساختہ پرداختہ
لوگ اوس کے خون کے پیاسے اور خود بادشاہ جانی دشمن ہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ نہین
گذرا کہ جلال الدین اکبر نے صرف بیرم خان کی عزت افزائی کے لئے اپنی پھوپھی زاد
بہن سلیمہ سلطان بیگم کو کن امنگون اور آرزوؤن سے بیرم خان کے عقد نکاح مین دیا
تھا۔ اور اس کی تسلی اور دلجوئی مین کوئی دقیقہ اوٹھا نہین رکھتا تھا۔ لیکن اب وہ وقت
ہے کہ ان باتون کا خیال بادشاہ کو بھولے سے بھی کبھی نہین گذرتا۔

الغرض شمس الدین خان خان اعظم کا معزز خطاب حاصل کر کے نہایت مستعدی
اور سرگرمی کے ساتھ لاہور پہونچا یہ شخص اگرچہ فی نفسہ بیرم خان کا دشمن نہ تھا۔ اور
دل سے چاہتا تھا کہ بیرم خان پنجاب سے نکل کر کسی اور طرف کو نکل جائے تاکہ مین اوس
کے سامنے نہ پڑون اور اس بدنامی کے ٹوکرے کو اپنے سر نہ لون۔ لیکن مجبوراً اوسے
بیرم خان کو زبان شمشیر سے جواب دینا پڑا۔

بیرم خان کو پہلے ہی سے معلوم ہو گیا تھا کہ میرے عریضہ پر بادشاہ نے بالکل توجہ
نہین کی اور میرے حال زار پر اوسے ذرا رحم نہین آیا بلکہ الٹا شمس الدین خان کو میرے قتل یا
میری گرفتاری کے لئے روانہ کیا ہے اس لئے اس نے اپنے ساتھیون سے صاف کہدیا کہ تم لوگ
اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو مجھسے علیحدگی اختیار کرو ورنہ شاہی فوجین مجھے اور میرے ساتھ تمہین سب
کو تہ تیغ کر دینگی مجھے اپنے قتل کا کچھ خوف نہین نہ وہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ تم لوگ بلا وجہ میرے
ساتھ قتل کئے جاؤ گے۔ بیرم خان کے ہمراہیون نے نہایت استقلال و جرأت سے کہا کہ جب
تک جسمون مین جان باقی ہے ہاتھ پاؤن مین قوت موجود ہے ہم آپ کا ساتھ نہین چھوڑ سکتے
اور اب عنقریب وہ زمانہ آتا ہے جو آپ ہم مین وہ باتین دیکھین گے۔ جو شریف ملازمون اور
وفادار غلامون مین دیکھی جاسکتی ہین ۰

اب شمس الدین خان بہت قریب پونچگیا تھا - اور ایک قاصد کی زبانی بیرمخان کو پیام دیا
کہ یا تو تم گرفتار ہوکر خود میرے دربار مین چلے آؤ ورنہ شمشیر و نیزون کی تیز نوکون سے لیے
اپنے سینون اور جگرون کو صاف کرلو - یہ پیام پاتے ہی بیرم خان اپنی بدقسمتی اور نگون
بختی پر رو دیا اور نہایت دردناک لہجہ مین ذیل کے شعر پڑھے

بشکر خدا چونکہ او فتادہ — ہمہ عالمش پائے بر سر نہادہ
چون بیداد اقبالی دستش گرفت — ستائش کنان دست بر سر نہفتہ

زان بعد قاصد کو جواب دیا کہ خود گرفتار ہوکر آنا نامردون کا شیوہ ہے - اگر تجہہ مین مردے
اور جوش و قوت ہے تو گرفتار کرکے لیجا - شمس الدین خان یہ سنکر آگ بگولا ہوگیا - اور فوراً فوج
کو بڑہنے کا حکم دیا قصبہ تنحوارہ مین دونون فوجین صف آرا ہوئین - اور تھوڑی
دیر مین میدان جنگ گرم ہوگیا - اگرچہ بیرم خان کے پاس اتنی جمعیت اور جنگ کا سامان
نہ تہا - علاوہ ازین کچھہ لوگ اس وقت بیوفائی کرگئے تھے - اور چند افسر جن پر بیرم خان
کو پورا بہروسہ تہا کہ علم کہلے مخالف کے لشکر مین جا ملے تھے - مگر پھر بھی بیرم خان نے اپنی
فطری شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ خان اعظم کو میدان جنگ چہوڑ کر بھاگنے کے سوا اور
کچھہ کرتے بن نہ آیا شمس الدین خان شکست کھا کر بھاگا تو بیرم خان کے ہمراہیون نے فوج
کا تعاقب کرنا چاہا مگر بیرم خان نے انہین روکدیا - اور کہا فوج ولی نعمت پر حملہ آور
ہونا اور ان کا تعاقب کرنا بہتر نہین ہے -

اب بیرم خان نے پنجاب کو خدا حافظ کہا اور اپنے ہمراہیون سمیت کوہ سوالک کی
طرف روانہ ہوگیا - جلال الدین اکبر نے اعظم خان کی شکست اور بیرم خان کے کوہ سوالک
کی جانب بڑہنے کی خبر سنی تو غصہ مین بھڑک اٹھا اور بعض درباری امرا کی تحریک و مشورہ
سے خود متوجہ لاہور ہوا اسی اثنا مین منعم خان کابل سے واپس آیا - اور خان خانان کے
معزز خطاب اور مناصب علیہ سے سرفرازی پاکر بیرم خان کی تنبیہ کی غرض سے
لکہی کے جنگلون کیطرف روانہ ہوا - کوہستان مین داخل ہوا تہا کہ وہان کے زمیندار بیرمخان
کی مدد پر کہڑے ہوگئے اور شاہی فوج ہراول سے جنگ شروع کردی بیرم خان نے جب
دیکہا کہ دونون صورتون مین بجز اطاعت ولی نعمت کچھ چارہ نہین اور مخالفت اور بغاوت
مین مردود دہر و جہان ہونے کا بدنما دہبہ صاف پیشانی پر لگتا ہے زمیندارون کو اس

بعزم فاسد سے منع کیا اور شاہی افسرون سے خواستگار امان ہوکر اپنے دونون ہاتھ دستار ندامت سے گردن مین باندہکر خدمت بادشاہ مین روانہ ہوا۔ لاہور پہنچ کر حضور شاہی مین حاضر ہوا۔ اور عرق انفعالی کے قدمون پر سر ڈالکر وہ آلود آنسو زار زار مین رونے لگا۔ اور اس درد انگیز لہجہ مین رویا کہ بادشاہ کو سخت رقت طاری ہوئی اور اسنے نہایت لطف و مہربانی کے ہاتھ دست مبارک سے بیرم خان کا سر اوٹہایا اور دست شفقت سے پشت پر پہیر کر خلعت فاخرہ عنایت فرمایا اور در دبار زبان سے ارشاد ہوا کہ بیرم تمہارے حقوق خدمت بوردگی ہم پر بہت سے ہین اگر تم پہر نوکری کرنا چاہتے ہو تو مین کالپی اور چندیری کی صوبداری پر تمہین مقرر کردون اور شدہ شدہ تمہارے قدیمی تمام مناصب تمہاری طرف رجوع کرین اور اگر ملازمت سے تمہارا دل اچاٹ ہوگیا ہو تو میرے پاس بیٹھے رہو مین ہرحال مین تمہارا نگران رہونگا اور حتی الامکان غمخواری کرونگا اور بیت اللہ کا ارادہ ہے تو تمہین عزت و آبرو سے روانہ کردون۔ بیرم خان نے قولی آداب ظاہر کرکے عرض کیا کہ حضور مین خدا کے شکر سے کسی طرح عہدہ برا نہین ہوسکتا کہ اسنے میری آرزون کی حد اور انتہا ہوتی ہے وہ یہ ہے حضرت فردوس مکانی کی بندگی اور جنت آشیانی کی غلامی اور آپکی رکاب سعادت مین حاصل ہوئی اور خاطر خواہ حاصل ہوئی اسوقت میری دلی تمنا یہ ہے کہ سعادت قدمبوسی حاصل کرنے اور عفو جرائم کا پروانہ لینے کے بعد کعبۃ اللہ کی اجازت حاصل کرون الحمدللہ کہ میری یہ آخری آرزو بھی بوجہ احسن پوری ہوئی۔ اور اس خوبی و عمدگی سے پوری ہوئی کہ مین اس کا شکریہ کسی زبان سے ادا نہین کرسکتا۔ اور وہ الفاظ کہین ڈہونڈے نہین پاتا جن سے ادائے شکر ہوسکے۔ بیت

زانجا کہ لطف شامل خلق کریم تست ۔۔۔ جرم نکردہ عفو کن و ماجرا مپرس

یہان تک پہونچکر بیرم خان خاموش ہوگیا۔ اور نامعلوم اس کے دل مین کیا خیال آیا کہ زار و قطار رونے لگا ادہر جلال الدین اکبر نے بیرم خان کو خود روتے دیکھا تو خود اس کی بھی آنکھین پر نم ہوگئین اور بیرم خان سے بغلگیر ہوا اور کہا بیرم خان اب تو اطمینان رکھو اور جو خواہش رکھتا ہے بیان کر۔ بیرم خان نے عرض کیا کہ کمترین کی التجا یہ ہے کہ حضور محض اپنے بےانتہا فضل و کرم سے اس عاجز کے روسیاہ نامہ کے صحیفہ اعمال پر قلم عفو کہینچدین اور بیت اللہ جانیکی اجازت مرحمت فرمائین۔ اور ساتھ ہی پچاس ہزار

روپیہ دیگر لوازمات سفر عنایت فرماوین بادشاہ نے بیرم خان کی اس التجا کو جامہ قبولیت پہنایا اور پنجاب کے بندوبست اور بعض مفسدون کی تنبیہ سے فارغ ہوکر متوجہ آگرہ ہوا*

الغرض بیرم خان ۹۶۸ھ ہجری مین معہ اہل وعیال اور چند رفیقون کے متوجہ بیت اللہ ہوا۔ اور نہایت سازوسامان اور تزک و احتشام کے ساتھ متوجہ ہوا۔ منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا جب نیدر کھمبایت مین پہنچا جو احمد آباد کی انتہائی سرحد مین واقع تھا تو یہان چند روز اسے قیام کرنے کا اتفاق ہوا ایک افغانی مبارک خان نام جس کا باپ جنگ ہیمو مین بیرم خان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا مدت سے تاک مین لگا ہوا تھا اور موقع کا منتظر تھا اس سفر مین بیرم خان کے چند معاونون کی رفاقت وامداد سے یہان پونچا۔ اور یہ بہانہ کرکے کہ مین بھی حج بیت اللہ کو جاتا ہون بیرم خان کے قافلہ مین شریک ہوکر فرصت کے موقع کا منتظر رہا۔ ایک دن کا ذکر کہ غافل بیرم خان خیمے سے نکل کر تفریح کیلئے تھوڑی دور چلا گیا مبارک خان جو ایسے موقعہ کا منتظر تھا فوراً اس کے سر پر پونچا اور ایک ہی زخم مین بیرم خان کا کام تمام کردیا یہ دیکھکر دوسرے افغان جو مبارک خان کے مددگار رہتے تھے گھات کی جگہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور خیمہ خرگاہ مین جس قدر سامان تھا سب لوٹ گھسوٹ کرکے گئے۔

بیرم خان کی گردن مین ایسا زخم کاری لگا تھا کہ زمین پر گرنے کے بعد اس سے اوٹھا نہین گیا اور اس کے ہمراہیون کو اسوقت خبر ہوئی جبکہ روح اس کے جسم سے پرواز کرچکی تھی اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری تھا اور یہ الفاظ رک رک کر نکل رہے تھے کہ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اپنے ولی نعمت کی راہ مین اور سفر بیت اللہ مین شہادت کے درجے کو پہنچا اسوقت غمزدہ سلیمہ سلطان بیگم کو جو قلق واضطراب تھا اس کا کچھہ وہی اندازہ کرسکتا ہے جس کی نظر سے کبھی اس طرح کا کوئی غمناک سین گذرا ہو وہ بیگم آنکھون سے آنسوؤن کی ندیان بہا رہی تھی اور اپنے شوہر کی مردہ لاش کو زانو پر رکھے ہوئے اوس کی صورت کو تک رہی تھی۔ سارے جنگل مین شور محشر برپا تھا اور ہر شخص غریب لدیا بیرم خان پرخون کے آنسو رو رہا تھا۔ آخر کار لوگون نے تجہیز وتکفین کا سامان مہیا کیا اور ایک خوشنما منظر مین بیرم خان کی نعش کو دفن کردیا بیرم خان کے قتل ہونیکا کسی شاعر نے تاریخی مادہ یہ کہا ہے شہید شد محمد بیرام*

تجہیز و تدفین سے فارغ ہونے کے بعد سلیمہ سلطان بیگم اور مرزا عبدالرحیم بیرم خان کا فرزند جو اس وقت چار سالہ تھا۔ اور دیگر متعلقین احمد آباد میں واپس چلے آئے اور پھر حاکم احمد آباد کی مدد و رہنمائی سے جلال الدین اکبر کے حضور میں پہونچے بادشاہ نے بیرم خان کے پس ماندہ لوگون کی حد سے زیادہ تسلی و دلجوئی کی اور جب سلیمہ سلطان بیگم کی عدت پوری ہوگئی۔ تو اوسے خود اپنے نکاح میں لیلیا۔

اکبر کو یوں بیرمخان کے قتل کئے جانیکا بہت دنون تک افسوس رہا اور اس نے اسکے مخالفون کو نہایت ذلت وخواری کے ساتھ بری طرح قتل کرایا۔ مبارک خان جس کی تلوار مظلوم بیرم خان کے خون سے رنگی ہوئی تھی۔ بہت دنون تک شاہی خوف سے پہاڑون اور جنگلوں میں چھپا رہا۔ اور نہایت بدحالی اور ضیق کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا۔ انجام کار گرفتار ہوکر آیا۔ اور کتے کی موت مارا گیا۔ اسی طرح بیرم خان کے تمام دشمن بہت تھوڑے زمانے میں اپنے اعمال کی مکافات کو پہونچے اور ہر ایک نے اپنے کرتوت بد کی دنیا ہی میں سزا پائی ٭

سلیمہ بانو بیگم

یہ عصمت مآب اور پاکدامن خاتون سلیمان شکوہ کی چہیتی بیٹی اور دارا شکوہ ابن ابوالمظفر شہاب الدین شاہجہاں کی عزیز پوتی تھی جو بڑے ہونے پر خوبروئی و ملاحت میں بے نظیر اور عقل و دانش میں شہرۂ آفاق ثابت ہوئی۔ اس کے پیدا ہونے پر دارا شکوہ نے جو بجائے خود مستقل بادشاہ نہیں تو عارضی طور پر ضرور بادشاہ تھا۔ اور ایک بڑے اور نہایت سرسبز و شاداب ملک پر حکمرانی کرتا تھا۔ غیر معمولی خوشی منائی اور اس نعمت کے شکریہ میں محتاجون اور مسافرون کو ایک عرصہ تک سوال کی ذلت سے مستغنی کردیا۔ اور درباریون کی گودیان انعام واکرام سے لبریز کردین۔ شاہی محلات میں چند روز تک ایک نہایت عظیم الشان خانانہ جلوس قایم رہا۔ اور داد و دہش کے دروازے کھولدیئے گئے۔ سلیمہ بانو بیگم کی بچپن کی حرکتین ایسی دلکش اور دلفریب تھیں۔ کہ محل کی ہر ایک بیگم کی وہ بالکل ایسی ہی ہر دلعزیز اور پیاری تھی جیسی حقیقی مان کی۔ محل کی کوئی بیگم ایسی نہ تھی جو اس کی پیاری اور بھولی صورت کی عاشق نہ تھی۔ سلیمان شکوہ اور اوس کی پیاری بیگم کو سلیمہ بانو سے جو محبت تھی

اس کا اندازہ بہت مشکل ہے۔ اور یہ چنداں تعجب خیز بھی نہیں کیونکہ والدین کو بالخصوص اپنی ہونہار اولاد سے فطری محبت ہوتی ہے اور گویا اون کے اس خمیر میں اولاد کی محبت ملا دکھی ہے۔ تعجب تو یہ ہے۔ کہ جو شخص اُسے ایک نگاہ دیکھ لیتا تھا۔ خود بخود محبت کرنے لگتا تھا۔ دارا شکوہ کو سلیمہ بانو سے اس درجہ محبت تھی۔ کہ وہ کسی حال میں اوس سے ایک منٹ کی بھی مفارقت گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سفر و حضر میں اکثر اوقات سلیمہ بانو اپنے دادا کے ساتھ رہتی تھی؟

سلیمہ بانو چونکہ والدین کی اور نہ صرف والدین کی بلکہ محلسرا کے تمام بیگمات کی پیاری اور دادا کی سخت لاڈلی تھی۔ اس لئے کسی قدر تند خو اور تیز مزاج تھی۔ اور تند خوئی و تیز مزاجی کے ساتھ ضدن اور ہٹیلی بھی تھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس کی ضد اور ہٹیلے پن میں بھی ایک خاص طرح کی ایسی ادا اور دلفریبی پائی جاتی تھی کہ سلیمان شکوہ اس پر سو جان سے قربان ہوتا تھا۔ اور کسی موقعہ پر اوس کی دلشکنی جائز نہیں رکھتا تھا مگر افسوس ہے کہ سلیمہ بانو کی یہ تمام خوشیاں اور ناز برداریاں چندروزہ تھیں ابھی اوس نے اپنی عمر کے پانچ یا چھ مرحلے طے کئے تھے۔ کہ اسکے سر پر سے مہربان اور ناز بردار باپ کا سایہ عاطفت اوٹھ گیا۔ اور اس کے چند ہی روز بعد فلک کجرفتار نے عنرزدہ سلیمہ بانو پر یہ اور ستم توڑا کہ سلیمان شکوہ جو اپنی عزیز جیتی بیٹی کا دل سے گرویدہ تھا۔ اور اس پر ایک ایک ادا پر جان قربان کرتا تھا۔ بقول بعض مورخین علین۔ حد کہ جنگ میں مارا گیا۔ سلیمان شکوہ کی ایسی بے وقت مرگ نے سلیمہ بانو کی تمام خوشیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور وہ زندگی بھر باپ کی مفارقت میں ایسی ملول و رنجیدہ رہی کہ اسے دنیا کی کوئی نعمت کوئی خوشی بھلی ہی نہ لگی جس زمانہ میں دارا شکوہ اور عالمگیر کی فوجیں پنجاب کے وسیع میدانوں میں صف آرا تھیں۔ اور سلطنت کے دونوں حریف نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ ایک دوسرے پر فتحیاب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ سلیمان شکوہ اپنے باپ دارا شکوہ کی فوج کا جنرل تھا۔ اور میدان جنگ میں اپنی بے مثل شجاعت کے جوہر دکھا رہا تھا؟

الغرض سلیمہ بانو بیگم والدین کے انتقال کے بعد تقدس مآب گوہر آرا بیگم کے دامن حمایت میں آگئی۔ عالمگیر نے اس ہونہار اور تیز ذہن لڑکی کی تربیت و پرورش میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور تسلی و دلجوئی میں انتہا سے زیادہ سعی کی۔ مگر

سلیمہ بانو بیگم اپنے شفیق و مہربان ماں اور ناز بردار باپ کی مفارقت کی ٹھرکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ گھلتی اور گھلتی جاتی تھی۔ اور اوس کی آنکھوں میں دنیا کی عام نعمتیں اور خوشیاں زہر یلا کانٹا بنکر ہر وقت کھٹکتی تھیں اوسے رات دن رونے سے کام تھا۔ اور اکثر اوقات تنہائی میں بیٹھکر باپ کی انتہا سے زیادہ ناز برداری اور شفقت و مہربانی کی مثالیں یاد کرکے اون کا نوحہ پڑھا کرتی تھی۔ عالمگیر نے جب اوس کی کیفیت دیکھی تو اپنے پاس بلایا اور نہایت شفقت و مہربانی سے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا سلیمہ تم اتنی مغموم کیوں رہتی ہو۔ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ تم راتیں رونے میں اور دن نوحہ کرنے میں گذارتی ہو بیٹا دنیا میں کس کے ماں باپ ہمیشہ زندہ رہے ہیں۔ جو تمہارے رہتے۔ تم روزمرہ دیکھتی ہو۔ کہ اکثر لوگوں کو اس قسم کے واقعات ناملائم پیش آتے ہیں تو کیا وہ اسی طرح روتے روتے اپنی جانیں کھودیا کرتے ہیں سلیمہ! تمہاری عقل کہاں گئی ہے۔ تم جیسی دانشمند اور ہوشیار سے ایسی باتیں سرزد ہونا سرتا سر تعجب اور حیرت کا مقام ہے۔ بیٹا اب تم مجھے اپنے باپ کی جگہہ اور گوہر آرا بیگم کو والدہ کی قائم مقام سمجھو اور یقین کرو کہ مجھے تم سے نہ صرف اب بلکہ مرنے دم تک وہی محبت اور تعلق و اتحاد رہے گا۔ جو ایک نہایت شفیق و مہربان اور ناز بردار باپ کو اپنی لائق اور ہونہار اولاد سے ہوتا ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اور انشاء اللہ میں اپنے اس وعدہ میں سچا ثابت ہوں گا۔ جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے۔ تمہیں کسی طرح کبھی زحمت و تکلیف نہیں ہوپہنچنے دونگا ✤

سلیمہ بانو بیگم نے عالمگیر کی اس تقریر کو جو سراسر دلسوزی اور محبت سے پر تھی سنا اور نہایت غور اور متانت و خاموشی کے ساتھ سنا۔ ادھر بادشاہ کی تقریر کا سلسلہ ختم ہوا ادھر سلیمہ بانو بیگم نے مودبانہ لہجے میں عرض کیا کہ میں حضور کی عنایتوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور سچ یہ ہے کہ حضور کے احسانات ہم لوگوں پر اس قدر ہیں جن کے بار سے ہم سر نہیں اوٹھا سکتے خاصکر میں تو آپ کی ان عنایتوں اور انتہا سے زیادہ مہربانیوں کے شکر سے کبھی عہدہ برآ ہو نہیں سکتی جو ابتدائے زمانہ سے لیکر اس وقت تک آپ نے مجھپر مبذول فرمائی ہیں خداوند سے ہر دم التجا ہے کہ وہ آپ جیسے کریم و شفیق اور فخر خاندان و قوم اور بزرگ کا سایہ عاطفت ہم بے دست

دیا اور درماندہ و عاجز لوگوں کے سروں پر ابدالآباد تک دایم و قایم رکھے۔ یہ کہکر سلیمہ
بانو بیگم نہایت ادب کے ساتھ گردن جھکائے عالم گیر کے سامنے بیٹھ گئی نہ معلوم اسوقت
عالمگیر کے دل پر کون سی بات نے ایسا گہرا اثر ڈالا اور اوس کی آنکھوں کے تلے کونسا مہیب
اور عظمت کا سماں پھر گیا۔ کہ دفعتاً سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگا۔ دل پر سخت رقت
طاری ہوئی۔ اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے پہلے تو تھوڑی دیر تک وہ ایک سکتہ
کے عالم میں اپنے تئیں ضبط کئے بیٹھا رہا۔ لیکن جب کسی طرح دلی جوش کو دبا نہ سکا تو زار
و قطار روتا ہوا اوٹھا اور باہر چلا گیا۔
سلیمہ بانو بیگم جب عمر کے ابتدائی مرحلے طے کر کے سن رشد کی حد کو پہونچی۔ تو عالم
گیر نے اس کی شادی اپنے چھوٹے فرزند شاہزادہ محمد اکبر کے ساتھ کی۔ اور نہایت اہتمام
اور شان و شوکت کے ساتھ کی یہ مبارک تقریب دوسری ربیع الاول ۱۰۸۲ھ ہجری
کو وقوع میں آئی۔ شاہزادہ محمد اکبر کو عالمگیری گورنمنٹ سے چار لاکھ روپیہ نقد اور ایک
خلعت فاخرہ ایک مرصع کلغی ایک مروارید کی گرانبہا مالا ایک بیش قیمت موتیوں کا سہرا
دو عربی عراقی گھوڑے جو روپہلی سنہری ساز و یراق سے آراستہ تھے مرحمت ہوئے
دہلی کے قلعہ معلے کی موتی مسجد میں مجلس نکاح منعقد ہوئی۔ اور قاضی عبدالوہاب نے
جو قضاۃ کا معزز و ممتاز منصب رکھتا تھا۔ نکاح پڑھایا پانچ لاکھ روپے کا مہر مقرر ہوا
اور پچاس ہزار روپے کا منصب سلیمہ بانو بیگم کے نامزد کیا گیا۔ قاضی عبدالوہاب نکاح
پڑھا کر فارغ ہوئے تو اراکین دربار کی ایک معزز جماعت نے اس زور سے مبارک بادی
کا نعرہ مارا کہ ساری مسجد گونج اوٹھی۔ رات ہوئی تو شاہزادہ محمد اکبر نہایت تزک و
احتشام سے سوار ہوا۔ شاہزادہ محمد اعظم اور بخشی الملک اسد خان نوشہ کی دائیں طرف
اور امیر خان اور نامدار خان وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج بائیں جانب موجود تھے
باقی تمام امراء وزراء آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس رات کا سماں قابل
دید اور نہایت دلکش تھا۔ قلعہ معلے کے دہلی دروازہ سے لیکر نواب عالیہ گوہر آرا بیگم
کے محل تک دو رویہ نہایت خوشنما بانسوں کا ٹھاٹھر بندی ہوئی تھی۔ اور درختوں پر شجر
و کمخواب کے تھان لپٹے ہوئے تھے۔ آتشبازی اور روشنی کا وہ انتظام تھا جسے
دیکھکر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ الغرض اس شان و شوکت اور تزک و احتشام

کے ساتھ نوشہ کی سواری نواب گوہرآرا بیگم کے محل میں پہونچی اور مراسم سے فراغت پاکر سلیمہ بانو بیگم رخصت کی گئی ہ +

اس میں ذرا شک نہیں کہ سلیمہ بانو بیگم کی حالت موجودہ نہایت اطمینان بخش اور تسلی دہ تھی۔ اور اس کے لئے ہر طرح کے عیش و عشرت کے سازوسامان مہیا تھے۔ شاہزادہ محمد اکبر بھی اوس کا دل سے گرویدہ تھا۔ اور کسی امر میں اس کی رائے سے مخالفت کرنا جائز نہیں رکھتا تھا۔ مگر سلیمہ بانو جنم کی دکھیا تھی۔ فلک کجرفتار نے کبھی اوسے چین ہی سے بیٹھنے نہیں دیا۔ والدہ کے انتقال کا جگر خراش صدمہ ابھی کم نہیں ہوا تھا۔ اور ناز بردار باپ کی مہربانیوں اور دلسوزیوں کا خیال دل سے نہیں گیا تھا۔ کہ ایک اور جانکاہ اور دلگداز صدمہ پیش آیا۔ جس نے اسکی پیٹھ کو بالکل دوہرا ہی کردیا۔ اور وہ شاہزادہ محمد اکبر کی اپنے قدیم ولی نعمت والد بزرگوار سے بغاوت کا واقعہ تھا۔ اس میں سلیمہ بانو بیگم کو وہ مصیبتیں اور بلائیں پیش آئیں اور اوسکے نازک جسم پر اُن آفتوں کے پہاڑ ٹوٹے کہ بیان سے باہر ہے شاہزادہ محمد اکبر کی بغاوت کا واقعہ نہایت دردانگیز اور عبرت خیز ہے اسلیئے اوسکے حالات قلمبند کرتا ہوں +

شہزادہ محمد اکبر بارہوین ذالحجہ سنہ ۱۰۶۸ھجری کو بطن دلرس بانو بیگم سے پیدا ہوا۔ اور عالمگیر کی ظل تربیت میں نشو و نما پایا خواجہ منظور جوان دنوں طبقہ علماء میں امتیازی نظروں سے دیکھا جاتا تھا شاہزادہ کا اتالیق مقرر ہوا۔ جس نے نہایت دلسوزی اور امانت داری سے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ شہزادہ محمد اکبر ابتدا ہی سے نہایت ذہین اور دانشمند تھا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام درسیہ علوم پر عبور کر گیا۔ اور ابھی مشکل سے بارہ سال کا ہوا تھا۔ کہ عالمگیری فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا اگرچہ شاہزادہ کی سپہ سالاری ابھی باضابطہ نہ تھی۔ مگر تو بھی بادشاہ مزید عنایت و مہربانی سے ہفت ہزاری کا منصب اس کے نامزد تھا۔ اور تین ہزار سوار اور علم و نقارہ ہر وقت اس کے جلوس میں رہتا تھا۔ سنہ ۱۰۸۹ھجری میں جب عالمگیری فوج چودہ پور کا محاصرہ کئے ہوئے تھی اور لشکر اسلام فوج کفار کو پامال کر رہا تھا شہزادہ محمد اکبر جیسے ہاتھ میں اس فوج کی کمان تھی۔ اپنی بے نظیر شجاعت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ اس وقت راجہ رانا اور دیگر راجپوت افسروں نے تہور و جلالت چھوڑ کر مکر و تیز ویر سے کام لیا۔

اور بادشاہ زادہ محمد معظم کو جو جنرل افواج اسلام تھا پیام دیا کہ اگر آپ شہنشاہ عالمگیر سے ہمارے جرائم معاف کرا دیں تو ہم جودھپور اور اس کے تمام اطراف و اضلاع آپکے حوالہ کر دیں۔ بادشاہ زادہ محمد معظم نہایت دور اندیش اور تجربہ کار تھا اس نے ان کی اس بیہودہ درخواست کو جو سراپا مکر و تزویر پر مبنی تھی۔ رغبت کے کانوں سے نہیں سنی ادھر بادشاہ زادے کی والدہ نواب بائی نے مفسد راجپوتوں کی اس فتنہ انگیزی پر مطلع ہو کر اپنے فرزند کو نہایت موثر لفظوں میں نصیحت کی اور مانع ہوئی کہ ان بد نصیبوں کی کسی طرح کی امداد و اعانت اور بادشاہ کے حضور میں سفارش نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان لوگوں کے قول و فعل کا کچھ اعتبار نہیں افسران راجپوت بادشاہ زادہ محمد اعظم کی طرف سے مایوس ہوئے تو انہوں نے شہزادہ محمد اکبر کی طرف توجہ کی اور درگا داس جو تمام راجپوت میں چرب زبان اور بے دھڑک بولنے والا تھا چند افسران فوج کو ساتھ لیکر شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہ معلوم کیسا افسون پڑھا کہ شہزادہ ان کی مدد کرنے کو تیار ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ شہزادہ محمد اکبر ابھی محض ناتجربہ کار اور سیاہ و سپید سے ناواقف تھا۔ کچھ تو اپنی ناتجربہ کاری جو اس کے سن کو مقتضی تھی۔ اور کچھ گمراہان چند کی رہنمائی کی وجہ سے جادہ استقامت سے منحرف ہو گیا اور درگا داس کی شناوری اور مصنوعی تقریر کا جادو اس پر چل گیا۔ مکار درگا داس نے شہزادہ کو اپنی طرف مائل پایا تو اس سے متوقع کیا۔ کہ چالیس ہزار جرار راجپوت جو آپ کے قدموں میں جان دینے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ اس وقت آپ کی رفاقت کے لئے تیار ہیں اور جودھپور کا معمور خزانہ آپ کے واسطے موجود ہے۔ غرضکہ شہزادہ کو ایسا سبز باغ دکھایا۔ کہ وہ خزانے کی طمع اور ملک گیری کی ہوس میں اپنے ولی نعمت قدیم سے منحرف ہو کر بدکردار راجپوتوں کے دام افسون میں گرفتار ہو گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے باپ کی بغاوت و نافرمانی کا ناموزون تمغہ اپنے لئے پسند کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اگرچہ یہ شہزادہ کو زر کی طمع خام نے اس بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ لیکن اصل میں اس کے مربی اسکے وہ احباب و ہمنشین تھے۔ جو ہر وقت اس کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ رہتے تھے گویا ان ہی ناعاقبت اندیشوں نے ناسمجھ اور سادہ لوح شہزادہ کو اس بدنامی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا۔ ؎ ؎

شاہزادہ محمد اکبر اگرچہ کچھ بھی عقل رکھتا تو ان بد باطن ناعاقبت اندیش دوستوں کی چکنی چپڑی اور طمع کار باتوں میں آکر وہ روز سیاہ نہ دیکھتا جو اُسے آخرکار دیکھنا پڑا کسی نے اچھا کہا ہے ؎

با بد منشین و یا بش بیگانہ او	در دام رفتی اگر خوردانۂ او
تیر از رہ راستی کمال را کج دید	دیدی کہ چگونہ جست از خانۂ او

شہزادہ محمد اکبر نے گو ملک گیری کی ہوس میں چند خانہ برانداز اور سوختہ نصیبوں کے اغوا سے اپنے اوراق جمعیت کو عصیاں ورزی کے تیز و تند جھکڑ سے پریشان و ابتر کردیا۔ اور رمو ہوم و خیالی کامیابی کی دھن میں بغاوت و سرکشی کے تیرہ و تاریک گڑھے میں گر پڑا۔ مگر اسے یہ معلوم نہ تھا ؎

خرد گفت آنکس بود شہر یار	کہ باشد پسند یدۂ روزگار
نہ ہر خام دستی کہ مستی کند	نحالہ زدن تیز دستی کند

شدہ شدہ اس خبر کی شہرت عام لوگوں میں پھیل گئی۔ جب شاہزادہ محمد معظم کو جسے محمد اکبر سے ایک گونہ محبت اور تعلق خاص تھا۔ بُوئے شہرت پہونچی تو اس نے سختی اور تحکم کے طور پر نہیں بلکہ مخلصانہ اور دوستانہ چند نصیحت آمیز حکم شہزادہ محمد اکبر کو لکھے لیکن جب اسکا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا اور اس خبر نے اشاعت عام پھیلائی تو پھر شہزادہ محمد اعظم نے ایک عریضہ والد بزرگوار کی خدمت میں ارسال کیا جس کا مضمون یہ تھا :۔

عالیجاہا! ان اطراف میں ایک نہایت وحشت انگیز اور اندیشناک خبر زبان زد عام و خاص ہو رہی ہے خدا کرے کہ جھوٹی اور بے اصل محض ہو۔ لوگوں کی زبانوں پر جستہ جستہ یہ الفاظ مذکور ہو رہے ہیں کہ کفار ناہنجار نا تجربہ کار شہزادہ محمد اکبر کے اغوا میں اور اسے جادہ استقامت سے منحرف کرنے میں نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں میں یہ بھی چرچا ہو رہا ہے کہ شہزادہ محمد اکبر نے ملک گیری کی ہوس میں غدار راجپوتوں سے سازباز کرلی ہے۔ بہر صورت خدام والا کو مناسب ہے۔ کہ عہد شکن راجپوتوں کے مکر و غدر سے غافل نہ رہیں شہنشاہ عالمگیر کے پاس یہ عریضہ پہونچا تو پہلے تو وہ تھوڑے عرصہ تک دریائی فکر میں غوطہ زن رہا۔ اور اس خبر کی تہ میں پہونچنے کے لئے ہر طرف ذہن دوڑایا لیکن

جب اس کی سمجھ میں نہ آیا - تو ایک تو اس وجہ سے کہ وہ شہزادہ محمد اکبر پر وثوق کامل رکھتا تھا دوسرے بادشاہزادہ محمد معظم رو اپنے خیال میں اس کا مخالف اور حریف سمجھتا تھا اس لئے محمد معظم کے اس عریضہ پر جو سراسر حقانیت اور صداقت کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا بالکل التفات نہیں کیا - اور اس بے التفاتی کی ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ جب حسن ابدال میں راجپوتوں سے عالمگیری فوج صف آرا تھی - تو اوس وقت بھی شہزادہ محمد معظم نے اس خبر کو مشہور کیا تھا کہ محمد اکبر راجپوتوں سے ساز باز رکھتا ہے - چونکہ عند التحقیق یہ خبر غلط ثابت ہوئی تھی - اس لئے اس مرتبہ بھی بادشاہ نے اپنے ذہن میں اس خبر کو غلط سمجھا - اور بادشاہ زادہ محمد معظم کے جواب میں تحریر فرمایا " ہذا بہتان عظیم خدا تعالی تمہیں ہمیشہ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے اور بدخواہوں کی خلیبت اور سخن چینی کے سننے سے محفوظ رکھے "

لیکن جب یہ خبر طشت از بام ہوئی اور رفتہ رفتہ عالمگیر کے کانوں تک پہنچی کہ محمد اکبر راجپوں سے جا ملا اور تخت سلطنت پر بیٹھکر اپنے نام کا سکہ خطبہ جاری اور تہور خان کو ہفت ہزاری کے منصب اور امیر الامرا کے خطاب سے مفتخر کیا اسی طرح مجاہد خان اور دیگر شاہی نوکروں کو جن میں بعض نے مجبوراً اور بعض نے مصلحتہً اوسکے حکم پر گردن تسلیم خم کردی تھی - عمدہ اور جلیل القدر عہدوں سے سرفرازی بخشی ہے اور اب وہ تیس ہزار جرار راجپوت اور بیس ہزار شاہی فوج کے ساتھ بادشاہ پر چڑہائی کرتا ہے اور عالمگیر جیسے متحمل اور باوقار بادشاہ کے قدموں تلے کی زمین نکل گئی اور وہ حیرت زدہ ہوکر ایک ایک کا منہ تکنے لگا - تمام لشکر اسلام میں تزلزل عام پھیل گیا اور ایک نہایت وحشت ناک ہنگامہ برپا ہوا - بادشاہ اور نیز افسران فوج کی تردد وحیرانی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں تمام افواج شاہی کفار کی تنبیہ کے لئے شہزادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں تعینات تھی اور بجز اسد خان اور بہرہمند خان کے جن کی ماتحتی میں زیادہ سے زیادہ دو ہزار فوجی سوار تھے کوئی نامی اور مشہور امیر موجود نہ تھا - اجمیر میں جہاں ان دنوں بادشاہ قیام پذیر تھا - اس وقت جسقدر فوج تھی ان کی تعداد آٹھ نو سو سے متجاوز نہ تھی ؎

الغرض عالمگیر ایک شبانہ روز اسی حیرت وفکر میں ڈوبا رہا اور اوس سے

کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑا۔ آخر کار آتے اس ہوش ربا سانحہ کے تدارک کو خدا کے حوالے کیا اور اس آفت ناگہانی کو رفع دفع کرنیکی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی۔ سب سے پہلے بادشاہ زادہ محمد معظم کو دستخط خاص سے فرمان لکھا کہ جہانتک جلد ہوسکے بلا توقف حضور میں پہونچو اور جسقدر فوج تمہارے ساتھ ہو سب کو اجمیر کی جانب روانہ کردو پھر بہرہ مند خاں کو حکم ہوا کہ لشکر کے گرداگرد مورچال بنائی جائے اور شہر کے دروازوں کی محافظت و استحکامی میں انتہا سے زیادہ کوشش کیجائے۔ ناظم احمد آباد محمد امین خاں اور دیگر صوبہ داروں کو فرمان لکھے گئے کہ اپنے اپنے حدود کی خبرداری اور حفاظت میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے جب یہ سب حکم احکام نافذ ہوچکے تو بادشاہ ذی الحجہ کی انتیس تاریخ کو شہر کی حفاظت اور کوچہ بندی کے انتظامات کو ملاحظہ کرنے کی غرض سے سوار ہوا اور تمام مورچالوں اور ناکہ بندیوں کو غور سے دیکھتا ہوا شہر پناہ کی طرف نکل گیا اور حسب موقع انتظام کی کمی بیشی کی بابت مہتمموں کو ہدایتیں کیں حمیدۃ الملک کی نسبت ارشاد ہوا کہ ہر روز ایک مرتبہ تمام مورچالوں اور ناکہ بندیوں کو معائنہ کرکے شب کو رپورٹ کیا کرے۔

بادشاہ زادہ محمد معظم شاہی فرمان کے پہونچتے ہی چلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا فوجی افسروں کو فوراً مسلح ہو جانیکا حکم دیا اور بہیر اور خدمہ محل کو اسی جگہ حافظ حقیقی کی پناہ میں چھوڑ کر والد بزرگوار کی خدمت میں متوجہ ہوا اور دس روزہ راہ کو دو تین دن میں طے کرکے اپنے دونوں فرزندوں شہزادہ محمد معظم اور شہزادہ محمد معزالدین کو ساتھ لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادہ محمد معظم کی ماتحتی میں چونکہ اسوقت دس ہزار جرار سوار تھے اور محمد اکبر کی فوج کا جہاں آشوب غلغلہ نہایت دہشتناکی کے ساتھ عام طور پر پھیلا ہوا تھا۔ جہاں دو آدمی ایک جگہ جمع ہوتے محمد اکبر کی چڑھائی کا ذکر کرتے اور کہتے کہ ستر ہزار مسلح سوار درگا داس کی سرکردگی میں صبح ہی شام آیا چاہتے ہیں۔ یہ خوفناک خبریں سن سنکر لشکر کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جسے اس ناگہانی آفت سے نجات پانیکی امید باقی رہی ہو علاوہ ازیں بعض ہوا خواہوں نے اس موقع پر بادشاہ کے یہ بھی گوش گذار کیا تھا کہ حضور احتیاط سے کام لیں اور شاہزادہ محمد معظم کو تنہا حضور میں آنیکی اجازت دیں لہذا بادشاہ نے بتقاضائے مزید احتیاط حکم فرمایا کہ توپوں کا رخ محمد معظم کے لشکر کی طرف کردیا جائے اور بادشاہزادہ کو حکم دیا جائے کہ لشکر کو شہر سے دو میل کے فاصلہ پر چھوڑ کر صرف دونوں شہزادوں محمد عظیم اور محمد معزالدین کو ہمراہ لے کر حضور شاہی میں حاضر ہو۔ بادشاہزادہ محمد معظم نے یہ پیام پاتے ہی والد محترم کی اطاعت پر گردن تسلیم خم کردی اور ہاتھوں کو رومال باندھ کے تنہا پدر عالی مقام کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوا

شاہزادہ محمد معظم کے اسطرح حاضر ہونیکی خبر بادشاہ کو پہونچی تو حکم ہوا کہ مابدولت نماز ظہر سے فارغ ہوکر فرزند ارجمند سے ملاقات کریں گے اتنے انہیں دیوانے کے خیمہ میں ٹھیرایا جائے۔ الغرض کچھ رات گئے بادشاہ محل سے برآمد ہوکر خیمہ دیوانے میں رونق افروز ہوئے اور شاہ عالم بہادر نے شرف قدمبوسی حاصل کی۔

چونکہ بادشاہ کو ابھی تک شاہزادہ محمد اکبر کے لشکر کی کوئی تحقیق اور یقینی خبر نہیں پہنچی تھی اس لئے قلیج خاں بہادر کے فرزند ارجمند شہاب الدین خاں کو جسکی پیشانی میں شجاعت کے جوہر نمایاں تھے اور جرات و بہادری اسکے چہرے سے ظاہر تھی حکم ہوا کہ شاہزادہ محمد اکبر کے لشکر کی خبر لائے اور تحقیق کرے کہ لشکر کی تعداد کس قدر ہے اور جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں اُن میں کتنے اُسکے موافق ہیں اور کس قدر مخالف کتنے آدمی مجبوراً اُسکے حکم کے مطیع ہیں اور کتنوں نے دل سے اُسکی اطاعت پر گردن جھکا رکھی ہے۔ شہاب الدین خاں جیسے معرکہ حلاوت کا سچا اور رپورا شہسوار کہنا چاہیے بادشاہ کا یہ حکم پاتے ہی پانسو سواروں کا دستہ ساتھ لیکر روانہ ہوا۔ مجاہد خاں جو شہاب الدین کا حقیقی بھائی تھا اور جسنے بتقاضائے وقت و مصلحت شہزادہ محمد اکبر کی رفاقت اختیار کرلی تھی اور اب وہاں سے نکلنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا شہاب الدین خاں کے پہونچنے کی خبر سُنکر شاہزادہ محمد اکبر کی خدمت میں حاضر ہوکر ملتمس ہوا کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے بھائی سے ملوں اور ملکر اسے حضور کی خدمت میں لا حاضر کروں اجازت پانے کے بعد جس قدر نقد و جنس اُٹھا سکا ساتھ لیا اور باقی وہیں چھوڑکر بھائی کے پاس پہونچا دونوں متفق ہوکر شہنشاہ عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں مختلف خبروں کے انتشار نے بادشاہ کی طبع مبارک میں بہت کچھ تکدر پیدا کردیا تھا ان دونوں کے حاضر ہونے کی خبر سُنکر عالمگیر بہت خوش ہوا اور آخر کدورت بالکل مٹ گئی۔ محمد مراد کو حکم ہوا کہ شہاب الدین کو خان بہادر کے خطاب سے سرفرازی بخشی جائے اور مجاہد خاں سے شہزادہ محمد اکبر کے خیالات کا اندازہ اور اُسکے لشکر کی تعداد اور مخالف و موافق کی تفصیل دریافت کیجائے۔

اتنے میں خبر پہونچی کہ مجاہد خان کے لشکر محمد اکبر سے جدا ہوتے ہی غنیم کی ساری فوج میں عام بددلی اور تشویش پھیل گئی اور راجپوتوں کے علاوہ جسقدر شاہی فوج محمد اکبر کے ساتھ ہے سب اِس سے بگڑ بیٹھی یہ سُنکر خواجہ مکارم جو شاہزادہ محمد معظم کا نہایت معتمد سپہ سالار تھا فوج کا ایک دستہ لیکر شہزادہ محمد اکبر کی فوج ہراول کے مقابلہ کو بڑھا دونوں میں دو دو ہاتھ اچھے ہوئے اور انجام کار خواجہ مکارم کے ایک کاری اور گہرا زخم لگا چونکہ شاہزادہ محمد اکبر کی فوج کے مقابلہ میں یہ لوگ کچھ بھی نہ تھے اسلئے

دس پانچ کو کشتہ اور بعض کو زخمی کرکے خرابہ مکارہ [illegible] تہور خاں جو شاہزادہ محمد اکبر
کی فوج ہراول کا سردار تھا بہت سے لوگوں کو ساتھ لیکر فوج سے جدا ہو گیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر
ہونے کے ارادے سے متوجہ لشکر شاہی ہوا جب لشکر کے قریب آگیا تو حکم ہوا ہتھیار کھولکر حاضر
خدمت ہو مگر تہور خاں نے اس حالت سے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا اپنی بے وقعتی اور کسر
شان سمجھی اور ہتھیار کھولنے میں تعلل اور بہانہ کیا۔ اسپر بادشاہزادہ محمد معظم نے اس برگشتہ بخت کو
اشارہ کیا کہ فوراً یہاں سے نکل جائے۔ لیکن کسی نے بادشاہ کے کان تک پہونچا دیا کہ تہور خاں شاہزادہ
محمد اکبر کا بھیجا ہوا یہاں آتا ہے اور کسی مصلحت اور غرض سے آیا ہے۔ اسکا خیال ہے کہ عین دربار میں
اپنی تہوری اور بے باکی کا اظہار کرے بادشاہ یہ سنکر آگ بگولہ ہو گیا اور انتہائے غیظ میں برہنہ شمشیر
ہاتھ میں لیکر کہا کہ اسے ہتھیاروں سمیت آنے دو۔ اس اثنا میں کسی خادم نے تہور خاں کے سینہ پر ہاتھ
مارا اور کہا کہ تو تخت شاہی کا ادب نہیں کرتا۔ اور ہتھیاروں سمیت دربار میں جانا چاہتا ہے۔ اجل رسیدہ
تہور خان غصہ سے لال ہو گیا اور خادم کے چہرے پر طمانچہ مار کر پلٹا پلٹتے میں خیمہ کی رسی میں پاؤں
الجھا اور وہ اوندھے منھ زمین پر گر پڑا۔ اسکا زمین پر گرنا تھا کہ چاروں طرف سے لوگ چل پڑے اور
بات کرتے میں موذی کا کام تمام کر دیا۔

تہور خاں کے مقتول ہونے کی خبر نے اشاعت پائی تو شاہزادہ محمد اکبر کی فوج میں تزلزل تمام
پیدا ہو گیا اور تباہ کار راجپوتوں کے پاؤں ڈگمگا گئے بہت سے امرا اور راجہ ترک رفاقت کرکے حضور
شاہی میں حاضر ہوئے اور بہت سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شاہزادہ محمد اکبر جو اس دبدبہ اور شان و
شوکت اور بیشمار فوج کے ساتھ با اقتدار بادشاہ کے مقابلہ کے لئے آیا تھا جب اسنے دیکھا کہ راجپوت
بغیر لڑائی ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں تو اسپر بہت نفرین کی اور اپنی عقل و دانش پر سخت افسوس کیا ابھی
تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ درگا داس اور چند نفروں کے علاوہ جو رانا کے معتمد اور خاص تھے شاہزادہ
محمد اکبر کی رفاقت میں اور کوئی نہ تھا ہاں شاہی قدیمی فوج میں کے دو تین ہزار آدمی موجود تھے جو
ابھی تک شاہزادہ کے ساتھ تھے اس وقت شہزادہ محمد اکبر کا نشہ ہرن ہوا اور اسے معلوم ہوا کہ غدار
راجپوت اپنے قول و قرار کے کہاں تک سچے ہیں۔ جب تمام بے وفا راجپوت شہزادے کا ساتھ
چھوڑ کر بھاگ گئے تو وہ حیرت زدہ ہو کر ہر طرف خیال دوڑانے لگا اور جب کوئی تدبیر کرتے بن نہ
پڑی تو خود بھی راہ فرار اختیار کی کسی نے سچ کہا ہے

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ سادہ سکندری داند

شہر گلرخ تو کلہ کج نہاد و بند نشست　　　کلاہ داری و آئین سروری داند

محرم کی چھٹی تاریخ تھی - اور صبح کی پو پھٹے ہوئے تھوڑی دیر گزری تھی - کہ ہلکاروں کے ذریعے سے بادشاہ کو خبر پہونچی کہ شاہزادہ محمد اکبر جو دولتخانہ شاہی سے قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا آدھی رات کو اہل و عیال کو چھوڑ کر بھاگ گیا - ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ شاہزادہ محمد معظم معہ امرا دربار حاضر خدمت شاہی ہوا - اور آداب تہنیت فتح بجالایا - بادشاہ نے اول دو رکعت نماز شکریہ ادا کی پھر مصلے پر بیٹھے ہوئے یہ شعر بار بار پڑھتا رہا ؎

صبا از شرم نتواند بروئے گل نگہ کردن　　　کہ رخت غنچہ را در کرد و نتوانست تو کردن

اذان بعد زبان در بار پر جاری ہوا ذالک تقدیر العزیز العلیم -

اراکین دربار قاعدہ کے مطابق تسلیمات فتح سے سرفراز ہوئے اور پہر دن چڑھے تک مبارکبادی کے شادیانے بڑی دھوم دہام سے بجتے رہے - اسکے بعد محمد علی خاں کو حکم ہوا کہ شاہزادہ محمد اکبر کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جائے اور اسکے تمام اہل و عیال کو نہایت حفاظت و احتیاط کیساتھ محل سرائے شاہی میں با امن و امان داخل کیا جائے چنانچہ محمد علی خاں نے شہزادہ محمد اکبر کا سارا ساز و سامان اپنے قبضہ میں کر لیا اور نیکو سیر شاہزادہ محمد اکبر کے فرزند اور صفیۃ النساء رکیۃ النساء صاحبزادیاں سلیمہ بانو بیگم محل خاص اور متعلقان دیگر کو باحتیاط تمام محافوں میں بٹھا کر شاہی محل میں داخل کیا - بادشاہزادہ محمد معظم - شہزادہ محمد اکبر کے تعاقب میں اور شہاب الدین رجپوتوں کے تعاقب میں دونوں دو طرف ایک مشرق کو اور ایک مغرب کو روانہ ہوئے -

شہاب الدین خاں نے بہت سے راجپوتوں کو جہنم واصل کیا اور جو راستے میں ملا تیغ بیدریغ کا چارہ ہوا - مگر شہزادہ محمد اکبر چونکہ بہت دور جا چکا اسلئے بادشاہزادہ محمد معظم کو واپس آنا پڑا - اور نہایت مایوسی کے ساتھ واپس آنا پڑا - دوسرے روز ایک نہایت عظیم الشان جشن قرار پایا جس میں بادشاہزادہ محمد معظم کو پچاس ہزار اشرفیاں اور اسکے فرزند معز الدین کو دو لاکھ روپے عظیم الدین کو تین ہزار اشرفیاں حضور سے مرحمت ہوئیں اور محمد معظم کے امرا اور افسران فوج کو پچاس ہزار اشرفیاں تقسیم کی گئیں -

اس وقت سلیمہ بانو بیگم کی جو افسوسناک حالت تھی اسکا فوٹو کھینچنا مشکل ہے ایک سر صدتک وہ اپنے والدین کی رفاقت اور گھر کی حکومت چھوٹ جانے پر خون کے آنسو روتی رہی اب شوہر اور شوہر بانو روشنی شہر شجاع شوہر کے یوں آوارہ دشت غربت ہو جانے نے تو بس اسکے آفات و مصائب

کی حد ہی کردی جس وقت اُسے معلوم ہوا کہ شہزادہ محمد اکبر خفیہ طور پر شب کو کہیں نکل گیا تو اُسنے سخت ماتم کیا معصوم اور ننھے بچوں کو گلے لگا کر یہاں تک روئی کہ غشی طاری ہو گئی اور کامل چار گھنٹے تک حالت غشی میں مردے کی طرح پڑی سسکتی رہی اور سے ہوش اُس وقت آیا جبکہ محمد علی خاں کے حکم سے قفس میں ڈالکر شہنشاہ عالمگیر کے حضور میں روانہ کی گئی۔ قفس شاہی حرم سرا کی ڈیوڑھی پر لگائی گئی تو سلیمہ بانو بیگم کی عجیب کیفیت تھی کوئی شخص اُس میں اور مردے میں ذرا تمیز نہیں کر سکتا تھا بلکہ بعض بعض بیگمات کو وہم ہو گیا تھا کہ سلیمہ بانو بیگم نے شوہر کے فراق میں خودکشی کر لی ہے اور اُس کی مردہ لاش محل میں لائی گئی زکیتہ النسار اور صفیتہ النسا اور بخشتہ النسا زار و قطار رو رہی تھیں۔ غرض شاہی محل میں کہرام مچا ہوا تھا اور شاہی عشرت کدہ ماتم کدہ سے کم نظر نہیں آتا تھا۔

شہنشاہ عالمگیر کے کانوں میں اس شور و فغان اور آہ و نالہ کی آواز پہونچی تو وہ گھبرایا ہوا محل میں آیا اور بیگمات کی یہ مضطربانہ حرکتیں دیکھکر سب کو تسلی و دلاسا دیکر خاموش کیا سلیمہ بانو بیگم کے پلنگ کے پاس گیا تو اوسے بیہوش پایا ہوش میں لانے کی تدبیریں عمل میں لائی گئیں تو تھوڑے عرصہ میں سلیمہ بانو بیگم ہوش میں آ گئیں اور حضور شہنشاہ کو سرہانے کھڑا دیکھکر بدقت تمام سروقد کھڑی ہو کر آداب بجالائی بادشاہ نے اسکا ہاتھ پکڑ کر فوراً بٹھا دیا اور تسلی کے لہجہ میں کہا بیٹیا سلیمہ! تم بالکل رنج نکرو میرا قصوروار محمد اکبر ہے تم نہیں تم ویسی ہی میری عزیز اور چہیتی بیٹی ہو۔ جیسے پہلے تھیں۔ میں نے اس خیال سے تم کو فراموش کر دیا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ شہزادہ محمد اکبر تمہاری دلجوئی اور تسلی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھے گا اور غالباً اُس نے تمہیں کسی قسم کی تکلیف دانستہ دی بھی نہیں ہوگی۔ اور اگر اُس سے کوئی ایسی بات سرزد ہوئی ہے جو تمہاری طبیعت کو ناگوار اور گراں معلوم ہوئی ہو تو میں اُس کی تلافی کے لئے موجود ہوں۔

سلیمہ بانو بیگم سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اور کسی بات کا جواب نہیں دیسکتی تھی بادشاہ یہ کہکر کھڑا ہو گیا اور شاہزادہ محمد اکبر کے فرزندوں اور دختروں کو یکے بعد دیگرے پیار کیا سروں پر ہاتھ پھیرا۔ اور ہر ایک کی جداگانہ لفظوں میں تشفی کی۔

محرم کی چھٹی تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا اور اسی مہینے کی سولھویں کو بادشاہ نے عفت مرتبت اورنگ آبادی محل اور سلیمہ بانو بیگم کو دارالخلافہ کی جانب روانہ کیا اور بعد کو خود بھی رونق افزائے مستقر الحکومتہ ہوا۔

نواب زیب النساء بیگم پر صرف اس وجہ سے عتاب ہوا کہ وہ شہزادہ محمد اکبر سے ساز باز رکھتی تھی اور اس کے بہت سے وہ نوشتہ جات جو اس نے محمد اکبر کو لکھے تھے رستہ میں پکڑے گئے تھے اس جرم کی سزا میں چار لاکھ روپیہ جو عالمگیری گورنمنٹ سے زیب النساء بیگم کو ملا کرتا تھا بند کر دیا گیا اور سارا ساز و سامان اور نقد و جنس جو کچھ اسکی ملکیت میں تھا ضبط سرکار ہوا۔

جمیلہ خاتون نمبر

زوجہ محمد میرزا۔ اس بیگم کا نام رشید النساء عرف آرام جان بھی تھا یہ دہلی کے ایک شریف سید خاندان کی بیٹی تھی۔ فارسی شعر فی البدیہ کہتی تھی اس وقت کے عربی اور فارسی کے بڑے بڑے شعرا اس کو استاد سمجھتے تھے اور اس بات پر متفق تھے کہ رشید النساء شاعرہ پیدا ہوئی ہے۔ حمد اور نعت کے قصیدے اس درجہ کے علاوہ لاجواب ہیں محمد میرزا کی بیاہتا بیوی نادرہ جو شاہ ایران کی بیٹی تھی اور شیعہ تھی اس کی قابلیت اور اثر پر رشک کرنے لگی ہر چند کوشش کی کہ رشید النساء کو مہمان بلائے۔ مگر کامیاب نہ ہو سکی۔

ایک روز محمد میرزا سے درخواست کی اور وعدہ لے کر دعوت کا انتظام کیا جس وقت رشید النساء پہونچی ہے نادرہ بے حد محبت و خلق سے پیش آئی کھانے کے بعد نادرہ نے رشید النساء سے اپنا کلام سنانے کی درخواست کی جمیلہ نے منقبت کے چند اشعار پڑھے۔ مگر ان میں حضرت عمرؓ کی فتوحات پر زیادہ زور دیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ رشید النساء کا باوجود عالم ہونے کے نادرہ کے سامنے ایسے اشعار پڑھنا نامناسب تھا نادرہ نے اشعار کی دبی زبان سے تعریف کی رشید النساء کو ناگوار ہوا بات بڑھ گئی اور محمد میرزا نے بیچ بچاؤ کر کے صلح کرا دی۔

رشید النساء کے بچوں میں صرف ایک لڑکی زندہ رہی جو عباسہ کے نام سے مشہور ہوئی یہ بھی ماں کی طرح بہت اچھا شعر کہتی تھی جمیلہ خاتون باوجود شہزادی ہونے کے نہایت منکسر المزاج عورت تھی یہاں تک کہ لباس بھی ہمیشہ سادہ رکھتی تھی اور جو عورتیں شان و شوکت اور نمود کی گرویدہ تھیں انکو کبھی اچھی نظر سے نہ دیکھتی تھی۔

موتی بیگم

سب سے پہلے اکبر کی شادی اسی بیگم سے ہوئی۔ یہ بیگم نہایت خوبصورت اور ظریف الطبع تھی مگر موتی ہونے کی وجہ سے زیادہ بدمزاج تھی اس لئے اکبر کو بعض اوقات اس کی صحبت ناگوار گذرتی۔ گو تعلیم کی وجہ سے بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ مگر طرز گفتگو اور لہجہ نہ بدل سکا ۱۶۱۹ء میں انتقال کیا۔ اور لاہور میں دفن ہوئی۔

اشرف زمانی

اورنگ زیب کے لڑکے بہادر شاہ کی بیوی تھی ایک کابلی سردار کی بیٹی تھی قابلیت کا مادہ بچپن ہی سے طبیعت میں موجود تھا۔ باپ کا فیض صحبت اور تعلیم کا اثر سونے پر سہاگہ ہو گیا مشکل سے مشکل اشعار جس کے معنے بیان کرنے میں بڑے بڑے علما غور کرتے تھے فوراً سمجھ لیتی تھی خود بھی فارسی اشعار کہتی تھی۔ بہادر شاہ اس کی اور اس سے زیادہ اس کے علم و فضل کی عزت کرتا تھا۔ اسی تعلیم کی وجہ ہے کہ وہ فضول باتوں اور تصنع سے دور رہتی تھی۔

بادشاہ بیگم

یہ بیگم عالمگیر بادشاہ کی پیاری بیٹی اور محمد اعظم شاہ کی حقیقی بہن ہے جو دلرس بانو بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی۔ عالمگیر جو قدرتاً کلام آلہی کا شیدا اور مذہب کا سخت

پابند تھا اُسے اپنی اولاد کی تعلیم مذہبی ہر وقت مدنظر رہتی تھی اور اس کا قاعدہ تھا کہ بچہ کو سب سے پہلے کلام اللہ اور پھر مذہبی فرائض کی تعلیم دلواتا تھا اسی قاعدہ کے موافق اس نے بادشاہ بیگم کو بھی جبکہ وہ قریباً پانچ برس کی ہوئی تعلیم دلوانی شروع کی چونکہ یہ لڑکی شروع ہی سے نہایت طباع اور تیز ذہن تھی تھوڑے ہی عرصہ میں بہت کچھ لکھ پڑھ لیا۔ اور شائستگی و تہذیب میں طاق ہو گئی۔ عالمگیر اپنی اس کم سن لڑکی کی اس ذہانت پر نہایت متعجب اور خوش ہوا اور اُس کے اتالیق کو بہت کچھ انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

عالمگیر خود بہت بڑا فقیہہ اور پایہ شناس فن تھا اور چونکہ اسے اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا اس لئے اُس نے بادشاہ بیگم کی مافوق العادت اور ذہانت دیکھکر ایک بڑے زبردست بوڑھے فقیہہ کو اس کی تعلیم پر مامور کیا جس نے بڑی محنت و جانفشانی سے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ فقہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بادشاہ بیگم کو عربی پر پوری دستگاہ ہو گئی اور اب اُس نے دیگر علوم و فنوں کی طرف توجہ کی۔ خود اُستاد اور کبھی کبھی عالمگیر علمی مسائل کے متعلق مختلف سوالات امتحاناً پیش کیا کرتے اور اُن کے معقول و شافی جواب پانے پر بادشاہ بیگم کی وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت متعجب ہوتے اس زمانہ میں بادشاہ بیگم نے شعر کہنا بھی شروع کیا اور ازبسکہ طبیعت نہایت موزوں اور نظر بہت وسیع تھی سخت سے سخت زمین میں شعر برجستہ کہتی اور خوب کہتی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عالمگیر کسی مہم سے واپس آیا اور شعرائے دربار نے اُس فتح کی خوشی میں بہت سے قصائد و تہنیت نامے پیش کئے۔ بادشاہ بیگم نے بھی محل کی مستورات کی فرمائش سے ایک قطعہ بادشاہ کی خدمت میں لکھا۔

عالمگیر کو اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ بادشاہ بیگم نے شاعری شروع کی ہے قطعہ کو مکرر سہ کرر پڑھا اور نہایت غور سے پڑھا۔

ہر چند کہ اس کی طباعی اور ذہانت پر نہایت خوش ہوا مگر قطعہ کی پشت پر بطریق جواب یہ عبارت لکھی۔

برخوردار من! شاعری کے بے نتیجہ اور فضول فن میں مصروف رہنا تمہارا کام نہیں ہے۔ یہ فن اگر مایہ فخر ہو سکتا

ہے تو عام آدمیوں کے لئے ہو سکتا ہے مگر اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے باعث عزت نہیں ہو سکتا۔

اسوقت سے بادشاہ بیگم نے شاعری سے توبہ کی اور کبھی بھولکر بھی شعر و سخن کا نام نہیں لیا۔

جب وہ مذہب کے ضروری علوم سے فارغ ہوئی تو ریاضی اور علم ہیئت کی کتابیں دیکھنا شروع کیں۔ یہ علوم اگرچہ اسوقت نہایت ادق اور دشوار خیال کئے جاتے تھے۔ لیکن بادشاہ بیگم کی طبیعت میں ایسی بلا کی استقامت اور سنجیدگی تھی کہ اس علم کے سارے مشکل مسئلے اس کے سامنے پانی تھے الغرض وہ علوم رسمیہ کی تمام کتابوں پر ایک سرسری نظر ڈال گئی اور بجز قرآن و حدیث کے اور کسی علم میں اسنے اپنی دلچسپی کے سامان نہ دیکھے لہذا شب و روز ان ہی کتابوں میں مستغرق رہتی اور اپنی اوقات کا اکثر حصہ قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مطالعہ ہی میں صرف کیا کرتی۔

بادشاہ بیگم قرآن و حدیث کی نہ صرف عالم و ماہر تھی بلکہ عامل اور نہایت پابند بھی قرآن مجید کی تلاوت اسکا روزانہ کام تھا اور عبادت و زہد میں مصروف رہنا اسکا عام شیوہ تھا۔ یہی وہ خوبیاں تھیں جنہوں نے عالمگیر کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اور وہ اپنی تمام اولاد میں بادشاہ بیگم ہی کو نظر انتخاب سے دیکھتا تھا۔ بدر النسا بیگم کی والدہ نواب بائی کو ان باتوں سے نہایت رنج ہوتا تھا اور وہ طیش میں آکر عالمگیر کو طعنہ دیتی تھی کہ تم ورس بانوکی اولاد کو میری لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو دونوں میاں بیوی میں اکثر اس بات پر مباحثے ہوتے تھے اور چونکہ نواب بائی عام لیاقتوں میں بھی بادشاہ بیگم کو بدر النسا بیگم سے کم درجہ تسلیم کرتی تھی اسلئے عالمگیر اکثر موقعوں پر اپنی دونوں لڑکیوں کا امتحان لیتا تھا اور نتیجہ امتحان کے وقت نواب بائی کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی تھی۔

بادشاہ بیگم جس طرح ظاہری حسن و خوبی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی اسی طرح باطنی اخلاق و عادات میں بھی بے مثل تھی۔ علم۔ رائے۔ تدبیر۔ دانائی۔ عزم۔ بردباری۔ عالی حوصلگی فیاضی میں اس سے افضل تمام محلات میں کوئی عورت نہ تھی۔ عالمگیر جیسا زیرک اور مدبر بادشاہ ہمیشہ اسکے حزم و احتیاط اور خدا پرستی اور زہد و اتقا کی تعریف کیا کرتا تھا۔ پھر ان باتوں پر اگر اسکی بے تکلفی۔ سادہ مزاجی۔ عفو و انکسار کی صفتیں بڑھائی جائیں تو افضلیت کا دائرہ جسے مورخین نے خاندان مغلیہ کی بعض بیگمات تک محدود کیا ہے تمام بیگمات اسلام کو محیط ہو سکتا ہے اسکی سادہ روی پر شاہانہ شان و شوکت پر غالب ہی۔ مگر پھر بھی اسکی ایجاد پسند طبیعت نے زیب زینت کے بہت سے حلئیے جو ایسے جو نہایت ذوق اور مسرت سے حرم سرا کی تمام بیگمات نے قبول کئے اور فرقہ

عمائدین میں عام رواج پاگئے لیکن اُسنے تمام عمر اپنے حق میں مسرفانہ فیاضی اور بیجا شان و شوکت کے سامان و تجملات پسند نہیں کیئے بلکہ نہایت سادگی کیساتھ زندگی بسر کی اور یہی ایک بات تھی جسکی وجہ سے عالمگیر اسے اپنی تمام اولاد پر ترجیح دیتا اور نظر انتخاب سے دیکھتا تھا۔

عالمگیر اگرچہ بڑی عظمت و شان کا بادشاہ تھا اور ناموری کے دفتر میں عام مورخین نے اسکی عظمت و جبروت اور جاہ و جلال کی داستانیں لکھی ہیں مگر ہمارے نزدیک جو چیز اس کی تاریخی زندگی کو نہایت موثر اور مزین بنا دیتی ہے وہ اسکی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہے ایک ایسا شہنشاہ جو تخت حکومت پر جلوہ فرما ہو کر تمام ایشیائی دنیا کو اپنے زیر نگین اور محکوم و مطیع دیکھے کس قدر عجیب بات ہے کہ عام لوگوں سے ملنے جلنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکھنا بالکل ناپسند رکھتا ہو اور ہر شخص سے خواہ وہ کسی رتبہ اور کسی درجہ کا آدمی ہو نہایت بے تکلفانہ ملاقات کیلئے آمادہ رہتا ہو۔ اکثر علماء و فقراء اور اہل کمال راتوں کو اسکے مہمان ہوتے تھے اور اسکے بستر سے بستر لگا کر سوتے تھے۔ مگر اس سے کبھی اُسکو عار یا تکلیف نہ ہوتی تھی بلکہ انکے اس خلا ملا سے بڑے درجہ کا احسان مانتا تھا۔ اُسکا عام برتاؤ ہر شخص سے ایسا ہی ہوتا تھا جیسا کہ ایک سادہ خاص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے یہی کیفیت بالکل بادشاہ بیگم کی تھی اوسے شاہانہ شان و شوکت سے کبھی کوئی غرض نہ تھی اور ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی کو دوست رکھتی تھی۔ بارہا دیکھا جاتا تھا کہ وہ اپنے خادموں کا ہاتھ بٹانے کیلئے اوٹھ کھڑی ہوتی تھی اور گھر کے ضروری کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دینے میں سرگرمی دکھاتی تھی۔ بادشاہ بیگم اگرچہ مسرفانہ فیاضیوں اور فضول خرچیوں سے بالطبع نفرت تھی لیکن تاہم ہندی مورخوں نے اسکی فیاضی اور سخاوت اور دریا دلی کا بڑے فخر سے ذکر کیا ہے۔ ارباب کمال اور اہل فن کو ہزاروں لاکھوں روپے عطا کر دینا اُسکا ایک معمولی کام تھا۔ زاہد خاں مراد آبادی جو بادشاہ بیگم کا کوکا زادہ تھا بڑا امیر کبیر آدمی تھا۔ اور چونکہ وہ نیکدل اور متشرع اور زہد و اتقا کا سخت پابند تھا بادشاہ بیگم کی فیاضی سے مالا مال ہو گیا تھا ایکدفعہ عالمگیر کے کسی مہم سے واپس آنے کے وقت بادشاہ بیگم نے اسے پچاس ہزار روپے عطا کئے تھے فیض اللہ خاں ابتدا میں ایک نہایت صالح اور متقی اور محتاط شخص تھا اور عالمگیر جیسے قدر شناس اور علم دوست کے دربار میں بڑی وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آخر عمر میں مختل الحواس ہو گیا اور آزادانہ و بیخبرانہ جنگل و صحرا میں زندگی بسر کرنے لگا اوسے دنیاوی تعلقات سے اس درجہ نفرت ہو گئی کہ سارے جاہ و حشم اور مال و دولت سے کنارہ کش ہو کر گوشۂ عزلت میں جا بیٹھا

اور جنگل کے درندوں اور وحشی جانوروں اور طیور سواء وہو ام کے صحبت کے علاوہ اور کسی سے موافقت نہ کی - لوگ دور دراز شہروں اور جزیروں سے عجیب غریب جانور اسکے لئے لاتے تھے اور وہ اون سے بہت خوش ہو کر ہزاروں روپے انکی محنت اور سفر کے صلہ میں دیا کرتا تھا - چند روز تک اسکی یہی کیفیت رہی آخر کار اسے فیلپا ہوگیا اور اسی مرض شدید میں انتقال کر گیا - بادشاہ بیگم اور خود شہنشاہ عالمگیر کو اسکے انتقال کا بہت صدمہ ہوا اور شہزادی نے بہت سا روپیہ ایصال ثواب کی نیت سے فقراء و مساکین کو تقسیم کیا اور اسکے چند روز بعد اسکی قبر پر ایک نہایت خوبصورت و شاندار مقبرہ کئی ہزار روپیہ کی لاگت سے تعمیر کرا دیا -

بادشاہ بیگم کی فیاضی کی یہ ایک جزی مثال ہی جو اس مقام پر ذکر کی گئی ہی ورنہ اسکے اصلی و عملی کارنامہ اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے لبریز ہیں جنھیں ایشیائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں ان صفات کے متعلق جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا ہے خوش قسمتی سے وہ بادشاہ بیگم کے اصلی و عملی واقعات ہیں - تاریخ پر نظر کرنے سے اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں جنسے انکی سخاوت اور دریا دلی بہت کچھ ثابت ہوتی ہی آجکل کے انگریزی تعلیم یافتہ اون روایتوں کو تاریخ میں دیکھکر عموماً مبالغہ پر محمول کرنے یا محض غلط سمجھتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ ملکی اور فوجی مصارف سے بچکر اسقدر رقم کہاں سے آسکتا ہے کہ ان بے انتہا فیاضیوں کے لئے کافی و وافی ہو - لیکن ہمیں اپنے ان نوجوان نئے تعلیم یافتہ بھائیوں کی طرح جو ایشیائی روایات اور تاریخ کو عموماً بے وقعتی اور بے اعتباری کی نظر سے دیکھتے ہیں - کبھی واقعات سے انکار کرنا نہ چاہیے یہ ہماری ایک نہایت عظیم الشان اور سنگین غلطی ہی کہ ہم اپنی کوتاہ نظری اور کم حوصلگی سے موجودہ طرز سلطنت کو پچھلی ایشیائی و مشرقی حکومتوں کے اندازہ کرنیکا معیار قرار دیں اور آج کے مصارف و آمدنی کو گذشتہ تاجداروں کے جمع و خرچ کے اندازہ کرنیکا پیمانہ بنائیں انکی بڑی غلطی یہی ہے کہ پچھلی مشرقی سلطنتوں کے ملکی اور فوجی مصارف کو وہ موجودہ طرز حکومت پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ اسوقت نہ اتنے مختلف صیغے اور عہدے تھے نہ اتنی کثیر تنخواہیں اور وظیفے مقرر تھے - ملک کی آمدنی سے انکے خزانے معمور رہتے تھے اور خزانہ عامرہ کا بڑا حصہ ان سخاوتوں اور فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا جسکو ہم آج لغو اور فضول بتاتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ مشرقی تاجداروں میں بعض نہایت مسرف اور فضول خرچ بھی ہوئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان غیر معتدل اصرافات پر لاکھوں اور کروروں مسلمانوں میں سے ایک متنفس بھی نکتہ چینی کی جرات نہیں کر سکتا اس قسم کے بے قاعدہ مصارف اور غیر معتدل اصراف سے ہم یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ پچھلے زمانوں

تیں ملکی عہدے کم تھے اور جسقدر تھے اُنکی تنخواہیں بیش قرار نہ تھیں۔ شہروں اور ملکوں کے محاصل معقول اور معتدبہ تھے اور شاہی خزانہ ہمیشہ پُر اور لبریز رہتا تھا۔

الغرض بادشاہ بیگم بڑی قابل اور لائق بیگم تھی اُسکے تمام افعال و حرکات معتدل پیمانہ پر تھے اور اسکی کوئی بات معیار عقل شرع سے خارج اور متجاوز نہ تھی یہی وجہ تھی کہ شہنشاہ عالمگیر جوان اخلاق و عادات کا دل سے گرویدہ تھا بادشاہ بیگم کو اپنی تمام اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا اور اسکی خوشنودی اور دلجوئی ہمیشہ مدنظر رکھتا تھا۔ اسبات کا یہ ثبوت کہ بیگم اپنی تمام بہنوں اور بھائیوں میں باپ کو زیادہ پیاری اور عزیز تھی ذیل کی دو تمثیلی حکایتوں سے بخوبی ملتا ہے۔

شہنشاہ عالمگیر جب ۱۰۷۰ھ میں رجب کی وسطی تاریخوں میں مہم داراشکوہ سے فارغ ہوکر اجمیر کا دورہ کرتا ہوا دارالخلافہ دہلی میں واپس آیا تو اس نمایاں فتح کی خوشی میں ایک عظیم الشان جشن کے مرتب کرنے کا حکم صادر فرمایا مشرقی سلطنتوں کا عموماً یہ قاعدہ رہا ہے کہ ہر سال میں ایک دفعہ نہایت شان و شوکت کا سالانہ عام جشن ہوا کرتا تھا جسمیں ہوا خواہان سلطنت اور جان نثاران حکومت کو انکی خیرخواہی اور جان نثاری کے صلے میں بیشمار رقمیں عطا ہوتی تھی اس جشن کی تقریب جس شان و شوکت سے ادا ہوتی تھی وہ مشرقی سلطنتوں کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ ہوتا تھا۔ عالمگیر اگرچہ اس فضول شاہانہ شان و شوکت اور مسرفانہ فیاضیوں سے بالطبع متنفر تھا اور ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی میں زندگی بسر کرنا پسند کرتا تھا۔ مگر باینہمہ اسکی سادہ روی سے یہ خیال کرنا نہ چاہئے کہ ان جیسی تقریبوں میں اسکے شاہانہ جاہ و حشم اور مسرفانہ مصارف میں کچھ تنزل ہوتا تھا۔ بلکہ ایسے موقعوں پر وہ ایک دن میں تمام معمور خزانے خالی کر دیتا اور اراکین دولت، فوجی سپاہی اور عام رعایا کی گودیاں زر و سیم سے لبریز کر دیتا تھا۔

اس عام جشن کی تاریخ چوبیسویں رمضان المبارک مقرر ہوئی اور ایک مہینے پیشتر سے اسکی تیاری کا حکم دیا گیا۔ قلعہ دہلی کی تمام در و دیوار اور اطراف دولت خانے کے کل مکانات دیوان عام دیوان خاص وغیرہ کی پوری پوری آراستگی کی گئی۔ الغرض جب جشن کے تمام ساز و سامان مرتب ہوگئے اور امرائے دولت و افسران فوجی قاعدہ کے مطابق اپنی اپنی جگہ آبیٹھے تو سب کے بعد شہنشاہ عالمگیر رونق افزائے جشن ہوا۔ خاندان مغلیہ کے وارث تخت و تاج کے جلوس فرما ہوتے ہی ہر طرف سے مبارکبادی کی صدائیں اس زور سے اٹھیں کہ سارا مکان گونج اٹھا سب عہدہ داروں نے علے قدر مراتب بادشاہ کے آگے باری باری سے نذریں پیش کیں۔

ہمارے حضورِ ناظرین جنہوں نے شہنشاہ عالمگیر کو کبھی قرآن و تفسیر کا درس کرتے دیکھا ہے کبھی جہاں پناہ نے ارکان دولت کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ عہد سابق میں جو اشرفی اور روپے کے ایک طرف کلمۂ طیبہ مضروب ہوتا اور دوسری جانب خلفاء راشدین کے ناموں سے مزین ہوتی تھی اس رسم کو بالکلیہ بند کرنا چاہیئے کیونکہ اس قسم کے درم و دینار اکثر اوقات نامناسب مقامات پر پڑے رہتے ہیں اور بے دین لوگوں کے پاؤں سے مسلے جاتے ہیں اور اس سے کلمہ طیبہ کی جو توہین اور بے تعظیمی ہوتی ہے ظاہر ہے۔ پس اس تاریخ سے ان نقوش کو اس سکہ کے ساتھ بدلنا مناسب ہے ؎

سکہ زد در جہاں چو مہر منیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر

اور روپے کی پشت پر حکام دولت نے ذیل کی عبارت ڈھالی۔

اند سکہ اقبال شہ مہر نظیر سیم و درم ستارہ شد نقش پذیر ازبسکہ او غلغلہ در چرخ فتادہ گردید زر از

چونکہ تاریخ فتح میں شنبہ کا روز آپڑا تھا اسلئے ہر ہفتہ میں شنبہ روز جشن خاص منعقد ہوا اور اس میں امرائے دولت اور فوجی افسروں کو معقول مناصب اور بڑی بڑی رقمیں عنایت ہوئیں ارباب طرب اور اہل استحقاق کے علاوہ جو انعام بخشی فوج کے حق میں ظہور پذیر ہوئی اوس کا کوئی کافی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اس جشن خاص میں بادشاہ بیگم کو پانچ لاکھ روپیہ نقد عنایت ہوئے اور زیب النساء بیگم کو ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ مرحمت ہوا بادشاہ زادہ محمد اعظم کو دو لاکھ روپے ایک شمشیر مرصع ایک چاندی کے ساز و یراق سے آراستہ ہاتھی مرحمت ہوا۔ اور شہزادہ محمد سلطان کے نام جو شجاع کے تعاقب پر مامور تھا تین لاکھ روپیہ مع کچھ جواہر و ہاتھی کے نامزد ہوا اسی طرح شہزادہ محمد معظم کو دو لاکھ روپیہ عطا ہوا اور شہزادہ محمد اکبر کیلئے جو ان دنوں دکن میں موجود تھا ایک لاکھ روپے جدا کئے گئے

نواب قدسیہ پرہیز بانو بیگم

یہ جمیلہ اور عفت پناہ خاتون شاہجہاں کی اکبر اولاد اور اورنگ زیب عالمگیر کی بے مات بہن ہے جو قندھاری محل کے بطن سے پیدا ہوئی۔ قندھاری محل مرزا حسین صفوی کی عزیز دختر تھی جو حسین و خوبصورت ہونے کے علاوہ نہ صرف معمولی تعلیم یافتہ بلکہ اچھی خاصی متوسط درجہ کی عالمہ اور ماہر فن تھی تمام علوم و فنون میں تھوڑی دستگاہ رکھتی اور امور انتظامی سے بخوبی واقف تھی۔ یہ غالباً شاہجہاں کی پہلی ملکہ ہے جسنے شاہی حرم سرا میں قدم رکھتے ہی محلات کی یکلخت کایا پلٹ دی اپنی تعلیمی برکتیں نہایت شائستگی اور تہذیب کے ساتھ عام طور پر پھیلا دیں اور شاہی

حرم سرا کے گوشہ میں تعلیم و تعلم کا چرچا شروع ہوگیا پرہیز بانو بیگم اگرچہ دنیائے نسواں میں اپنی مال کی طرح شداسہ وقت نہ تھی۔ لیکن تاہم علم کی دلچسپی سے خالی بھی نہ تھی اس میں ذرا شک نہیں ہے کہ اسکی امیرانہ زندگی اور شاہانہ معاشرت نے اور سب سے بڑھکر بیگمات حرم سرائے شاہی کے آباؤ اجداد سے زیادہ ناز برداری نے اوسے علوم مروجہ کی صعب اور دشوار گذار گھاٹیوں کے طے کرنے میں تحصیل علم سے بہت پیچھے رکھا۔ مگر پھر بھی اسنے جو کچھ اس کشمکش میں حاصل کیا اور جتنا بھی سرمایۂ علم جمع کر لیا وہ اسکی فطری لیاقت کا نمونہ اور نہ صرف لیاقت کا نمونہ بلکہ ایک طرح کا معجزہ تھا۔ تفسیر و قرآن کے غامض و دقیق مطالب بیان کرنے میں اور ان استنباط مسائل کرنے میں عاجز نہ تھی۔ فقہیہ مضامین ایسی دلیری اور جرأت سے بیان کرتی تھی کہ مستند طالب علم بھی اسطرح بیان کرنیکی قدرت نہ رکھتا تھا۔ اس زمانہ میں اگرچہ فلسفہ اور ریاضی کا بہت زور شور تھا مگر اس نازک مزاج شہزادی نے انکی طرف بالکل توجہ نہیں کی کیونکہ وہ اپنے عزیز وقت کی قیمت کو ان جیسے بے سود اور غیر ضروری علوم میں مصروف کرنا بہت ہی ناپسند کرتی تھی۔

شاہجہاں بادشاہ نہ صرف اس وجہ سے کہ پرہیز بانو بیگم اسکی تمام اولاد سے عمر میں بڑی تھی اسکی بیحد عزت و توقیر کرتا تھا۔ بلکہ درحصل اس کے اتقا اسکی علمی قابلیت اسکی دور اندیشی اسکے خانگی انتظامی امور اسکی حوصلہ مندی اور عالی دماغی کی وجہ سے تمام اولاد سے زیادہ چاہتا تھا اور بات بات میں اسکی دلجوئی اور شگفتہ دلی مد نظر رکھتا تھا۔ شاہجہاں کے انتقال کے بعد اسکا وارث تخت و تاج اورنگ زیب عالمگیر اپنے تمام بہن بھائیوں میں پرہیز بانو بیگم ہی کو ہمیشہ واجب التعظیم سمجھتا رہا اور انتہا سے زیادہ دلجوئی میں مصروف رہا۔ جنگی و ملکی معاملات کے علاوہ کوئی خانگی قضیہ ایسا نہ ہوتا تھا جو پرہیز بانو بیگم کے بغیر مشورہ فیصلہ پا جاتا ہو بلکہ جس قدر تصفیہ طلب اور قابل شوری امور ہوتے تھے عالمگیر خود اپنی بے ماں بہن کے پاس جاکر اپنی اور اسکی رائے کے اتفاق سے انکو طے کرتا۔ اور جب کبھی دونوں کی رائوں میں اختلاف ہوتا تو عالمگیر اپنی رائے پر بہن کی رائے کو ترجیح دیتا۔ علاوہ ازیں کوئی شاہانہ جشن کوئی خوشی کی تقریب ایسی نہ ہوتی جسمیں عالمگیر اپنی فیاضانہ داد و دہش کے وقت اولاد کے ساتھ بہن کو شریک نہ کرتا ہو بلکہ اسکی مزید دلدہی اور رضا جوئی کے لیے انعام و اکرام کی فہرست میں اسکا نام سب سے اول لکھتا۔

چنانچہ سنہ جلوس عالمگیری کے ایک اس جشن خاص سے اسبات کا پورا پتہ چلتا ہے جس میں عالمگیر نے اس امر کا کامل ثبوت دیا کہ وہ اپنی علاتی بہن نواب پرہیز بانو بیگم کو اپنی تمام اولاد

پر ترجیح دیتا اور اسکی وقعت و توقیر کا انتہا سے زیادہ لحاظ رکھتا ہے ۱۰۸۱ھ ہجری کی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو جب عالمگیر عید الضحےٰ کی نماز اور قربانی سے فارغ ہوا تو قلعہ معلےٰ دہلی میں دربار عام کیا۔ آراکین دولت اور ہوا خواہان سلطنت معمولی طور پر عید کی مبارکباد دینے اور نذر گذراننے کے لئے شاہی دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے سب کے نذرانے قبول فرمائے اور امرائے دولت میں سے ہر شخص کو اسکی قدر و مرتبہ کے مطابق انعام و اکرام عطا کئے۔ جب درباریوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تو محلسرا کے شہزادوں اور بیگمات کا نمبر آیا۔ عالمگیر نے نواب قدسیہ پرہیز بانو بیگم کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور نہایت مہربانی سے اپنے دائیں پہلو میں جگہ دی اور مزاج پرسی کے بعد پانچ ہزار اشرفیاں عنایت فرمائیں۔ پرہیز بانو بیگم نے یہ رقم کثیر بڑی خوشدلی اور شکر گذاری کے ساتھ قبول فرمائی اور رخصت ہوتے وقت تمام اشرفیاں اپنے عزیز اور قدرشناس بھائی پر سے بچھاور کر کے فقرا کو تقسیم کر دیں۔

اس تمثیلی واقعہ سے پرہیز بانو بیگم کی حوصلہ مندی اور دریا دلی ایک وسیع اور بڑے پیمانہ پر ثابت ہوتی ہے۔ اسکی فیاضی اور سخاوت کی یہ ایک جزئی مثال ہے مستحقوں اور حاجتمندوں کو ہزاروں درہم و دینار عطا کر دینا دریا دل پرہیز بانو بیگم کا ایک معمولی کام تھا اور اہل حاجت کی گودیاں زر و نقد سے لبریز کر دینا اسکے نزدیک کوئی بات نہ تھی یہی وجہ ہے کہ ہندی مورخوں نے اسکے علمی و عملی کارناموں پر ریویو کرتے ہوئے سخاوت و دریا دلی کا ذکر بڑے فخر اور جوش سے کیا ہے

ثریا بانو بیگم یہ جمیل خاتون شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ کی عزیز دختر ہے جو بطن عزیز النسا بیگم عرف اکبرآبادی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی یہ لڑکی شروع ہی سے اس بلا کی طباع اور ذہین تھی کہ لوگ اسکی ذہانت اور طباعی کو دیکھکر حیران ہوتے تھے۔ ابتدا میں محل شاہی کی رسم کے مطابق اسے قرآن مجید پڑھایا گیا اور جب وہ اس سے فارغ ہوچکی تو دینی مسائل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جو خاص کر لڑکیوں کے سلسلہ تعلیم میں داخل تھیں سبقاً سبقاً یاد کرائی گئیں۔ ثریا بانو بیگم کی تاریخ زندگی میں یہ ایک عجیب بات پائی جاتی ہے کہ جوں جوں عمر کے میدان میں قدم رکھتی گئی دیندارانہ خیالات اسپر ہجوم کرتے گئے۔ اور جب اسنے ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن رشد میں قدم رکھا تو اچھی خاصی زاہدہ ہو گئی۔ شاہجہاں بادشاہ جو قدرتاً عبادت الٰہی سے عشق رکھتا تھا اپنی اس لڑکی کی دیندارانہ زندگی دیکھکر بہت ہی خوش ہوتا تھا اور اس وجہ سے ثریا بانو بیگم اپنے تمام بھائی بہنوں میں بادشاہ کو حد سے زیادہ عزیز تھی۔

شاہجہاں کی تین لڑکیاں اور بھی تھیں۔ جہاں آرا بیگم۔ گیتی آرا بیگم۔ انجمن آرا بیگم۔ یہ تینوں سگی بہنیں تھیں جو شاہجہاں کی دوسری بیگم ارجمند بانو عرف ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ بادشاہ بتقاضائے محبت پدری اگرچہ انہیں بھی دوست رکھتا تھا لیکن جو محبت و الفت اُسے ثریا بانو بیگم سے تھی اُسکی عشر عشیر بھی دوسری شہزادیوں سے نہ تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی داد و دہش کے وقت ثریا بانو بیگم کی مزید دلجوئی اور رضامندی کیلئے انعام کی فہرست میں اس کا نمبر سب سے اول رکھتا تھا۔ اور اگرچہ بادشاہ کی یہ بات اکثر اوقات ارجمند بانو بیگم کو ناگوار گذرتی تھیں مگر وہ اسکی پرواہ نہ کرتا تھا چنانچہ جب ساتویں جمادی الآخر ۱۰۳۷ھ ہجری کو شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ سلطنت ہند کے تخت پر جلوہ آرا ہوا تو اُسنے تخت نشینی کی خوشی میں ایک عظیم الشان جشن کے مرتب ہونیکا حکم دیا اراکین دولت نے جشن کی تیاریاں شروع کر دیں اور دربار کے رونق دینے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مجلس مرتب ہو چکی تو جہاں پناہ رونق افروز محفل ہوئے اور دربار کا مکان اہل مجلس کی اس دلکش اور خوش آیند ترنم کی پیاری صداؤں سے گونج اُٹھا۔

شہ گیتی ستاں جمشید ثانی ۔ سر افرازی دہ تاج کیانی ۔ خداوندہ زمان شاہ جہانش ۔ مسخر شد زمین و آسمانش

تقدیم مراسم آداب و تسلیم اور امرائے دولت کے نثار و نچھاور سے فراغت پانے کے بعد جہاں پناہ شبستان محل میں تشریف فرما ہوئے سب سے پہلے نواب ارجمند بانو بیگم المخاطب ممتاز محل نے سیم و زر کے لبریز خوان اور لعل و گوہر سے بھرے ہوئے طباق مبارکبادی کی رسم میں جہاں پناہ کے سر پر سے نچھاور کئے اور شہر کے فقراء و مساکین کی گودیاں زر و نقد سے پر کر دیں بعدہ جہاں آرا بیگم اور دیگر خواتین حرم سرانے نثار و تہنیت کی شرطیں ادا کیں اور فلک وسعت ایوان کو زر و گوہر کی کان بنا دیا۔ جہاں پناہ نے اپنی تمام اولاد اور دونوں بیگموں کو ایک بڑے کمرے میں جمع کیا۔ اور ہر ایک کی دلجوئی و تسلی کے بعد دو لاکھ اشرفیاں ممتاز محل کو اور پچاس ہزار روپیہ ثریا بانو بیگم کو اور پچاس ہزار جہاں آرا اور روشن آرا بیگم کو مرحمت فرمایا۔ اسی طرح شہزادہ دارا شکوہ اور شجاع اور اورنگزیب کو علی حسب مراتب کثیر رقمیں عنایت کیں ازاں بعد جہاں پناہ نے ثریا بانو بیگم کی طرف متوجہ ہو کر نہایت جوش محبت کے ساتھ فرمایا کہ بٹیا! میں جانتا ہوں کہ تمہارا ہاتھ بہت فراخ ہے اور سخاوت نے تمہارے دونوں ہاتھ کھول دیئے ہیں میں نے تمہاری تنخواہ میں جو کچھ اضافہ کیا ہے اگر تمہاری اصلی ضرورتوں کے لئے یہ تعداد پوری نہ اترے تو مجھے اطلاع دو تاکہ اسکا ویسا انتظام کر دوں اور اگر کافی ہو جائے تو آئندہ بھی تم جس قدر چاہو فراخ دستی سے خرچ کر سکتی ہو۔ خدا کے خزانے

میں کچھ کمی نہیں ہو میں نے ایک معتبر کتاب میں یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی ہو کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں خدا بندوں کیلئے اُنکے خرچ کے مطابق رزق دیتا ہو زیادہ ہو زیادہ دیتا ہو اور کم ہو تو کم۔ یہ کہکر جہاں پناہ نے دو لاکھ روپیہ کا مختلف جواہرات ثریا بانو بیگم کو اور عنایت فرمایا اور نہایت خندہ پیشانی اور فرط محبت کے ساتھ اسکی پیشانی کو بوسہ دیکر رخصت کیا۔ بادشاہ کی یہ مزید شفقت وعنایت جو ثریا بانو بیگم کے ساتھ اسوقت ظہور میں آئی۔ ارجمند بانو بیگم کو بہت شاق گذری اور اُسنے کسی قدر بگڑ کے عرض کیا کہ جہاں پناہ! حضور کو تمام اولاد میں انصاف کرنا اور سب کو ایک آنکھ سے دیکھنا چاہیے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ آدمی اپنے دلی خلق اور اصلی محبت کو کئی شخصوں پر برابر تقسیم نہیں کرسکتا اور گو وہ اپنی طرف سے بہتیرا چاہے لیکن یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کئی بیٹیوں اور بیٹوں میں برابری کرسکے لیکن تاہم وہ خدا کی طرف سے اس امر کا ضرور مکلف ہو کہ اظہار محبت اور تربیت اور پرورش میں سبکو یکساں اور برابر سمجھے اور جب عام لوگ اس قانون کی پابندی میں جکڑے ہوئے ہیں تو بادشاہوں کے لئے اس قاعدہ کی پابندی بدرجہ اولیٰ ضروری ہے کیونکہ اگر بادشاہ فرق مراتب سے قطع نظر کرکے عام طور پر اپنی تمام اولاد کو یکساں اور برابر نہ سمجھے گا تو یہی ایک خفیف سی بات آخر کار ان کے باہمی محاسدات اور عداوت وکینہ کا باعث ہو جائے گی۔ ارجمند بانو بیگم جب اپنی تقریر کا سلسلہ ختم کرچکی تو شاہجہان صرف اتنا کہہ کے خاموش ہو گیا کہ بیگم! اس بات کو تم مجھ سے زیادہ نہیں سمجھ سکتیں اور میں انتہا سے زیادہ ممنون ہونگا اگر تم آئندہ ثریا بانو بیگم کے بارہ میں اس قسم کی گفتگو کرکے مجھے رنج نہ پہنچاؤگی۔

سلطان بیگم

یہ جمیلہ خاتون شاہ طہماسپ والی ایران کی حقیقی بہن ہے جو عقل ودانش اور فرزانگی وتجربے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی اسکی پختہ کاری اور عاقبت اندیشی کے افسانے کم وبیش ایران کے تمام اطراف میں زبان زد عام وخاص تھے اور کم سنی وعالی دماغی کے چرچے نہایت وقعت اور ناموری کے ساتھ جستہ جستہ لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ شاہ طہماسپ ان ہی وجوہ سے اپنی بہن کو حد سے زیادہ محبوب رکھتا تھا اور تدابیر سلطنت اور امور جہانبانی میں اپنا ایک بڑا مشیر اور دست راست وزیر اور حکومت کا بازو سمجھتا تھا۔ سلطان بیگم کی زندگی میں [illegible]

سب سے بڑا وہ واقعہ جو تاریخی صفحات میں ابتک سنہرے حرفوں سے لکھا نظر آتا ہے اور جس نے اوسے تقریباً دنیا کے تمام حصوں میں نامور و مشہور کر رکھا ہے ہمایوں بادشاہ کا واقعہ ہے [illegible] پیش آیا - فارسی موزخوں نے اس واقعہ کو بہت بڑھا کر لکھا ہے لیکن مختصر [illegible] جب محمد ہمایوں بادشاہ قوم ازبکیہ کے قلع و قمع سے فارغ ہوا تو آخر ۹۵۰ھ ہجری میں ایران کی طرف متوجہ ہوا جب سیستان کی حد میں پہونچا تو طہماس شاہ ایران کی خدمت میں قاصد روانہ کیا اور ایک خط جسکے جملے جملے اور حرف حرف سے اتحاد و اتفاق کی بو اور محبت اور شوق ٹپکتا تھا بھیجا اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ تھوڑے دنوں ایران کی سیر و سیاحت میں بسر کروں اور پھر تازہ دم ہو کر مخالفوں کے قلع و قمع میں کوشش کروں -

احمد سلطان شاہ ملو جو سیستان کا حاکم تھا یہ خبر سنکر معزز مہمان کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگا اور باوجودیکہ ابھی تک شاہ طہماس کا کوئی حکم اسکے پاس نہ پہونچا تھا اپنے بھائی کو جو بڑا شجاع اور دلیر اور شجاع اور دلیر ہونے کے علاوہ خوش مذاق اور لطیفہ گو بھی تھا ساتھ لیکر سیستان سے نکلا خراسان کے عمدہ اور بیش قیمت تحفے لذیذ فواکہات اور طرح طرح کے عجیب و غریب سامان جو معزز مہمان کی شان کے لائق تھے مہیا کئے اور اپنے بھائی کو آگے روانہ کیا تاکہ وہ نہایت گرم جوشی اور اخلاص کے ساتھ بادشاہ کے خیر مقدم کی رسم ادا کرے - احمد سلطان شاہ ملو کا شجاع اور لطیفہ گو بھائی بہت جلد محمد ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں پہونچ گیا اور جو تحفہ تحائف اور گرانبہا ہدیے ساتھ لے گیا تھا پیش کئے عقب سے خود سلطان ضیافت کے ساز و سامان مہیا کرکے پہونچا اور شہنشاہ ہند کو ایک نہایت سرسبز باغ میں اُتارا -

ادہر شاہ طہماس کے پاس جب محمد ہمایوں بادشاہ کا خط اور بیرم خاں قاصد پہنچا تو وہ خط دیکھکر آبدیدہ ہوا اور بیرم خان کی مہمانداری کا حکم دیکر باین مضمون جواب خط لکھا اور نہایت شوق اور اظہار محبت کے ساتھ لکھا ؎

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد | ترا اگر گذرے بر مقام ما افتد

شہنشاہ ہند حضور محمد ہمایوں بادشاہ کو معلوم ہو کہ میں حضور کا ایک مخلص اور بے ریا غلام ہوں عرصہ سے آرزو تھی کہ شہنشاہ کمترین کے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیں الحمد اللہ کہ یہ تمنائے دیرینہ پوری ہوئی اور خادم کی دلی آرزو برآئی -

خط بند کرکے قاصد کو دیا اور دربار کے قاعدہ دان امرا کو بادشاہ کی مہمانداری کے لئے

متعین کیا اور تاکیدی حکم فرمایا کہ سیستان سے دارالحکومت ایران تک ہر ہر منزل اور شہر و گاؤں میں طرح طرح کی غذائیں اور میوہ جات اور فاخرہ خلعت اور تمام وہ چیزیں جس کی سلاطین کو ضرورت پڑتی ہی موجود کیجائیں کھانے پینے کے علاوہ اہل نغمہ اور اسباب عیش و طرب ہر جگہ مہیا کیا جائے عراقی منتخب گھوڑے طلائی ساز و یراق سے آراستہ بادشاہ کی سواری میں رہیں اور عربی اونٹ بار برداری کے کام میں لائے جائیں الغرض شہنشاہ ہند کی ضیافت اور مہمانداری میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے اور اسکی رضاجوئی و خوشنودی میں کوئی بات دریغ نہ رکھی جاوے۔

محمد ہمایوں شاہ جب نہایت تزک و احتشام اور وقعت و احترام کے ساتھ حدود ہرات میں داخل ہوا تو شاہ طہماسپ کا فرزند سید سلطان مرزا جو منصب ولیعہدی کا معزز و ممتاز تمغہ حاصل کر چکا تھا اور نہایت پر مغز عالی دماغ و حوصلہ مند شہزادہ تھا اپنے اتالیق شرف الدین اور دیگر امرائے دولت کو ساتھ لیکر ہرات میں پہونچا نہایت گرمجوشی اور فرط اخلاص سے بزرگانہ استقبال کیا اور لوازم تعظیم و تکریم میں ذرا کمی نہیں کی بالمشافہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو سلطان محمد میرزا نے قوانین آداب اور مخلصانہ ادائیں ظاہر کر کے سلام کیا اور مودبانہ کھڑا ہو گیا۔ محمد ہمایوں بادشاہ نے آگے بڑھ کے شہزادے کو سینے سے لگایا اور کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ بعد ازاں سلطان محمد میرزا رخصت ہوا اور شہنشاہ ہند چند روز تک ہرات کے پر فضا اور دلکشا باغات کی سیر و شکار میں مصروف رہا۔ چونکہ ہرات کی آب و ہوا بادشاہ کے مزاج کے بہت موافق تھی اور وہاں کے سبزہ زار نہایت دلکش و دلربا تھے لہذا قریباً دو مہینے تک بادشاہ نے یہاں قیام کیا اور ۹۵۱ھ ہجری کے آغاز میں داخل دارالحکومت ایران ہوا۔ شاہ طہماسپ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ مستقر حکومت کے دروازے پر آ پہنچا ہی تو وہ اپنے امراء دولت کو ہمراہ لیکر شہر کے باہر پہونچا اور بکمال گرمی و تپاک سے بادشاہ کا استقبال کیا۔ شہر میں ایک بڑی آراستہ اور عالیشان عمارت میں اتارا اور میزبانی کی وہ شرطیں بجالایا جو مہمان کو سزاوار و لائق تھیں۔

مورخین کا بیان ہی کہ اگرچہ شہنشاہ ہمایوں کئی مہینے تک شاہ طہماسپ کا مہمان رہا۔ اور بارہا اوس پوست کندہ حالات میں گفتگو کرنے کا موقعہ ہوا جو ابھی تک کسی کے کانوں کان تک بھی نہ پہونچے تھے۔ مگر شاہ طہماسپ نے اس بے تکلفی کی ملاقات پر بھی کبھی سرکش اور بدبخت افاغنہ کے واقعات کی نسبت حرف تک زبان پر نہیں لایا بلکہ جب کبھی اثنائے گفتگو میں بلا قصد و ارادہ

تذکرہ ہمایوں و دونوں بادشاہوں کا حال آگیا یعنی ایکبار مجلس میں خود بادشاہ نے افاغنہ کی سرکشی وبغاوت کا ذکر
چھیڑا اور مسلسل سرگذشت تفصیل سے بیان کی اُسپر شاہ طہماس نے نہایت افسوس ظاہر کیا اور بادشاہ
کی تسلی ودلجوئی کرکے سلسلہ کلام کا رخ اور طرف پھیر دیا کہ مبادا گرامی قدر اور عزیز مہمان کو کسی
طرح کا ملال ورنج پہونچے۔ لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجلس میں تخلیہ تھا جس میں صرف شہنشاہ ہند
اور شہنشاہ ایران موجود تھے اُس میں ہر طرف عالم خموشی کا سناٹا چھایا ہوا تھا ملازم وخدمتگار
سب باہر تھے ایسی تنہائی کے موقع پر شاہ ایران نے بادشاہ سے اُسکے ملک کی برہمی اور امراء
کی برگشتگی اور افاغنہ کے تمرد وسرکشی کی بابت استفسار کیا بادشاہ نے جواب دیا کہ ملک کی تباہی
اور سلطنت کی شکستگی کا بڑا سبب ہم بھائیوں کا نفاق تھا اور ہم بھائیوں میں اختلاف و
نفاق کی آگ بھڑکی اور ہمارے دشمنوں کو غیر معمولی قوت پہونچی۔ سلطنت برباد ہوگئی۔ اور دشمنوں
نے ہر طرف سے قبضہ کرلیا۔

اسکے دوسرے روز پھر مجلس عیش ونشاط گرم ہوئی اور شاہ ایران سلطنت کے ضروری
امورات سے فارغ ہوکر شہنشاہ ہند کی خدمت میں پہونچا۔ مجلس کے خاتمہ پر وہی کل کی گفتگو
شروع ہوئی اور شاہ طہماس کے اس سوال پر کہ سلطنت کے ضعیف ہونے کا بڑا سبب کیا
ہوا شہنشاہ نے وہی جواب دیا کہ صرف بھائیوں کا نفاق اس موقع پر بہرام میرزا شاہ طہماس
کا چھوٹا بھائی بھی موجود تھا اور بزرگان ایران کے قاعدے کے موافق کہ چھوٹے بھائی اور فرزند
والدین کی خدمت اور مہمان کی دلجوئی کو دوجہان کی سعادت جانتے اور خدام کی طرح شب وروز
اُنکی خدمت میں سرشار رہتے ہیں ہاتھ میں طشت وآفتابہ لئے ہوئے مصروف خدمت تھا خدمت
سے فارغ ہونے کے بعد بہرام میرزا نے طشت وآفتابہ ایک گوشہ میں رکھدیا اور نہایت ادب سے
ہاتھ باندھکر کھڑا ہوگیا۔ اوسپر شاہ طہماس نے بہرام میرزا کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ آپ لوگ
فرزندوں اور بھائیوں کے ساتھ وہ طریقہ اور ادب ملحوظ رکھتے ہیں جو اون کی حالت کے
ساتھ نہایت ہی نامناسب ہے یہی وجہ ہے کہ اون کے دلوں میں بادشاہ کی عظمت وہیبت بالکل
نہیں ہوتی اور رفتہ رفتہ مدعی سلطنت ہوکر مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں ایک ہم
لوگ ہیں کہ اپنے فرزندوں اور بھائیوں کو اپنے کاموں میں ذرا دخل نہیں دینے
دیتے اور اُنکی عزت وقدر ملازموں سے زیادہ نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ اونکو ہمارے مقابلے
اور ہمسری کی ذرا جرات نہیں ہوتی۔ شہنشاہ نے طہماس کے اس قول کی تصدیق کی اور فرمایا

بے شک یہ لوگ اسی قابل ہیں کہ انکے ساتھ اسی قسم کا سلوک و برتاؤ کیا جائے میں نے غلطی اور سخت غلطی کی کہ اپنے بھائیوں کو امور سلطنت میں اس قدر دخیل کر لیا کہ وہ مجھپر قابو پا گئے شہنشاہ کا یہ آخری جملہ بہرام میرزا کو بہت ناگوار ہوا اور یہی وجہ اسکے مزید رنج کی ہوئی اسکے بعد بہرام میرزا کا معمول ہو گیا کہ موقع پاکر کوئی نہ کوئی ایسی چبھتی ہوئی بات شہنشاہ کی طرف سے شاہ ایران کو لگا دیتا کہ وہ اس میں خواہ مخواہ غور و فکر کرنے لگتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شاہ ایران کے سامنے محمد ہمایوں بادشاہ کی مذہبی پالیسی کا ذکر ہوا اور بیان کرنے والے نے نہایت وثوق و دلائل سے بیان کیا۔ کہ شہنشاہ ہند مذہباً آپ کا مخالف ہے اور یہ جو کچھ اتحاد و اتفاق ظاہر کیا جاتا ہے صرف ظاہری تملق اور بناوٹی چاپلوسی ہے اسپر بہرام میرزا نے وہ غت پاشی کی کہ شاہ ایران کا مزاج بگڑ گیا اور قریب تھا کہ مادہ انحراف اسکے دلمیں بیٹھ جائے اور یہ سارا اتحاد و اتفاق عداوت و نفاق سے بدلجائے۔ لیکن محمد ہمایوں بادشاہ نے اسوقت بڑی عاقبت بینی اور دور اندیشی سے کام لیا اور سچ پوچھیے تو اسی عاقبت بینی اور دور اندیشی نے محمد ہمایوں بادشاہ کی عزت رکھ لی ورنہ دشمن نے تو اسکے پریشان کرنے میں کوئی کسر باقی ہی نہیں رکھی تھی وہ شاہ ایران کے تمام امرائے دولت اور اعیان ملک سے بملائمت و فروتنی پیش آتا تھا اور کسی کی بدخواہی کی نسبت کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا تھا آخر کار ان ہی امرائے دولت اور شاہی خاندان کے بزرگوں کی وجہ سے دونوں بادشاہوں میں صفائی ہو گئی اور ایک مدت تک اتحاد و اتفاق جانبین میں قائم رہا۔

اس نازک اور نہایت خطرناک موقع پر سلطان بیگم شاہ طہماسپ کی ہمشیرہ بادشاہ ہند کے بہت کام آئی اور اسکی دور اندیشی اور اصابت رائے نے نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ دونوں گھر آباد رکھے۔ سلطان بیگم نے جب یہ وحشتناک خبر سنی تو اسنے قاضی جہاں اور حکیم نور الدین کو جو سلطنت کے رکن اعظم اور نہایت معزز و ممتاز شخص تھے بلایا اور تمام واقعہ اول سے آخر تک گوش گزار کیا ان دونوں بزرگوں نے سلطان بیگم کی رائے کو پسند کیا۔ اور تینوں نے ملکر اس بدگمانی کو رفع کرنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کی جو طہماسپ کے دل میں شہنشاہ کی طرف سے بیٹھ چلا تھا۔ سلطان بیگم خود شاہ طہماسپ کی خلوت گاہ میں گئی اور نہایت متین و سنجیدہ لفظوں میں کہا کہ بھائی جان شہنشاہ کی نسبت جو آپ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ آپ کے مذہب کا سخت مخالف ہے اور مذہبی تعصب اسکے دل میں مخفی ہے محض غلط اور بے بنیاد ہے۔

خاندان تیموریہ ما حضرآن شاہی کے سب لوگ ہمیشہ سے اہلبیت کے ساتھ بے انتہا محبت
رکھتے اور انکے نام پر جانیں فدا کرتے آئے ہیں ۔ غور فرمائیے ذیل کی رباعی خود شہنشاہ ہند
کی کہی ہوئی ہے اور زور طبع اس سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس کی دلی عقیدت اور سچی محبت
پر دلالت کرتا ہے وہ کہتا ہے رباعی

ماییم ز جان بندۂ اولاد علی — ہستیم ہمیشہ شاد با یاد علی
چون سر ولایت ز علی ظاہر شد — کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علی

دانشمند اور عالی دماغ سلطان بیگم نے اثنائے تقریر میں یہ بھی کہا کہ حضور آپ کو یہ بھی معلوم
ہے کہ امرائے چغتہ شہنشاہ ہند سے کیوں مخالف ہوئے اور بھائیوں خصوصاً میرزا کامران میں
اور ہمایوں بادشاہ میں نفاق و اختلاف کی بنیاد کس طرح قائم ہوئی اس کا اصلی سبب یا علت
غائی یہی تھی کہ بادشاہ نے عنان حکومت ایرانیوں کے ہاتھ دیدی تھی اور سلطنت ہند
میں جو اقتدار اہل ایران کو نصیب تھا وہ کسی اور شخص کو نصیب نہ تھا علاوہ ازیں وہ اہل بیت
کی اظہار محبت میں افراط کرتا تھا یہ امر امرائے چغتہ اور شہنشاہ کے بھائیوں بالخصوص میرزا
کامران کو سخت ناگوار و گراں گذرا اور انھوں نے خفیہ خفیہ سازش کرنی شروع کی ۔ سچ تو
یہ ہے کہ مذہب تشیع کو جس قدر تقویت اور مدد شہنشاہ سے پہونچی ہے وہ قابل آفرین ہے
اور یہ شہنشاہ ہند کا ایرانیوں پر ایسا گراں بار احسان ہے جس سے انہیں سر اٹھانے کی گنجائش نہیں

الغرض سلطان بیگم کی اس موثر اور پُر مغز تقریر کا جادو شاہ طہماسپ پر چل گیا اور وہ اپنی بہن
کی اس مسلسل اور نتیجہ خیز گفتگو سنکر ششدر رہ گیا ۔ تعصب کا جنون جو چند روز سے
اسکے سر پر سوار تھا دفعتہً اتر گیا اور اب وہ سمجھا کہ یہ ساری کارروائی بہرام میرزا اور اس کے
ہمراہیوں کی ہے شہنشاہ ہند اس قسم کی فضول اور لایعنی باتوں سے بالکل بے لوث
اور پاک ہے اسنے تھوڑی دیر کے سکوت و خاموشی کے بعد سر اٹھایا اور سلطان بیگم
کی طرف روئے سخن کرکے کہا ۔ بیگم! تم مجھے معاف کروگی کہ ایسے ناہموار اور بیہودہ خیالات
کو میں نے اپنے دل و دماغ میں جگہ دی اور ایک بے لوث اور پاک شخص کی طرف سے بدظن
ہوا ۔ تمہاری اس سچی اور پر اثر تقریر نے میرے تمام شکوک و شبہات کو مٹا دیا اور ان سارے
خطرات و وسواس کو دل سے دھو دیا جو شہنشاہ ہند کی طرف سے میرے ذہن میں خطور
کرتے تھے بیگم! میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم نے مجھ میں اور شہنشاہ میں ہمیشہ کے لئے صفائی

کرادی اور جور کا وٹ باہم تھی اوسے جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

اسکے بعد شاہ طہماسپ ہمایوں شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مراسم مہمانداری میں کوشش کا کوئی دقیقہ اوٹھا نہ رکھا۔ اب ہمایوں شاہ کی طبیعت ایران سے دفعتہً اچاٹ ہوگئی اور اُسکی اس برخاستگی طبع کا بڑا سبب یہ ہوا کہ اوسے اپنے عزیز و قریب اور اہل و عیال اور ملک و سلطنت یاد آئی اور جاہ و جلال اور حشمت و شوکت کا سماں دوبارہ آنکھوں تلے پھر گیا جو اُسے اب سے تھوڑے دنوں پیشتر میسر تھا اُسنے فوراً سامان سفر مہیا کرنیکا حکم دیا اور یک بیک ایران سے چل کھڑا ہوا۔ شاہ طہماسپ کو بادشاہ کے ارادے پر اطلاع ہوئی تو اُسنے دس ہزار سوار قزلباش اور دس ہزار خراسانی پیادے جو سر سے پاؤں تک فولادی ہتیاروں میں ڈوبے ہوئے تھے اور دس ہزار ایرانی مسلح سوار اور بہت سے نامدار سردار بادشاہ کی ہمرکابی اور جان نثاری کے لئے تیار کرکے حکم دیا کہ سفر و حضر میں ہمیشہ شہنشاہ کے ساتھ رہیں اور اُسکے قدموں پر جان قربان کر ڈالنے کو اپنا فخر سمجھیں ازاں بعد شاہ ایران نے دوسری طرف عنان توجہ موڑی اور اُن چیزوں کے سرانجام دینے میں مشغول ہوا جو لوازم سفر تھیں۔

جب سامان سفر بالکل مہیا اور فراہم ہوگیا تو شہنشاہ ہند ایران سے رخصت ہوا اور شاہ طہماسپ خود بطریق مشایعت کئی کوس تک بادشاہ کے ساتھ آیا ازاں بعد ہمایوں شاہ رخصت ہوا اور شاہ ایران دارالحکومت ایران میں واپس آیا۔ ایران سے نکلکر ہمایوں نے فتح قندہار کا عزم بالجزم کیا اور سرداران ایران پر اس امر کو ظاہر کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ قندھار پر حملہ آور ہوں اور اوسے فتح کرکے تبریز کی راہ سے مشہد مقدس کی زیارت کرکے ہندوستان میں پہونچوں چنانچہ سرداروں اور فوج کے افسروں نے نہایت ترتیب و آراستگی کیساتھ فوج کو قندھار کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور فوج نہایت آہستگی کے ساتھ قندھار روانہ ہوئی اندنوں میرزا عسکری قندھار پر حکمراں تھا اور اُسنے ہمایوں کے مقابلہ کیلئے بہت کچھ فوج جمع کر رکھی تھی اور سامان کافی و وافی تھا مگر خود بہت کمزور دل کا واقع ہوا تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ ہمایوں قندھار پر چلا آتا ہی تو مع اہل و عیال اور فوج کے قلعہ بند ہوگیا ہمایوں کی فوج نے قندھار کو چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا اور چھ ماہ تک محاصرہ رہی انجام کار سنہ ۹۰۲ھ میں قندھار فتح ہوا ہمایوں نے قندھار کی باگ حکومت شاہزادہ محمد مراد کے سپرد کی اور خود مشہد مقدس روانہ ہوا